كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

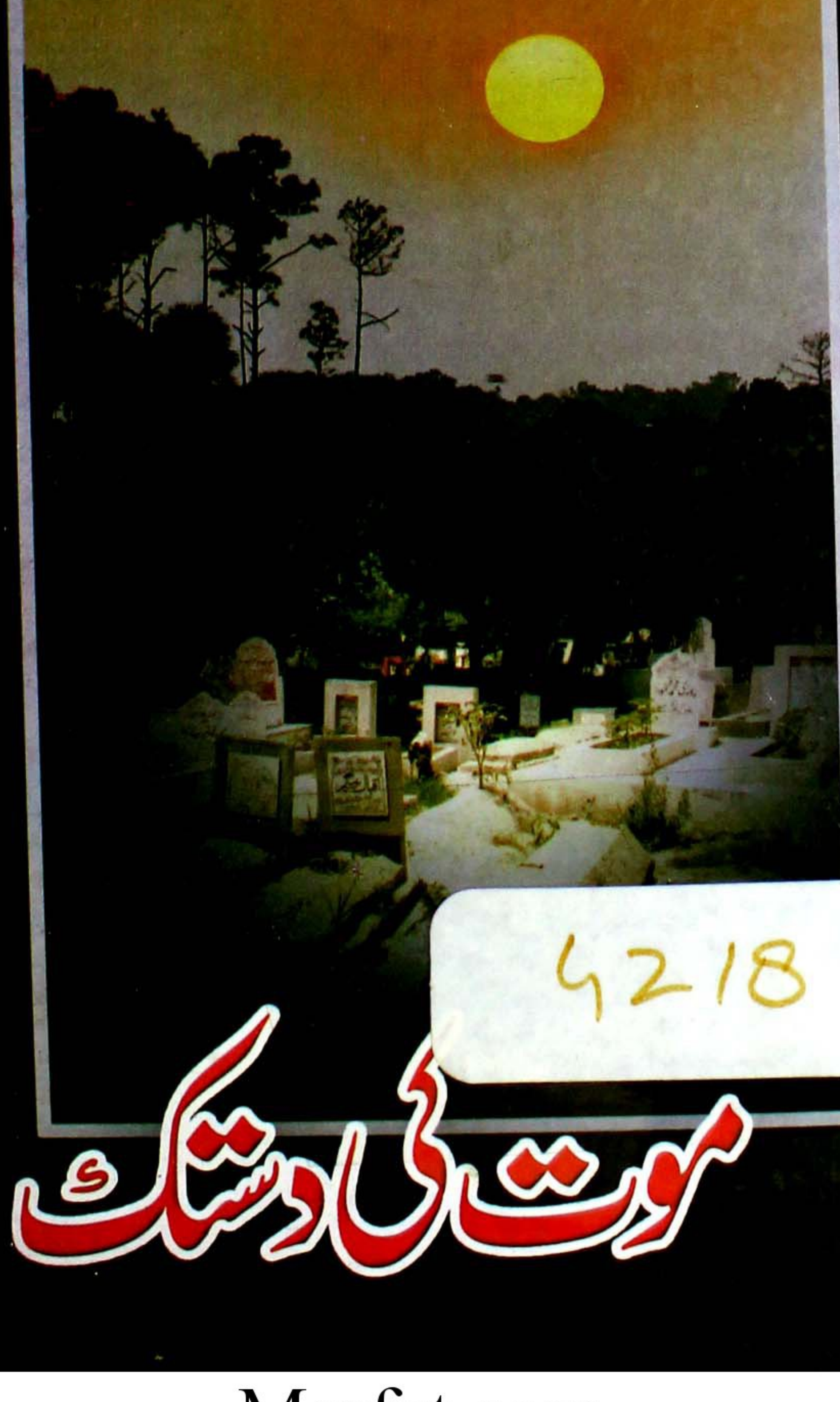

4218

موت کی دستک

Marfat.com

Marfat.com

4218

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

موت کی دستک

مُصنّف

مُحمّد انور قمر شرقپوری نقشبندی مُجدّدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ○ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

87509

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	موت کی دستک
مصنف	محمد انور قمر شرقپوری نقشبندی مجددی
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	مارچ 2002ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	1Z314
قیمت	-/100 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Green Dome International Ltd.

148-164 Gregory Boulevard

Nottingham NG7 5JE UK.

Tel:- 0115-911 7222 Fax:- 0115-911 7220

Marfat.com

ذخیرہ
4218

فہرست عنوانات

انتساب		9
حرف آغاز		11
بردر عشاق النبی ﷺ		18
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	19
دستک حضرت سلمان فارسی		21
غسیل ملائکہ	حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ	24
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	26
لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ	حضرت حبیب رضی اللہ عنہ	30
سر کی حفاظت	حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ	32
محبت رسول ﷺ	حضرت زید بن الاثنہ رضی اللہ عنہ	33
جھنڈے کی سربلندی	حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ	35
کھجوریں	حضرت عمیر بن الحام رضی اللہ عنہ	37
چبوترے کی لاش	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ	38
لنگڑا	حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ	40
مثلہ	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ	43
برہنہ	حضرت عبداللہ (سابق عبدالعزیٰ) رضی اللہ عنہ	44
واقعہ کربلا	حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ	47
ترکھاناں دا منڈا	غازی علم الدین شہید	48
بردرِ مردانِ کاملین		51
کنکریاں	حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ	52
زیادہ خون	مغضب بن جبیر رضی اللہ عنہ	53
کنیز	حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا	54

Marfat.com

پرندوں کا سایہ	حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ	58
ایمان کا تحفظ	حضرت ثفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ	62
خط	حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	65
سجدہ	حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ	67
ہذا حبیب اللہ	حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ	68
انا الحق	حضرت حسین منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ	70
درس	حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ	74
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	75
خلوت	حضرت شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ	78
تمنائے شہادت	حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ	79
دستر خوان	حضرت سیدی سولہ رحمۃ اللہ علیہ	83
وصیت	مولینا فیض الحسن سہارنپوری	86
بارانِ رحمت	اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ	87
تیاری	میاں روشن دین نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ	89
درود پاک کی برکت	حضرت شیخ مسعود زوری رحمۃ اللہ علیہ	91
مسکراہٹیں	مولانا محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ	92
افتخار مومن	پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ	93
بردرِ مجبوراں		97
محل	غیاث الدین تغلق	98
قاتل	سلطان قلب شاہ	99
داماد	سلطان جلال الدین خلجی	100
شکار	جہانگیر بادشاہ کا ایک سائیس	101
قتل عام	گلینگو کا قتل عام	103
سازش	کیپٹن جیمز کک	104

Marfat.com

محبوب نظر	ابوالفضل	106
وزیراعظم	مسولینی	107
حبابہ	یزید بن عبدالملک	108
ستی	پرتھوی راج اور سنجکتا	109
چنچا	رانی پدمنی	111
بیوہ	شمس خان اور اس کی بیٹی	114
موت زندہ باد	محمد تغلق کی مجبور رعایا	115
قیدی	پندرہ ہزار قیدیوں کا قتل	116
ہڈیاں	ایک بوڑھا بابا	117
موت کی تمنا	بہادر شاہ ظفر	118
بردرِ گستاخاں		120
ہلاکت	ابی بن خلف	121
نکاح	مسیلمہ کذاب	123
پس پردہ	مختار بن ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی	125
دعویٰ خدائی	حکیم مقنع	127
جادو	مغیرہ بن عجمی	128
دعویٰ ربوبیت	الحاکم بامر اللہ	130
نقب	دورومی عیسائی	131
قسم	ریجی نالڈ	134
بے راہ روی	ملا فیضی	137
نبوت کا دعویٰ	مرزا غلام احمد قادیانی	138
نعرۂ رسالت	فردوس شاہ ڈی ایس پی لاہور	140
غلاظت	سر محمد ظفر اللہ خان	142
قادیانی خلیفہ	مرزا بشیر الدین محمود	143

Marfat.com

بردِ سازش		146
زہر	حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ	147
اشتعال	ہرثمہ بن عین	149
حمام	خلیفہ المستنجد باللہ	150
بیڑا	کمال خان	151
انارکلی	نادرہ بیگم	155
کبوتر	شیر افگن	158
جام مے	نصیر الدین حیدر	161
بردِ حسد و لالچ		164
پہلی قبر	حضرت آدمؑ کا بیٹا ہابیل	165
آگ کا شعلہ	لاعم نامی ایک غلام	166
شراب و سرود	عین الملک اور شہزادہ اسماعیل	167
ماں بیٹا	خلیفہ ہارون بن مہدی	168
امرائے سلطنت	برہان الملک اور عفہ الملک	170
مے نوشی	قطب الدین مبارک شاہ خلجی	172
علیحدگی	مولانا عبداللہ چکڑالوی	175
بردِ انتقام		177
باپ اور بیٹے	حضرت مسلم بن عقیلؓ اور ان کے صاحبزادے	178
والدہ کی نصیحت	حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	179
ولی عہد نمبر 1	مروان بن حکم	182
اشرفیوں کی بکھیر	عمرو بن سعید	183
جاسوس	ادریس بن عبداللہ	184
بے گور و کفن	منصور بن جمہور	185

Marfat.com

مال و متاع	ابو مسلم خراسانی	186
لٹیرا	ابوالسرایا	188
بدنیتی	ابوایوب (سلیمان بن مخلد)	189
ولی عہد نمبر2	امام علی بن موسیٰ رضا	191
تاریکیاں	فضل سن سہل	192
ملامت	مثنصر	194
شراب	ایتاخ	195
تنور	ابن زیات	196
شہزادے	یعقوب بن السکیت	198
فتح کا انعام	موسیٰ بن نصیر	199
بے بسی	سلطان مسعود غزنوی	201
شکایت	محمد بن قاسم	203
گلوکارہ	سربیا کے صدر کا حکم برائے قتل	205
سزا	سلطان محمود شاہ تاتی بن لطیف گجراتی	207
بردرِ متفرقات		209
شربت	چنگیز خان	210
قہقہے	چارلس اول	212
اتکہ	ادہم خان	214
اذیتیں	عسکل یا عرنیہ کے لوگ	216
خودکشی	قزمان	217
احتجاج	عبداللہ بن جارود	218
عہدہ قضا	حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	220
قبر کی تعمیر	ہارون الرشید	222

Marfat.com

لونڈی	محمد بن منصور المہدی	223
چھوٹا دروازہ	عبدالعزیز بن موسیٰ	224
مرض استسقا	خلیفہ واثق باللہ	225
آقا اور غلام	خلیفہ المتوکل	227
عورت پسندی	برہان نظام شاہ	227
سزا کی پرچیاں		229
جنتی	ابراہیم یزید تیمی	230
تبسم	سلطان صلاح الدین ایوبی	231
عہد	سلطان طفرل	233
صدقہ	ظہیر الدین بابر	235
موسیقار	ولف گینگ	237
انعام	ابوالقاسم فردوسی	240
دولت کے انبار	سلطان محمود غزنوی	243
عصاء	نصیر الدین ہمایوں	244
کھری کھری باتیں	حضرت شیخ سلطان	246
تمنائے شہادت	حاجی یار محمد	246
خطاب	مولانا شہریار	251
دولہا	امجدی بیگم	253
عیش کوشی	کیقباد	255
حمام	مرتضیٰ نظام	257
انقلاب فرانس	لوئی شانزدہم	259
مسجد شہید گنج		262

Marfat.com

انتساب

کتاب موسومہ ''موت کی دستک'' کا انتساب اپنے پیر و مرشد فخر المشائخ صاحبزادہ الحاج حضرت میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری نقشبندی مجددی اور مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد رحمتہ اللہ علیہ شرقپوری کی ذات والاصفات کے نام ہے جن کی نظر فیض نے بندہ کو تحریر کے میدان میں متعارف کرایا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ناچیز

محمد انور قمر شرقپوری

نقشبندی مجددی

Marfat.com

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

اقبالؒ

Marfat.com

11

حرفِ آغاز

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے.....

''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ''

''ہر ذی نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے''

چنانچہ جب سے دنیا قائم ہے لوگ موت کا ذائقہ چکھ رہے ہیں۔اس ذائقے کے بغیر کوئی شخص زیرِ زمین نہیں گیا ہے۔ذائقہ چکھنے اور ذائقہ چکھانے میں ظاہری طور پر کچھ فرق دکھائی دیتا ہے کہ ذائقہ چکھنے میں ذائقہ چکھنے والے کی اپنی مرضی ہے کہ ذائقہ چکھے یا نہ چکھے لیکن ذائقہ چکھانے میں یہ تاثر ملتا ہے کہ خواہ ذائقہ چکھنے والے کی مرضی ہو یا نہ ہو اسے ذائقہ چکھنا ہی ہوگا۔مگر موت کے ذائقے میں یہ فرق محض ظنی ہے۔ذائقہ چکھنے والے کی خواہ مرضی ہو یا نہ ہو اسے یہ ذائقہ ضرور چکھنا ہی ہوگا۔

اب ذائقہ تلخ بھی ہے اور شیریں بھی۔اس کی تلخی اور شیرینی انسان کی اپنی پیدا کردہ ہے اور اس کا زیادہ تعلق مخلوقات کی زندگیوں سے وابستہ ہے کیونکہ موت اور زندگی میں گہری ہمسائیگی ہے۔زندگی ان اصولوں کے مطابق گزرے گی جو زندگی دینے والے (خدا) نے مرتب کئے ہیں تو موت کی تلخی میں یقیناً کمی ہوگی اور اگر اسالیب حیات کو خالق حیات کے مطابق نہیں اپنایا تو موت انتہائی تلخ حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ ایک موت کے ذائقے کو شیریں بنانے کے لئے بہت سی زندگیوں کو خوش گوار بنانا ہوگا اور پھر اس کے مقابلے میں صرف ایک زندگی کو تلخ بنانے سے اپنی موت زیادہ تلخ بن جائے گی۔

آج کا انسان محض اپنی زندگی میں آرام بھرنے کے لئے دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہا ہے۔اس کے گمان کے مطابق جونہی کسی شخص کا ایک سانس بھی اس کی نیند یا آرام میں مخل ہوتا ہے تو اس کے سانسوں کی رگ کاٹ دیتا ہے۔اب اس کی کٹی ہوئی رگ کو دیکھنے والی جو آنکھیں ہوتی ہیں وہ نکال دیتا ہے۔اس ظلم پر آواز بلند کرنے والی زبانیں بھی کھینچ لیتا ہے اور پھر اس چیخ و

Marfat.com

پکار کو سننے والے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر بہرے بھی کر دیتا ہے۔

اب دیکھئے ایسے شخص کی زندگی تلخیوں سے کس قدر بھرپور ہوگی۔ یہ لوگ موت کا ذائقہ کو چکھنا نہ چاہیں گے مگر انہیں زبردستی یہ ذائقہ چکھایا جائے گا۔ ان کی موت کے ذائقے میں تلخیاں بھی ہوں گی۔ انتقام کی شدت بھی ہوگی۔ ظلم و جور کی زیادتیوں کا بدلہ بھی ہوگا۔ مجبوروں کی سسکیاں بھی ہوں گی اور بھولے ہوئے وقت کی گرفت بھی ہوگی۔

ان کی موت کا ذائقہ شراب کے پیالے میں بھی ہوسکتا ہے۔ خنجر کی تیز نوک میں بھی ہوسکتا ہے اور آگ کے کوئلوں پر کباب بننے والی کروٹوں میں بھی ہوسکتا ہے۔

ایسی موتیں زمانے کی ہر آنکھ کے لئے عبرت رکھتی ہیں۔ اس آنکھ نے ایسی موتیں بھی دیکھی ہیں جو بس آرام کرنے کے لئے سوئے اور ہمیشہ کے لئے سو گئے۔ ایسی بھی جنہیں موت کے دن اور وقت اجل کے فرشتہ نے بتا دیا۔ جنہوں نے موت کو مسکراتے ہوئے لبوں کے ساتھ سینے سے لگالیا یا پھولوں کی خوشبو سونگھتے سونگھتے خوشبوؤں کے جہاں میں پہنچ گئے۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے موت کی دستک پر ہر وقت کان دھرے رکھا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی موت کو نہیں بھولے۔

موت بڑی چوکس ہے۔ موت اپنے فرض کی ادائیگی میں ایک ثانیہ بھی کوتاہی نہیں کرتی اور ہر شخص کے کان کے دروازے پر دستک دیتی رہتی ہے کہ مجھے تیرے پاس بھی آنا ہے۔ جب میں تجھے نہیں بھولتی تو تو مجھے کیوں بھولتا ہے۔ موت کی یہ دستک صدیوں پرانے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک کی زندگی کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔ بیدار لوگ اس کی دستک کے بغیر بھی اس کی آمد کا یقین رکھتے ہیں۔ مگر اف! ہم جیسے لمبی تان کر سونے والے بے خبر ہیں کہ جیسے موت نہیں آئے گی۔ دوسرے لوگوں کی موت کی رسی انہوں نے اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے۔ گولہ بارود ان کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ ان کا عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کے دامنوں میں چیخیں اور آنسو بھرے جا رہے ہیں۔

شاید یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ موت ان کے قبضے کی باندی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اس سے خدمت لیتے رہیں گے..... نہیں، نہیں موت تو پلٹ پلٹ کر ان کے دروازوں پر دستک دیتی ہے کہ ابھی اسے اللہ کے ہاں سے اجازت نہیں ملی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کا منتظر ہے۔ اے لوگو! ڈر

Marfat.com

جاؤ، اپنی کارستانیوں سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارے ظلم اور ہٹ دھرمی کے بازو توڑنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

موت کا مرحلہ زیادہ یقینی ہے جس سے آدمی کو یقیناً گزرنا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو زندگی نہ ملے مگر جس کو زندگی ملی اس کے لئے موت کا آنا لازمی ہے۔ ہر آدمی جو زندہ ہے وہ ایک روز مرے گا۔ ہر آدمی جو دیکھتا ہے اور بولتا ہے یقیناً ایک روز اس کی آنکھ بے نور ہو گی اور اس کی زبان بے حرکت ہو کر چپ سادھے گی۔

ہر آدمی پر وہ وقت ضرور آتا ہے جب وہ موت کے دروازے پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ دنیا اس کے پیچھے ہو گی اور اس کے آگے آخرت، جسے حاصل کرنے میں وہ دن رات سرگرداں رہا۔ اسے آج قبر کے گڑھے میں دھکا دے رہی ہے۔

موت آتی ہے تو بڑے بڑے بہادر، مالدار اور تدبیر والے بے بس ہو جاتے ہیں اور اس بے بسی کو دیکھنے والے رونا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں مگر موت کی قوت کا اندازہ نہیں لگاتے کیونکہ ان کی زندگی کی راہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اگر ہم لوگ غور کریں تو واشگاف الفاظ میں یہ گواہی ملتی ہے کہ موت کی عظمت ہر چیز سے عظیم ہے۔

غور کرنے والوں کو فلسفہ موت میں ایک اور بڑی ہستی کا پتہ ملتا ہے جسے خدا کہا جاتا ہے جس نے موت کو بھی پیدا کیا ہے۔ انسان موت کے آگے بے بس ہے اور موت خدا کے آگے بے بس ہے۔ اس سے پہلے انسان جن ہستیوں کے آگے بے بس تھا اتنا بے بس کہ ان کے آگے سجدہ ریز ہو گیا انہیں اس نے خدا اور معبود تسلیم کر لیا۔ اس نے بارہا اپنے ان معبودوں کو بھی بے بس پایا مگر زیادہ انسانوں نے عقل کی آنکھ پھر بھی نہ کھولی۔

موت نے آ کر اس حقیقت کو باور کرایا کہ برتر و اکبر ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی بات حق ہے اسی کو مانو اسی کو پوجو۔

موت کا آنا ایک اٹل حقیقت ہے۔ مگر اس کے وقت کی معرفت ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ ظاہری طور پر اس کے آنے سے ایک کہرام مچ جاتا ہے۔ بے سہارا مائیں بہنیں، ضعیف و ناتواں بوڑھے اور یتیم بچے رو رو کر ہلکان ہونے لگتے ہیں۔ ظاہری طور پر ان کے سائے کی چھت کی کڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا زندہ رہنا ناممکن دکھائی دیتا ہے مگر نہیں ایسے حالات پیدا کر

Marfat.com

کے اللہ کو یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ ٹوٹے ہوئے بادبانوں والی کشتیوں کو کنارے لگانا میرا کام ہے۔اس میں اس کی ربوبیت عیاں ہے۔

برے بندے کی ایک موت سے ہزاروں اچھے لوگوں کی زندگیوں کو اس کے شر سے محفوظ کیا جاتا ہے اور ایک اچھے پارسا آدمی کی موت سے اسے بروں کے شر سے بچالیا جاتا ہے۔ویسے بھی ایک موت کے پیچھے زندگی اور زندگی کی جولانیوں کو نئے نئے روپ میں دکھایا جاتا ہے۔

.....ریل گاڑی کی مثال سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر سفر کرنے والے لوگ اپنے اپنے اسٹیشن پر نہ اتریں گے تو نئے سوار ہونے والے لوگوں کے لئے جگہ کیسے ملے گی۔

.....اور پھر اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھتا ہے کہ دنیا کا حریص جب اچانک مر جاتا ہے اور اس کی دنیا کے سارے سامان اور ٹھاٹھ باٹھ یہیں پڑے رہ جاتے ہیں بلکہ وہ اپنے مدفون خزانے اور دل کے بھید تک نہیں بتا سکتا تو دوسرے لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

موت دو زندگیوں کے درمیان ایک پل کی طرح ہے یعنی دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی۔دنیا کی زندگی کی حد اختتام موت ہے اور حد کے آگے آخرت کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا اس حد تک پہنچنے کے لئے انسان کو وہ فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے جو اول اور آخری سانس کے درمیان بھی ہے۔اسے زندگی کا سفر بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس طرح انسان ایک مسافر بن جاتا ہے۔مسافر لوگ عموماً اپنے سفر میں مختصر سامان اٹھایا کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے دنیا کی چیزوں سے بہت کم تعلق پیدا کرتے ہیں۔حرص اور لالچ ان میں پیدا نہیں ہوتا۔وہ چھینا جھپٹی بھی نہیں کرتے۔وہ دوسروں کے حقوق کو غصب نہیں کرتے بلکہ اپنا بھی سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔بلکہ جان دے کر یوں کہتے ہیں کہ

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ان کے پیش نظر ہر وقت اللہ کا یہ فرمان رہتا ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین

(اے میرے پیارے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری

Marfat.com

قربانیاں، میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

یہاں چار چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

1۔نماز 2۔قربانی 3۔زندگی 4۔موت

نماز اطاعت کی قربانی مانگتی ہے اور قربانی وقت، مال اور جان تک کی فداکاری کا تقاضا کرتی ہے۔اس سے زندگی کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔اب اگلی منزل موت کی ہے۔کوئی بھی شخص اطاعت کرے یا نافرمانی، قربانی کا جذبہ پیدا کرے یا نہ کرے۔موت سے اسے ضرور دوچار ہونا ہوگا۔ اس سے کسی کو فرار نہیں مل سکتا جو لوگ اپنے مرنے کو بھی اللہ کی رضا کے لئے وقف کر دیتے ہیں وہ پہلی تینوں چیزوں سے غفلت نہیں کرتے۔

وہ تو اس دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ان کے نزدیک اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔وہ اسی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے لگے رہتے ہیں کیونکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ

؎ زندگی انسان کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

انہیں اپنی اس زندگی کو پرسکون بنانے کی قطعاً فکر نہیں ہوتی۔البتہ دوسروں کی زندگیاں زیادہ پرسکون بنانے کی فکر ضرور کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنی موت کے آنے کا خوف ہوتا ہے۔ تاہم دوسروں کی موت پر انہیں رنج ضرور ہوتا ہے۔

موتیں انفرادی بھی ہوتی ہیں اور اجتماعی بھی۔اجتماعی موتیں آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے، زلزلوں سے، سیلابوں سے، وبائی امراض سے اور جنگوں سے واقع ہوتی ہیں۔

طوفان نوحؑ سے تقریباً روئے زمین کے سارے لوگ مر گئے تھے۔وبائی امراض میں ٹائفس، ہیضہ، پیچش، خارش، طاعون اور چیچک جیسے امراض شامل ہیں۔

طاعون سے دنیا کی نصف آبادی موت کا شکار ہوگئی تھی۔ہیضہ سے برصغیر کے لاکھوں افراد موت کے جبڑوں میں پس گئے۔

مورخین کے اندازے کے مطابق گزشتہ پانچ ہزار سال کے دوران دنیا میں 145000 جنگیں لڑی جا چکی ہیں جن میں تقریباً 4 بلین (4000000000) جانیں ضائع ہوئیں۔ کورووں اور پانڈوؤں کی لڑائی میں 14475492 لوگ مارے گئے۔جب بنو امیہ کی

Marfat.com

حکومت کا خاتمہ ہوا تو بنو عباس کے ہاتھوں 6 لاکھ اموی صرف ابو مسلم خراسانی کے ہاتھوں مارے گئے۔ حجاج بن یوسف نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کا خون محض اپنے غصے کی بنا پر بہا دیا اور جنگ عظیم اول میں ایک کروڑ اور جنگ عظیم دوم میں پانچ کروڑ انسان تلف ہو گئے۔

اربوں لوگ موت کا شکار ہوئے ہیں۔ ان کے صرف نام لکھنا ہی کار مشکل ہے۔ چہ جائیکہ ان کی موت کے پس منظر لکھے جائیں۔ یہ بڑی طویل فہرست ہے مگر عقل والوں کے لئے تو محض ایک اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ یہاں ہم 100 سے زیادہ اشارے دے رہے ہیں کہ بعض متکبرین، منکرین، طامعین، گستاخ ظالم کیوں اور کیسے مرے اور پھر ان کے مقابلے میں اہل محبت، عاشق، مردانِ حق، شہدا اور حق شناس لوگوں نے کس محبت سے موت کو گلے لگا لیا۔

موت سے دوچار ہونے والوں یا دوچار کرنے والوں کے بعض حالات و واقعات کتابوں میں بکھرے پڑے تھے جنہیں ہم نے نہایت محنت کے ساتھ یکجا کر دیا ہے تا کہ

☆ سامان ہو موت کو یاد رکھنے والوں کے لئے

☆ سبق ہو حق کی حمایت میں جان دینے والوں کے لئے

☆ عبرت ہو موت کو بھولنے والوں کے لئے

ایسے واقعات اس سے قبل یقیناً آپ پڑھ چکے ہوں۔ گر۔ ہم نے انہیں ایک نئے انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ تاریخی صداقتوں کا بھی خیال رکھا ہے اور قارئین کے ادبی ذوق کے پیش نظر ادبی رنگ بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور کہاں کہاں ہمارے قلم کے راہوار نے ٹھوکریں کھائی ہیں اس کا بہتر فیصلہ قارئین کی عمیق اور تنقیدی نظر کر سکے گی۔ ہمیں آپ کی مثبت رائے کا انتظار رہے گا۔

اس کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ بعض اہل اللہ کی اموات آنے سے قبل انہیں علم ہو گیا اب اندازہ کریں جنہیں اپنی موت کا پتہ چل جائے وہ بھلا دوسروں کے حقوق سلب کرنے میں کیا زیادتی کریں گے۔ نہ وہ حقوق اللہ میں سستی کریں گے اور نہ ہی حقوق العباد میں خیانت کریں گے۔ یہ ہم جیسے ہی ہیں جو موت کو بھولے ہوئے ہیں اور ایسے بھولے ہوئے ہیں جیسے موت آئے گی ہی نہیں اور دنیا کے پیچھے بھاگے پھر رہے ہیں۔

عشاق لوگ وصل یار کے فراق مین دن رات انتظار کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تو آنکھیں

Marfat.com

خشک نہیں ہوتیں۔ موت تو ان کے فراق کو وصل میں بدلنے والی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس موقعہ پر متبسم نہ ہوں گے تو کب ہوں گے۔ وہ تو بازو پھیلا پھیلا کر موت کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کتاب میں آپ یہی کچھ دیکھ پائیں گے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے یعنی

موت کی دستک بردرِ عشاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

.....مردان کاملین

.....مجبوراں

.....گستاخاں

.....سازش

.....حسد ولالچ

.....انتقام

.....متفرقات

جب ان واقعات کو اس تبویب کے تناظر میں دیکھا جائے گا تو کتاب کی دلچسپی میں ایک نیا رنگ آپ دیکھ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ذوق مطالعہ میں وسعت پیدا کرے۔ آمین

بندہ آثم

محمد انور قمر شرقپوری

نقشبندی، مجددی

Marfat.com

موت کی دستک

بر درِ عشاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کا نام عبداللہ ابوقحافہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کو عبدالکعبہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ آپ کا نام عتیق بھی تھا۔ تمام امت محمدی ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا لقب صدیق ہے کیونکہ آپ نے بے خوف ہو کر حضور ﷺ کی بلا تامل تصدیق فرمائی اور صدق کو اپنے اوپر لازم کرلیا۔ معراج کے متعلق بھی آپ نے کفار کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھائی اور حضور ﷺ کے اقوال کی تصدیق فرمائی۔

آپ حضور ﷺ سے عمر میں دو سال چھوٹے تھے۔ مکہ میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی۔ حضور ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرمائی۔ مردوں میں آپ سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ نے حضور ﷺ کا ساتھ کبھی بھی نہیں چھوڑا۔ حضور ﷺ کی محبت میں ہجرت کی۔ غار میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ لڑائیوں میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ آپ بڑے سخی تھے۔ آپ عالم اور ذکی تھے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ خلیفہ رسول بنے۔ بحیثیت خلیفہ آپ نے مانعین زکوٰۃ اور مرتدین سے جہاد کیا۔ آپ نے شام کے ملک میں یرموک کی لڑائی میں قیصر ہرقل کو بدحواس بنا دیا تھا۔ جب یرموک کے بھاگے ہوئے سپاہی حمص میں ہرقل کے پاس پہنچے جہاں وہ نتیجۂ جنگ کا انتظار کر رہا تھا تو اپنے کئی لاکھ آہن پوش لشکر کا مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھ سے تہس نہس ہونا سن کر ششدر رہ گیا اور فوراً حمص سے روانہ ہو گیا۔ اسی طرح عراق کا زرخیز وسیع حصہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آ گیا تھا۔ اسلامی حکومت ملک عرب میں مستقل و پائیدار ہو کر مصر، ایران و روم کی سرحدوں کو پیچھے ہٹانے اور خود وسیع ہونے میں مصروف ہو چکی تھی۔

شروع جمادی الثانی 13ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعارضہ تپ مبتلا ہوئے پندرہ روز برابر شدت کا بخار رہا۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ وقت آخر آن پہنچا ہے تو آپ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر خلافت کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت

Marfat.com

تمہارا کیا خیال ہے۔انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج میں سختی زیادہ ہے۔

آپ نے فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سختی کا سبب صرف یہ ہے کہ میں نرم طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے خود اندازہ کرلیا ہے کہ جس معاملہ میں بھی نرمی اختیار کرتا تھا اس میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سختی کی جانب مائل ہوتی تھی لیکن جن معاملوں میں میں نے سختی سے کام لیا ان میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ نرمی کا پہلو اختیار کرتے تھے۔میرا خیال ہے کہ خلافت ان کو ضرور نرم دل اور معتدل بنادے گی۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر یہی سوال کیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ عمر کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم میں سے کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

پھر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر یہی سوال کیا۔

انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عثمان غنی دے چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے آپ نے ان کے سامنے بھی فرمایا۔میرا ارادہ ہے کہ اپنے بعد عمر فاروق کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کر جاؤں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے کہ آپ نے مخلوق کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اٹھا کر بٹھادو۔چنانچہ آپ کو بٹھا دیا گیا۔آپ نے فرمایا میں خدا تعالیٰ کو جواب دوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیری مخلوق کے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔

پھر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت نامہ لکھنے کا حکم دیا۔شدت علالت کے باعث آپ رک رک کر بولتے تھے اور حضرت عثمان لکھتے جاتے تھے۔

آپ نے لکھوایا۔

"یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر خلیفہ رسول ﷺ نے اس وقت کیا ہے جب اس کا آخری وقت دنیا میں اور اول وقت آخرت کا ہے۔ایسی حالت میں کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور فاجر بھی یقین کر لیتا ہے۔میں نے تم لوگوں پر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر کیا ہے"۔

Marfat.com

پھر یہ تحریر سب مسلمانوں کو سنائی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصال فرما گئے۔

وصال سے پہلے آپ نے فرمایا مجھے کفن دے کر حضور ﷺ کے روضہ اطہر کے دروازے پر لے جانا اور دفن کرنے کی اجازت مانگنا۔ اجازت مل جائے تو آپ ﷺ کے پہلو میں دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔

چنانچہ آپ کو حضور ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

تاریخ اسلام

ازمولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

دستک

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ فارس کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد مجوسی تھے اور آگ کی پوجا کرتے تھے۔ آپ نے آگ کو معبود نہ جانا اور حقیقی معبود کی تلاش میں نکلے اور مجوس کا دین چھوڑ کر موسوی دین کو اختیار کیا مگر اس دین کی صداقتیں آپ کو مشکوک دکھائی دیں۔ آپ اس سے بھی بیزار ہو گئے اور نصاریٰ کے دین کو اپنایا اور شام و روم میں نصاریٰ کی خدمت میں رہے اور اس راہ کی تکالیف برداشت کیں اور غلام بن کر تقریباً دس دفعہ نوبت بہ نوبت فروخت ہوئے۔

آپ آخری راہب کے پاس تھے کہ راہب کا وقت اخیر آ گیا۔ اس نے آپ کو بشارت دی کہ مدینہ میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے تجھے ان کا دین اختیار کرنا چاہیے۔

اپنے مالک اس راہب کے مرنے کے بعد آپ مدینہ کو چل پڑے۔ رستے میں ایک شخص نے تہمت لگائی کہ تم اپنے مالک کے بھاگے ہوئے غلام ہو۔

پھر انہیں گرفتار کر لیا اور ایک یہودی عثمان بن سہل کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

جب رسول اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو ہجرت کے پہلے ہی سال دین اسلام قبول کیا اور حضور اکرم ﷺ کی امداد سے ہجرت کے پانچویں سال اس یہودی سے آزاد ہو گئے۔

Marfat.com

حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا، سابقین چار ہیں۔

1۔ میں سابق عرب ہوں۔

2۔ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق روم ہیں۔

3۔ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق فرس (فارس) ہیں۔

4۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق حبشہ ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوائے غزوہ بدر واحد کے سب غزوات میں شامل ہوئے ہیں۔ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودنے لگے تو حضور ﷺ نے خندق کی کھدائی کا کام مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مہاجرین وانصار میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر ایک فریق کا دعویٰ تھا کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا.....

سَلْمَانَ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ

''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں''

آپ نجبائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے اور اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ آپ کے ارفع مقام کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ آپ ان تین صحابیوں میں سے ہیں جن کی بہشت مشتاق ہے۔ آپ ان چار صحابیوں میں سے ہیں جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کو ان کی دوستی کا ارشاد فرماتا ہے آپ ان چار بزرگوں میں سے ہیں جن کی نسبت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ ان کے پاس علم تلاش کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں آپ کو مدائن کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ اس خدمت کے لئے آپ کو 5000 درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ جب آپ کو وظیفہ ملتا تو آپ راہ خدا میں خرچ کر دیتے اور بوریا بافی سے اپنا گزارہ کرتے۔ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ دیواروں اور درختوں کے سایہ میں رہا کرتے تھے۔ آپ کے ایک دوست نے عرض کیا کہ میں آپ کی سکونت کے لئے ایک گھر بنا دیتا ہوں۔

فرمایا مجھے گھر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے اصرار کیا کہ مجھے ضرور اجازت دیں۔ میں ایسا گھر بناؤں گا جو آپ کی طبیعت کے عین مطابق ہوگا۔

87509

Marfat.com

آپ نے پوچھا بھلا کیسا وہ گھر ہوگا؟

اس نے کہا میں آپ کے لئے ایسا گھر بنا دیتا ہوں کہ جب آپ اس میں کھڑے ہوں تو سر مبارک اس کی چھت سے جا لگے اور جب آپ اپنے پاؤں پھیلائیں تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے جا لگیں۔

آپ نے تبسم فرمایا کہا کہ ٹھیک ہے۔ مجھے ایسا ہی مکان چاہئے۔ چنانچہ دوست نے ایسا گھر بنا دیا۔

آپ کے پاس ایک دھاری دار کملی تھی جس کا نصف حصہ سوتے وقت بچھا لیتے اور نصف حصہ اوپر اوڑھ لیتے۔ بعض ناواقف لوگ آپ سے مزدوری بھی لے لیتے مگر جب انہیں پتہ چلتا کہ ان کا مزدور تو امیر شہر ہے تو شرمندہ ہوتے۔ آپ فرماتے بھائی اس میں شرمندگی والی کون سی بات ہے۔ امیر شہر کا یہ بھی تو کام ہے کہ وہ ان بے بس اور بیچارے لوگوں کے کام آئے جو محض کام کرنے سے عاجز ہیں۔ آپ کا کام ہو جاتا ہے اور مجھے مزدوری مل جاتی ہے۔

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ کچھ کستوری جو تمہارے پاس ہے اسے پانی میں گھول کر میرے سر کے گرد چھڑک دے کیونکہ اب ایک قوم آنے والی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن، وہ بڑی ہی متبرک قوم ہے۔ وہ آئیں گے تو گھر کے خوشبودار ماحول سے خوش ہوں گے۔

بیوی اپنے خاوند کا ارشاد بجالائی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو آواز آئی۔

السلام علیک یا ولی اللہ السلام علیک یا صاحب الرسول ﷺ

آواز دینے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ واپس آ کے بیوی نے دیکھا تو آپ بے حس و حرکت تھے۔ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور آپ ایسے لیٹے تھے جیسے سو رہے ہوں۔

آپ نے اڑھائی سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ
از علامہ محمد نور بخش توکلی ایم اے

Marfat.com

غسیل ملائکہ

غزوہ احد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے جبکہ ان کے باپ ابو عامر کفار مکہ کی جانب سے میدان میں اترے تھے۔ ابو عامر کو حضور ﷺ نے فاسق کا لقب دیا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں تھے اور جس دن ان کی شادی ہوئی اس دن جنگ احد میں شمولیت کا اعلان ہوا۔ آپ اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں تھے اور شب ضفاف سے لطف اٹھا رہے تھے کہ لشکر اسلام کی تیاری اور روانگی کا اعلان ہو گیا۔

اس اچانک اعلان نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے بدر کی ناکامی کا بدلہ چکانے کے لئے مدینہ پر چڑھائی کر دی ہے۔ حضور ﷺ کی طرف سے کفر سے ٹکرا جانے کا اعلان ہوا اور حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عاشق رسول ﷺ گھر بیٹھے رہیں یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ ہتھیار سنبھالنے لگے۔ مگر ابھی تو نو بیاہتا بیوی کے ارمان بھی پورے نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا احد کون سا دور ہے آپ کل بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی کی بات مان لی۔ انہیں خلوت کی ایک اور رات میسر آ گئی۔ صبح کی نماز پڑھی اور احد میں جانے کی تیاری کرنے لگے مگر بیوی کی کشش نے پھر کھینچ لیا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید یہ خلوتیں دوبارہ نہ مل سکیں اسے پھر پہلو میں لے لیا اور غسل جنابت پھر واجب ہو گیا۔ غسل کی تیاری میں پانی برتن میں بھر لیا گیا۔ نہانے کی چوکی پر بیٹھ گئے کہ اچانک اطلاع ملی احد میں مسلمانوں کے پاؤں پہلی کامیابی کے بعد اکھڑ گئے ہیں آپ نہانے کی چوکی سے اٹھ بیٹھے۔ غسل واجب نہیں فرمایا سوچنے لگے غسل کے بہانے اور دیر ہو گی۔ میری ذات مسلمانوں کی نظروں میں مشکوک بن جائے گی۔ کوئی مجھے منافق نہ کہہ دے کیونکہ اس سے قبل میں غزوہ بدر میں بھی شریک نہ ہوا تھا۔

کپڑے پہنے تیر کمان ڈھال اور تلوار سنبھالی، گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان احد کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان کا تیز رفتار گھوڑا بڑی جلدی انہیں میدان کارزار میں لے گیا۔

بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا باپ ابو عامر بھی کفار کی طرف سے میدان جنگ میں آیا ہے۔ مجھے اجازت دی جائے کہ اس کا کام

Marfat.com

تمام کرنے کے لئے میں اس کے مقابلے میں آؤں مگر حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

جب جنگ جوبن پر تھی تو حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ابوسفیان آیا۔ ابوسفیان کو قتل کرنے کے لئے جونہی انہوں نے تلوار اٹھائی کہ اچانک پہلو سے شداد بن الاسود نکل کر آئے۔

ابوسفیان تو بچ گیا مگر شداد کا وار حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کاری لگا جس سے آپ شہید ہو گئے۔

اختتام جنگ پر حضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتے آسمانوں پر غسل دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں حضرت حنظلہ فرشتوں کے ہاتھوں آسمان پر غسل لے رہے ہیں۔ جاؤ ان کی بیوی سے پوچھو کہ اس نے کیا کام کیا ہے جس کے باعث انہیں یہ مرتبہ ملا ہے۔

تحقیق حال سے پتہ چلا کہ چونکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غسل جنابت واجب تھا اور وہ اسی حالت میں میدان شہادت میں آ گئے تھے۔

حضور ﷺ نے فرمایا جاؤ حنظلہ کی لاش دیکھو۔ یہ خدمت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انجام دی۔ انہوں نے آ کر بتایا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے بالوں سے بالکل تازہ اور خوشبودار پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ حنظلہ غسیل ملائکہ ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی ہی شب امید سے ہو گئی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ عبداللہ ابن حنظلہ حضور ﷺ کی احادیث جمع کرتے تھے۔

وفا کے پیکر از صوفی الحاج نواب الدین گولڑوی
سیرۃ النبی ﷺ شبلی نعمانی۔ اسد الغابہ

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ اشراف قریش میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان سے سفارت مخصوص تھی۔ جب قریش کی کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوتی تو آپ کے بزرگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ جب کبھی تفاخر نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی تو اس کام کے لئے آپ ہی کے بزرگ آگے نکلتے تھے۔

آپ کا نام اس طرح سے لیا جاتا ہے عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباع بن عبداللہ بن زراع بن عدی بن کعب بن لوئی۔

کعب کے دو بیٹے تھے ایک عدی دوسرے مرہ۔ مرہ آنحضرت ﷺ کے اجداد میں ہیں یعنی آٹھویں پشت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب آپ ﷺ میں مل جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو حفص تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فاروق کے لقب سے ملقب فرمایا۔ آپ ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں اونٹوں کو چرانے کا شغل تھا۔ جوان ہونے کے بعد عرب کے دستور کے مطابق نسب دانی، سپہ گری، شہسواری اور پہلوانی کی تعلیم حاصل کی۔ تجارت کا پیشہ اپنایا۔ آپ بڑے بڑے میلوں میں دنگل کشتی لڑا کرتے تھے۔

قریش میں سترہ پڑھے لکھے تھے جن میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

جب آپ ایمان لائے تو اس روز مشرکوں نے کہا کہ آج مسلمانوں نے ہم سے سارا بدلہ لے لیا ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ جب آپ ایمان لائے تو اسلام ظاہر ہوا آپ ہر جنگ میں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔

آپ کی رنگت سفید تھی لیکن سرخی غالب تھی۔ قد نہایت لمبا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور 22 جمادی الثانی 13ھ بروز سہ شنبہ میں مدینہ منورہ میں تمام مسلمانوں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ کی فتوحات کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔ فارس، عراق، جزیرہ خراسان، شام، فلسطین، بلوچستان، مصر، آرمیدیا سب آپ کے زیر نگیں آ گئے۔ عدل فاروقی میں آپ کی مثالیں پیش کی

Marfat.com

جاتی ہیں۔

مدینہ منورہ میں شعبہ کا ایک نصرانی غلام فیروز نامی تھا جس کی کنیت ابولولو تھی۔ اس نے ایک روز بازار میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ میرا آقا مغیرہ بن شعبہ مجھ سے زیادہ محصول لیتا ہے۔ آپ کم کروا دیجئے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کس قدر محصول وصول کرتا ہے ابولولو نے دو درم (دو آنے) روزانہ بتایا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کام کیا کرتے ہو۔

اس نے کہا آہن گری۔ نقاشی، نجاری

آپ نے فرمایا ان صنعتوں کے مقابلے میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ یہ سن کر ابولولو اپنے دل میں سخت ناراض ہوا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا میں نے سنا ہے کہ تو ایسی چکی بناتا ہے جو ہوا کے زور سے چلتی ہے تو مجھ کو ایسی چکی بنا دے۔

اس نے جواب میں کہا کہ بہت خوب ایسی چکی بناؤں گا جس کی آواز اہل مغرب و مشرق سنیں گے۔

دوسرے دن نماز فجر کے لئے لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوئے تو ابولولو ایک خنجر لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوا۔ جب نماز کے لئے صفیں درست ہو گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی تو ابولولو نے جو مسلمانوں کے ساتھ صف اول میں کھڑا تھا نکل کر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خنجر کے چودہ وار کئے۔ جن میں ایک وار ناف کے نیچے پڑا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو کھینچ کر اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود زخموں کے صدمہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے لوگوں کو اس حالت میں نماز پڑھائی کہ فاروق اعظم سامنے زخمی پڑے تھے۔

ابولولو اپنا وار کر کے مسجد نبوی سے بھاگا۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس نے کئی شخصوں کو زخمی کر دیا اور کعب بن ابی بکر کو شہید کر دیا۔ بالآخر گرفتار کر لیا گیا لیکن اس نے گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔

Marfat.com

نماز فجر پڑھ لینے کے بعد لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے انہوں نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ میرا قاتل کون تھا۔

لوگوں نے ابولولو کا نام بتایا۔

آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا جس نے خدا کو ایک سجدہ بھی کیا ہو۔

ایک طبیب نے آ کر آپ کو دودھ اور نبیذ پلایا تو وہ زخم کے رستے باہر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو آپ کی زندگی سے مایوسی ہوئی اور عرض کیا کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔

آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان بن عفان کو طلب فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تین روز تک طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار کرنا اگر وہ تین روز تک آ جائیں تو ان کو بھی اپنی جماعت میں شامل کر لینا اور اگر وہ تین روز تک نہ آئیں تو پھر تم پانچ آدمی مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر بنا لینا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو بلا کر کہا کہ اگر لوگ خلافت (امارت) کے انتخاب میں اختلاف کریں تو تم کثرت کے ساتھ شریک ہونا اور اگر قریش برابر تعداد میں ہوں تو تم اس گروہ میں شریک ہونا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہوں۔ پھر ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری اور مقداد بن اسود کو بلا کر حکم دیا کہ جب یہ لوگ خلیفہ کے انتخاب و تقرر کی غرض سے ایک جگہ مشورہ کرنے کو جمع ہوں تو تم دونوں دروازے پر کھڑے رہنا اور کسی کو ان کے پاس نہ جانے دینا۔ جب تک وہ مشورہ سے فارغ نہ ہو جائیں۔

پھر آپ نے مذکورہ بالا افراد کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو شخص خلافت کے لئے منتخب ہو اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے حقوق کا بہت خیال رکھے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں بسایا۔ انصار تمہارے محسن ہیں۔ ان کے ساتھ تم کو احسان کرنا چاہئے۔ ان کی لغزش سے حتی الامکان درگزر اور چشم پوشی اختیار کرنا مناسب ہے۔

Marfat.com

تم میں سے جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو مہاجرین کا بھی پاس ولحاظ رکھنا چاہئے کیونکہ یہ لوگ مادہ اسلام ہیں۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہئے ان کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی ذمہ داری کو کما حقہ ملحوظ رکھا جائے اور ذمیوں سے جو وعدہ کیا جائے اس کو پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں کو دور کیا جائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

اب آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں جا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت مانگیں۔ وہ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجا پیش کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے تجویز کی تھی لیکن اب میں اپنی ذات پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔ ان کو ضرور اس جگہ دفن کیا جائے۔

جب یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنی تو بہت خوش ہوئے فرمایا میری سب سے بڑی مراد بر آئی۔

چہار شنبہ 27 ذی الحجہ 23ھ کو آپ زخمی ہوئے اور یکم محرم 24ھ کو ہفتہ کے دن فوت ہو کر مدفون ہوئے۔

ساڑھے دس برس خلافت کی۔ نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اتارا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ اسلام

از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بیعت عقبہ میں جو عورتیں شامل ہوئیں ان میں ایک نسیبہ بنت کعب تھیں جو ام عمارہ کے نام سے زیادہ مشہور تھیں۔ یہ خاتون جنگ احد میں اپنے خاوند زید بن عاصم اور اپنے دو بیٹوں حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بھی شریک تھیں جنگ میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ام عمارہ کے کندھے پر ایک شقی القلب نے بھالے سے وار کیا جس سے ایک گہرا زخم آ گیا۔

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عاشق رسول بہادر اور جانباز صحابی تھے۔ جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضور ﷺ نے انہیں یمامہ میں مسیلمہ کے ہاں دعوت اسلام دے کے بھیجا مگر بجائے اس کے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرتا اس نے الٹا انہیں پکڑ لیا۔ پہلے اذیتیں دیں، جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیں، پھر پوچھا۔

کیا تو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر اس نے کہا کیا تو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ میں بھی خدا کا رسول ہوں۔

تو وہ اس کے جواب میں انکار کرتے یا فرماتے میں بہرا ہوں۔

مسیلمہ کذاب کہتا یہ عجیب بات ہے کہ جب میں پوچھتا ہوں کہ کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو تم سن لیتے ہو مگر جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کیا میں بھی اللہ کا رسول ہوں تو تم بہرے بن جاتے ہو یا میں کہتا ہوں کہ میرے بارے میں بتاؤ کہ کیا میں اللہ کا رسول ہوں تو تم انکار کر دیتے ہو۔

اس نے خنجر پکڑ لیا اور کہا اگر تم میرے رسول ہونے سے انکار کرو گے تو یہ خنجر تمہاری بوٹیاں کر دے گا۔

اب حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے موت تھی مگر ان کے چہرے پر کوئی خوف و خطر نہ تھا۔

مسیلمہ نے پوچھا اے حبیب بتاؤ کہ کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

Marfat.com

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر پوچھا کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

اب پھر حضرت حبیب نے انکار کرتے ہوئے فرمایا میں تاریکی کو روشنی کیسے کہوں۔تم اللہ کے رسول نہیں ہو۔

اب مسیلمہ نے خنجر اٹھایا اور حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا۔

اب کہا میری نبوت کا اقرار کرو ورنہ دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔کیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں تم اللہ کے رسول نہیں ہو۔

اس نے خنجر پکڑا اور دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر مسیلمہ کو رسول ماننے سے انکار رہا۔

پھر اسی طرح باری باری دونوں پاؤں کٹ گئے مگر زبان پر انکار رہا۔اس کے بعد دونوں بازو کہنیوں سے کٹے مگر انکار برابر رہا۔پھر باری باری دونوں کندھوں سے کٹے مگر حبیب کی زبان پر انکار ہی رہا پھر دونوں ٹانگیں اولاً گھٹنوں سے پھر کولہوں سے کٹ گئیں مگر انکار کی گردان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

آخر اس ظالم نے اپنا خنجر حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے پر رکھ دیا مگر حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری سانس تک انکار ہی کرتے رہے۔

یوں شمع رسالت کے اس پروانے نے شہادت کا جام پی لیا۔

اب مسیلمہ کذاب کے چاروں طرف جسم کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ہاتھ کہیں پڑے تھے، پاؤں کہیں تھے، ٹانگیں اور بازو کہیں تڑپ رہے تھے اور سر کہیں گرا پڑا تھا اور جسم کہیں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ہر حصہ جسم سے بھی یہی آواز آ رہی تھی کہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ماہنامہ انصار اللہ ستمبر 1985ء ابن ہشام

اسد الغابہ

Marfat.com

سر کی حفاظت

جنگ احد میں سلافہ بنت سعد نامی عورت کے دو بیٹے اور خاوند حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔اس کے دل میں انتقام کی آگ کے الاؤ اٹھنے لگے۔اس نے نذر مانی کہ اگر عاصم بن ثابت کا سر اس کے ہاتھ آ جائے تو وہ اس کی کھوپڑی میں شراب پیے گی۔اس لئے اس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا وہ اسے سو اونٹ انعام بھی دے گی۔

یہ انعام بہت بڑا انعام تھا۔بڑے بڑے بہادروں کے منہ میں پانی بھر آیا مگر سفیان بن خالد شقی نے اس کام کی ذمہ داری قبول کر لی۔

اس نے عضل و قارۃ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ میں بھیجا جنہوں نے وہاں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدس ﷺ سے تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنے ساتھ چند حضرات بھیجنے کی درخواست کی اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ان کے ہمراہ لے جانے کی التجا کی کیونکہ ان کا وعظ بڑا پسندیدہ ہوا کرتا تھا۔

حضور ﷺ نے دس آدمی (چھ کی روایت بھی ہے) ان کے ہمراہ بھیج دیئے جن میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے لیکن رستے میں ان لوگوں نے بدعہدی کی انہوں نے اپنے چھپے ہوئے 200 آدمیوں کو آواز دی جو تلواریں سونت کر آ گئے اور ان پر حملہ کر دیا۔یہ لوگ جلدی سے فدفد کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔

کفار نے انہیں نیچے لانے کے لئے ایک چال چلی۔کہا ہم تمہارے خون سے اپنی زمین کو رنگنا نہیں چاہتے۔ہم تو مکہ والوں سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔تم ساتھ آ جاؤ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے مگر ان صحابہ نے کہا ہم کفار کے عہد میں نہیں آنا چاہتے۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا دوستو! تمہارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔شہادت کو غنیمت سمجھو تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے۔جنت کی حوریں تمہارے استقبال کی منتظر ہیں۔

انہوں نے اپنے ترکشوں سے تیر نکالے اور کفار پر پھینکنے شروع کر دیئے۔تیر ختم ہو گئے تو

Marfat.com

نیزوں سے مقابلہ کیا نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں نکال لیں۔ان تھوڑے مسلمانوں کے مقابل مجمع کثیر تھا۔زخموں کی تاب نہ لاکر گرنے لگے اور شہادت کے جام نوش کرنے لگے۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن رکھا تھا کہ سلافہ بنت سعد نے ان کے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی قسم کھا رکھی ہے۔آپ نے دم واپسیں بارگاہ خداوندی میں دعا کی۔

اے اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔اس سر کی حفاظت فرما اور میرے جسم کو مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے بچا۔

یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ شہادت کے بعد جب کافروں نے آپ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا جنہوں نے ان کے جسم کو چاروں طرف سے پرا بن کر گھیر لیا۔کافروں کا خیال تھا کہ رات کے وقت جب مکھیاں اڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے مگر رات کو ایسی زوردار بارش آئی کہ زمین جل تھل ہوگئی پانی نہر کی مانند بہنے لگا اور حضرت عاصم بن ثابت کی لاش کو بہا کر دور لے گیا۔پھر نہ جانے ان کی لاش خود بخود کہاں دفن ہوگئی۔گویا کسی بھی مشرک کا ہاتھ ان کے جسم کے ایک بال تک کو نہ چھو سکا۔

مدارج نبوت از عبدالحق محدث دہلوی

سیرۃ النبی از شبلی نعمانی

اسد الغابہ

وفا کے پیکر از صوفی نواب الدین گولڑوی

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے دو حضرات حضرت زید بن الاثنہ اور حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم گرفتار ہو کر مکہ میں آئے اور فروخت کر دیئے گئے۔

حضرت زید بن الاثنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا کیونکہ ان کے ہاتھوں اس کا باپ امیہ جنگ احد میں قتل ہوا تھا اور حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجر بن ابی اہاب نے خرید لیا تا کہ وہ اپنے ایک رشتہ دار حارث بن عمر کے بدلہ میں قتل کر دے۔اس نے ان کے بدلے میں 100 اونٹ دیئے۔

Marfat.com

صفوان بن امیہ نے حضرت زید بن الاثنہ کو اپنے ایک غلام کے حوالے کیا کہ وہ اسے باہر لے جا کر قتل کر دے۔ قتل کرنے سے پہلے پورے مکہ میں تشہیر کی گئی۔ سینکڑوں لوگ اس کا تماشہ دیکھنے کو آئے۔ ابوسفیان بھی ان تماشہ دیکھنے والوں میں شامل تھا۔

ابوسفیان نے حضرت زید بن الاثنہ سے بوقت شہادت پوچھا کہ اے زید تجھ کو خدا کی قسم سچ کہنا کیا تجھے پسند ہے کہ محمد ﷺ کی گردن تیرے بدلہ میں ماری جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہے۔

حضرت زید کو موت اور موت کا خوف بھول گیا۔ محبت کے نظاروں سے سرشار ہو گئے۔ فرمایا ابوسفیان ہوش سے بات کرو۔ بخدا مجھے یہ گوارا نہیں کہ حضور اقدس ﷺ جہاں ہیں وہیں ان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے اور ہم اپنے گھر میں آرام سے رہیں۔ ہم تو ایسے کانٹوں والے درختوں کی نسل تک کاٹ دیں گے۔

یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے۔ ابوسفیان نے کہا محمد ﷺ کے ساتھیوں کی ان سے جتنی محبت دیکھی ہے اس کی نظیر کہیں بھی نہیں دیکھی۔

اب صفوان بن امیہ کے غلام نے تلوار نکالی حضرت زید کے گرد ایک چکر لگایا۔ پھر تلوار کو ہوا میں لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ حضرت زید اپنی مسکراتی ہوئی موت کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی حزن وملال نہ تھا۔ بس ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

پھر آپ نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اب کیا تھا تلوار سنسناتی ہوئی آئی اور وہ کام کر گئی جس کے لئے وہ بنائی گئی تھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

وفا کے پیکر

صوفی الحاج نواب الدین گولڑوی

Marfat.com

جھنڈے کی سربلندی

حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں آپ والدین کے بڑے لاڈلے تھے۔ نہایت حسین وجمیل تھے۔ آپ کی شکل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ ان کے والدین بڑے دولت مند تھے۔ اسی وجہ سے ان کی تربیت بڑے نازوں سے ہوئی۔ عطر میں ڈوبے رہتے تھے اور دوسو درہم سے کم کا حضری جوڑا نہ پہنتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں خود دارارقم میں آنے کی دعوت دی۔ آپ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا مگر اپنے اسلام کو چھپا کے رکھا۔ کعبہ میں جاتے تو نماز چھپ کر پڑھا کرتے۔

ایک دن عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا انہوں نے حضرت معصب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدین سے کہا کہ آپ کا بیٹا صابی (بے دین) ہوگیا ہے۔

والدین چونکہ مسلمان نہ تھے۔ یہ خبر سنتے ہی غصے سے جل بھن گئے۔ انہوں نے حضرت معصب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کر کے ان کی دنیا تنگ کر دی۔ قید میں آپ نے بڑے مصائب اٹھائے۔ آپ کی تکلیفوں پر دشمن کو بھی ترس آتا تھا مگر آپ اسلام سے سرمو منحرف نہ ہوتے۔

ایک دن فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ حبشہ کو ہجرت کی جب حبشہ سے لوٹے تو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہ کر علم دین حاصل کیا۔

ہجرت نبوی سے سوا سال قبل جو مدینہ سے انصار آئے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے کسی عالم کو ساتھ لے جانے کی التماس کی تو آپ ﷺ نے حضرت معصب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ہمراہ بھیجا۔

آپ اوس وخزرج قبائل کی امامت فرماتے تھے۔ آپ کی وجہ سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ یہاں آپ کی زندگی زہد وتقویٰ سے مزین ہوگئی اور فقیرانہ لباس زیب تن کرلیا۔ آپ کے جسم کی کھال پھٹ کر سانپ کی کھال سے مشابہ ہوگئی حسن وخوبی کے سارے بشرے معدوم ہوگئے تاہم چہرے پر نورانیت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔

ایک بار حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو جسم پر صرف ایک چادر تھی جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی

Marfat.com

تھی اور بے شمار پیوند چمڑے کے لگے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کی پہلی حالت اور اس حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لئے۔

مبیں فیر گدایان عشق راکین قوم
شہاں بے کرد خرواں بے کلہ اند

غزوہ احد میں اسلامی سپاہ کا علم حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا گیا۔ ایک کامیابی کے بعد جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپ جمے کھڑے تھے مگر ابن قمیہ ملعون نے آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور داہنا ہاتھ کاٹ دیا۔ آپ نے علم بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ ملعون نے دوسرا وار کیا اور بائیاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈے کو سنبھال لیا۔ اسے گرنے نہ دیا بلکہ سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد تیسرا وار آپ پر ہوا تو زمین پر آ گرے۔ اب جھنڈا آپ کے بھائی ابوالردم نے تھام لیا جو بعد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کیا گیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر 40 سال کی تھی جب انہیں دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چھوٹی چادر ان کے پاس تھی جو اتنی چھوٹی تھی کہ پورا جسم نہ ڈھنپتا تھا۔ سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر سر ڈھانپ دیا اور پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال دی گئی۔

یہ آخری زندگی ہے اس ناز و نعمت میں پلے ہوئے کی جو دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتا تھا۔ آج اسے کفن کے لئے ایک پوری چادر بھی نہیں ملی ہے۔ اس عاشق رسول ﷺ نے اسلام کی محبت میں سب کچھ قربان کر دیا۔ ناز و نزاکت ترک کر دی۔ امارت چھوڑ دی۔ عیش و عشرت کو لات مار دی۔ ماں باپ سے کنارہ کش ہو گئے۔ رشتہ داروں سے کٹ گئے بس محبت رسول ﷺ کو سینے سے لگا لیا۔ اس محبت کی خاطر اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی رضا قبول کرتے ہوئے موت کو سینے سے لگا لیا۔

وفا کے پیکر
صوفی نواب الدین گولڑوی

Marfat.com

کھجوریں

غزوہ بدر میں جب کفر و اسلام میں تلوار چلنے لگی تو حضور ﷺ خیمہ سے باہر تشریف لائے تو ان صحابہ رضوان اللہ علیہم سے فرمایا جو میدان جنگ میں جانے کے طلبگار تھے کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور وہ صرف متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یاد رکھو جو شخص آج مارا جائے گا وہ جنتیوں میں سے ہوگا۔

حضرت عمیر بن الحمام بیٹھے کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضور ﷺ کے الفاظ سن کر بڑے خوش ہوئے اور بے ساختہ منہ سے نکل گیا واہ، واہ، واہ واہ

حضور ﷺ نے پوچھا واہ واہ کس بات پر؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم بھی انہی میں سے ہو۔

آپ اٹھے مگر چاہتے تھے کہ کھجوریں ختم کر کے میدان کارزار میں جاؤں۔ پھر خیال آیا کھجوریں ختم ہونے میں لمبی زندگی درکار ہے کہاں تک انتظار کروں گا۔ پھر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سنبھالی اور میدان قتال میں گھس گئے۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

رکضاً الی اللہ بغیر زاد

الا التقے و عمل المعاد

والصبر فی اللہ علی الجہاد

ان التقی من اعظم السداد

وخیر ما قاد الرشاد

وکل حی الی نفاد

اللہ کی طرف سے سوائے پرہیز گاری اور آخرت پر کچھ زاد راہ نہیں لے جاتا اور اللہ کی راہ میں جہاد پر صبر کرتا ہوں بیشک پرہیز گاری ہی وہ چیز ہے جو درست اور بہتر ہدایت کی طرف رہنما ہے اور سب زندہ فنا ہونے والے ہیں۔

آپ کی تلوار بجلی کی سی تیزی کے ساتھ چل رہی تھی۔ کسی کا بازو کٹ کے گر رہا تھا کسی کی ران

Marfat.com

خون آلود ہو رہی تھی۔ کسی کا سر پھٹا ہوا تھا۔ کفار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ محمد ﷺ نے یہ تلوار کس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

خالد بن اعلم مقابلے میں آئے تو ڈٹ گئے۔ انہوں نے حضرت عمیر کا وار ڈھال پر لیا۔ پھر جونہی خالد بن اعلم نے پلٹ کر حملہ کیا حضرت عمیر اس کے وار سے بچ نہ سکے ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ نیچے گر پڑے۔ پھر خالد بن اعلم نے گرے ہوئے حضرت عمیر پر اس قدر تلوار چلائی کہ شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں آپ انصار میں سے سب سے پہلے شہید تھے۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار درسن کیا

وفا کے پیکر
نواب الدین گولڑوی
اسد الغابہ

چبوترے کی لاش

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے ساتھی جو مکہ میں آ کر بکے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ انہیں فوراً قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان رشتہ داروں کے سپرد کیا گیا جن کے باپ یا بیٹے حارث بن عمرو کو قتل کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ہاں ایک تاریک کمرے میں قید کر دیا اور دن رات اذیتیں دیتے رہے۔

پھر جب قتل کرنے لگے تو حرم کعبہ سے دور لے گئے۔ پوچھا اے خبیب آج تمہاری زندگی کا آخری دن ہے اگر تمہاری کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ جسے ہم اگر پورا کر سکتے ہوں تو ضرور پورا کریں گے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بس مجھے اتنی ہی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل جلالہ سے ملاقات قریب ہے۔

چنانچہ مہلت دی گئی۔ انہوں نے نماز کی دو رکعتیں اطمینان سے پڑھیں اور فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر کر رہا ہوں تو میں دو رکعت اور پڑھتا۔

Marfat.com

اب آپ کو قتل گاہ میں لے جایا گیا۔ آپ کو ایک چبوترے پر کھڑا کیا گیا۔ آپ کے چاروں طرف چالیس آدمی نیزے لے کر کھڑے کر دیئے گئے جنہیں ہدایت تھی کہ یکبارگی حملہ کرنا ہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ بلند کر دیئے۔ عرض کیا اے اللہ میری شہادت کی خبر میرے نبی ﷺ کو پہنچا دے اور میرا اسلام بھی انہیں پہنچا دے۔

اس دوران میں کسی نے قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے اور تمہیں چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، نہیں، نہیں میں ایسا قطعاً پسند نہیں کرتا مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں میرے محبوب کو کوئی کانٹا بھی چبھے۔

پھر یک بارگی چالیس نیزے آگے بڑھے اور آپ کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ خون کے چالیس فوارے پھوٹ پڑے اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے کھڑے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

کفار نے آپ کی لاش کو رسوں کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ لاش کو اتارا نہیں گیا بلکہ پہرہ بٹھا دیا گیا اور پورے عرب میں منادی کرا دی گئی کہ آؤ اور خبیب کی موت کا انجام دیکھو۔ ان کی لاش کس طرح خون میں نہائی ہوئی ہے۔

لوگ آتے رہے اور چالیس دن تک اس عاشق رسول ﷺ کی لاش کو دیکھتے رہے۔ یہ لاش کسی سرد خانے میں نہیں رکھی گئی بلکہ عرب کی گرم دھوپ میں چبوترے پر لٹکی ہوئی ہے مگر ہنوز تر و تازہ ہے۔ ان کے زخموں سے تازہ اور گرم خون رس رہا تھا۔

ادھر حضور ﷺ نے فرمایا وہ کون بہادر اور جانباز ہے جو میرے خبیب کی لاش کو تختہ دار پر سے اتار لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اٹھے اور اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے۔

یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ رہتے۔ بالآخر وہاں پہنچ گئے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش ننگی ہوئی تھی۔

چالیس پہرے دار ننگی تلواریں اور نیزے پہلو میں رکھے سوئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں نوجوان آہستگی اور چپکے سے لاش تک پہنچ گئے۔ حضور کا سلام پیش کیا۔ رسے کھولے اور

Marfat.com

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بازوؤں میں لے لیا۔ پھر گھوڑوں پر بیٹھے اور مدینہ کو چل دیئے۔

جونہی گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز پہرے داروں کے کانوں میں پڑی وہ سب بیدار ہو گئے اور تیز تلوار اور نیزے بھالے لے کر پیچھا کرنے لگے۔

ان گھڑ سواروں نے بڑی جلدی مسلمانوں کو جالیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاش کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اور تلوار نکال کر پیچھا کرنے والوں سے مخاطب ہوئے۔

فرمایا میں زبیر العوام ہوں۔ میری ماں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں اور میرے ساتھ مقداد بن الاسود ہیں۔ ہم دو شیر ہیں جو اپنی کچھار میں جا رہے ہیں۔ راستے کے موانعات اور رکاوٹیں دور کرنا جانتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ سفر کرو تو آ جاؤ اور اگر واپس جانا چاہتے ہو تو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ کفار واپس لوٹ گئے۔

اب حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قدموں میں دیکھا تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش نہ تھی۔ لاش کو زمین نے اسی وقت اپنے اندر سمو لیا تھا۔ یوں اس شہید کی تدفین ہو گئی۔

وفا کے پیکر

صوفی الحاج نواب الدین گولڑوی

لنگڑا

حضرت عمرو بن جموع مدینہ منورہ میں بنو سلم کے سردار تھے۔ ان کا خاندان بت پرست تھا اور آپ بت خانے کے متولی تھے۔ لکڑی کا ایک بڑا بت بنا کر گھر میں رکھا ہوا تھا جس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔

حضرت عمیر بن الجموع کے ایک بیٹے معاذ بن عمرو کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کر کے مدینہ میں واپس آئے تو مدینہ کے گلی کوچوں میں تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔

اب چند نوجوانوں نے جو اسلام قبول کر چکے تھے فیصلہ کیا کہ ابن جموع کو بھی مسلمان بنایا

Marfat.com

جائے۔ چناچہ یہ نوجوان لڑکے رات کے وقت جموع کے گھر میں داخل ہوئے اور گھر والوں کو سوتا پا کر بت اٹھا لیتے اور لا کر گندے نالے میں پھینک دیتے۔

صبح اٹھ کر ابن جموع بت نہ پا کر پریشان ہوتے۔ پھر اسے ڈھونڈ کر لاتے۔ نہلا دھلا کر خوشبو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیتے۔

چونکہ نوجوانوں کا یہ روزانہ کا مشغلہ تھا اس لئے ابن جموع نے عاجز آ کر بت کی گردن میں تلوار لٹکا کر کہا اے میرے معبود مجھے تو پتہ نہیں چلتا یہ زیادتی تیرے ساتھ کون کرتا ہے ورنہ ایسا کرنے والوں کی خوب خبر لیتا۔ میں تجھے تلوار دیئے دیتا ہوں تم خود ہی ان زیادتی کرنے والوں کی خبر لو اور اپنا دفاع کرو۔

اب لڑکوں نے بت کی گردن سے تلوار علیحدہ کر کے اس کی جگہ کتا باندھ دیا اور بت کو کنویں میں لٹکا دیا۔

ابن جموع جب صبح کو اٹھے تو بت آج بھی اپنی جگہ پر نہ پایا۔ پھر ڈھونڈنے نکلے۔ چونکتے ہوئے کتے کی طرف گئے۔ دیکھا تو اس کے گلے کی رسی کنویں میں جا رہی تھی۔ کنویں میں جھانک کر دیکھا تو ان کا بت کنویں کے پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔

بت کی یہ کیفیت دیکھی تو بجائے برہم ہونے کے راہ راست پر آ گئے اور بت سے مخاطب ہو کے کہا کہ تم اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تو ہماری کیا کرو گے۔ پھر اسے توڑ پھوڑ کر آگ میں جھونک دیا اور خود دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت عمرو بن جموع کی ٹانگ پر کسی حادثہ میں چوٹ آ گئی تھی جس کے باعث آپ لنگڑا کر چلتے تھے اسی وجہ سے جب معرکہ بدر پیش آیا تو آپ جنگ میں شریک نہ ہوئے مگر احد کی جنگ میں شریک ہونے پر اصرار کیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو لنگڑے ہیں نہ آپ بھاگ کر دشمن کا پیچھا کر سکتے ہیں اور نہ ہی بھاگ کر اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ آپ کو جنگ میں نہ جانے کی رخصت ہے آپ کے چار بیٹے جنگ میں شریک ہو رہے ہیں۔ ان کی شرکت ہی آپ کے لئے کافی ہے۔

آپ نے اصرار کیا اور کہا تم چاہتے ہو کہ بیٹے تو جنت میں جائیں مگر میں ان سے الگ رہوں۔

ادھر بیوی نے پھبتی کسی کہ تم نے جنگ کیا لڑنی ہے تمہارا لنگڑا پن تمہیں ہانپنے پر مجبور کر دے

Marfat.com

گااور تم جلدی بھاگ کرلوٹ آؤ گے اور مسلمانوں کی رسوائی کا باعث بنو گے۔

بیوی کی یہ بات آپ کو کھا گئی۔ آپ نے ہتھیار سنبھالے اور دعا کی اے اللہ! مجھے گھر نہ لوٹانا اور گھر سے باہر نکل آئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت کے باغوں کی سیر کروں۔

حضور ﷺ نے فرمایا اے ابن جموع اللہ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے مگر حضرت ابن جموع نے بار بار التجا کی تو حضور ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔

میدان جنگ میں آپ کے بیٹے خالد بن عمرو شہید ہو گئے۔ بیٹے کی شہادت دیکھ کر ان کے جوش و جذبے میں اور تیزی آ گئی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

حضرت ابن جموع کی بیوی کو بھائی، بیٹے اور شوہر کی شہادت کی خبر ملی تو پوچھا یہ بتایئے حضور ﷺ کیسے ہیں؟

لوگوں نے بتایا آپ ﷺ بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ تو کہنے لگیں آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

اختتام جنگ کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اگر شہدا کے لواحقین اپنے شہیدوں کو مدینہ میں لے جانا چاہیں تو لے جائیں۔

حضرت ہند (ابن جموع کی زوجہ) اپنے بھائی، بیٹے اور شوہر کی لاشوں کو اونٹ پر لاد کر مدینہ میں لے جانا چاہتی تھیں تا کہ جنت البقیع میں دفن کریں مگر جونہی اونٹ حدود احد سے باہر آتا بیٹھ جاتا تھا اور گردن زمین پر رکھ دیتا تھا۔

ایک مرتبہ اسے اٹھا کر احد کی طرف لے جایا گیا تو وہ چلتا گیا مگر جونہی اسے مدینہ کی جانب لے جانے لگے تو وہ پھر بیٹھ گیا۔

حضرت ہند نے یہ ماجرا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے ان سے پوچھا جب ابن جموع لشکر میں شریک ہوئے تھے تو انہوں نے کوئی بات کی تھی۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے ازراہ مذاق کہا تھا کہ تم لنگڑے ہو میدان جنگ سے بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔

Marfat.com

انہوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے گھر واپس نہ لوٹانا۔

حضور ﷺ نے فرمایا یہ اونٹ مامور من اللہ ہے اس لئے مدینہ کی طرف نہیں جاتا انہیں یہیں دفن کر دیا جائے۔

چنانچہ ابن جموع کو وہیں دفن کر دیا گیا۔

وفا کے پیکر

از صوفی الحاج نواب الدین گولڑوی

مثلہ

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے چچا اور شیر بھائی تھے۔ شروع میں اسلام کے سخت خلاف تھے لیکن بعثت کے دو برس بعد جب ابو جہل حضور ﷺ کی مخالفت میں حد سے بڑھ گیا تو حضور ﷺ کی محبت کے جوش میں اسلام قبول کر لیا۔ آپ بے حد جری اور دلیر تھے۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کی جنگ بدر میں حصہ لیا اور خوب داد شجاعت پائی۔

جب جنگ بدر ہوئی تھی تو ابوسفیان کی بیوی کے والد عتبہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس بنا پر ہند نے جو ابوسفیان کی بیوی تھی نے قسم کھائی کہ وہ حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کروا کے اس کا کلیجہ کچا چبائے گی۔

اس نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی جو حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا (حربہ ایک چھوٹا سا نیزہ ہوتا ہے) کو کہا کہ اگر تم حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دو تو اس کے بدلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وحشی ہر وقت موقعہ کی تلاش میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جنگ احد کا وقت آ گیا۔

آپ (حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) غزوہ احد میں شریک ہوئے مشرکین کا علمبردار طلحہ سامنے آیا ایک ہی وار سے اسے قتل کر دیا۔ پھر دو دستی تلوار چلاتے ہوئے اور مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ حبشی غلام وحشی نے آپ کو بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا۔

جب آپ کفار کو مارتے اور ہٹاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تو اس نے موقعہ پا کر اپنا حربہ پھینک مارا۔ وہ حربہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو کے باہر نکل گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

شہید ہو گئے۔

پھر وحشی نے جا کر ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کو آپ کے شہید ہونے کی خبر سنائی۔ وہ بڑی خوش ہوئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش تک دوڑی آئی۔ اس نے نیزے مار مار کر آپ کا کلیجہ نکالا اور چبا لیا لیکن نیچے حلق سے نہ اتر سکا اس لئے اگل دیا۔ پھر ان کی لاش کو مثلہ کیا ان کی ناک اور کانوں کے ہار بنا کر گلے میں ڈالا اور آپ کی آنکھیں نکال دی تھیں۔

زبیر بن العوام حضرت صفیہ جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی بہن تھیں بھائی کی لاش کو دیکھنے آئیں۔ حضور ﷺ نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ان کی لاش کے پاس جانے سے منع کرو۔ انہوں نے منع کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش کا مثلہ کیا گیا ہے میں نوحہ کرنے نہیں آئی میں صبر کروں گی اور مغفرت کی دعا مانگوں گی۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اجازت دیدی۔ انہوں نے اپنے بھائی کی لاش اور ان کے جگر کے ٹکڑے زمین پر پڑے دیکھے، صبر کیا۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون

پڑھا، دعائے مغفرت کی اور چلی آئیں۔

تاریخ اسلام

از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

برہنہ

عبدالعزیٰ نامی ایک لڑکا نہایت تھوڑی عمر میں یتیم ہو گیا۔ چچا نے اس کی کفالت کی۔ پالا پوسا جوان ہوا تو اس چچا نے اونٹ، بکریاں اور غلام دے کر اس کی حالت درست کر دی۔

اسلام کے حقائق اس پر واضح ہو چکے تھے۔ اس نے اپنا نام بدل کے عبداللہ رکھ لیا۔ نئے ملنے والوں سے وہ اپنا نام عبداللہ ہی بتایا کرتا تھا۔ اسلام کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی تھی مگر وہ اپنے چچا کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

آخر اس نے دیکھا کہ بانی اسلام مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو گئے ہیں۔ اب یہ نوجوان اپنے چچا کے پاس گیا، عرض کیا:

Marfat.com

پیارے چچا! برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ آپ کے دل میں اسلام کی تحریک کب پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں؟ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا حال وہی پہلا سا ہے۔ میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

چچا اس دعوت کو سن کر چونک اٹھا۔ اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ غصہ اس کے انگ انگ سے ہویدا تھا۔

عبدالعزیٰ تم جانتے ہو تمہاری غربت کو امارت میں میں نے بدلا ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو جب تمہارا باپ تمہیں اکیلا چھوڑ گیا تھا تو تمہارے پاس کیا تھا۔ میں نے تمہاری پرورش کی۔ آج تم اونٹوں، بکریوں اور غلاموں کے مالک ہو اور عزت والی زندگی گزار رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا تو میں سب کچھ تم سے چھین لوں گا۔ تیرے بدن پر چادر اور تہبند تک باقی نہ رہنے دوں گا۔

عبداللہ نے جواب دیا آپ کی یہ انتہائی گری ہوئی حرکت میری راہ میں حائل نہیں ہو سکے گی۔ میں اسلام قبول کروں گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بقیہ زندگی بسر کروں گا۔ شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو گیا ہوں۔ اب جو آپ کی منشا ہے کیجئے اور جو کچھ میرے قبضے میں زر و مال وغیرہ ہے سب سنبھال لیجئے۔ میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک دن ہمیں دنیا میں چھوڑ دینا ہے۔ اس لئے میں ان کے لئے سچے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔

عبداللہ نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے اتار دیئے اور مادرزاد برہنہ ہو کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ رستے میں لوگوں نے دیکھا تو مجذوب اور دیوانہ کہنے لگے۔ ماں نے دیکھا تو حیران ہوئی کہ بیٹا کیا ہوا؟

عبداللہ نے کہا میں مومن اور موحد ہو گیا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ ستر پوشی کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے، مہربانی فرما دیجئے۔ ماں نے ایک کمبل دے دیا۔ عبداللہ نے کمبل پھاڑا۔ آدھے کا تہبند بنا لیا اور آدھا اوپر لے لیا اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ دن رات چلتا رہا۔

مدینہ میں پہنچا تو دن کے اجالے میں ابھی دیر تھی۔ اندھیرے میں اسے کوئی پہچان نہ سکا۔ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مسجد میں تشریف نہیں لائے تھے۔ وہ مسجد کی

Marfat.com

دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لائے تو ایک اجنبی کو دیکھ کر پوچھا کہ وہ کون ہے؟

کہا میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ عبداللہ بننا چاہتا ہوں۔ فقیر مسافر ہوں۔ عاشق جمال اور طالب ہدایت ہو کر در دولت تک آ پہنچا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم عبدالعزیٰ نہیں عبداللہ ہو۔ اور تمہارا لقب ذوالبجادین ہے۔ تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

عبداللہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گیا۔ قرآن پڑھنے لگا اور دین کی باتیں سیکھنے لگا۔ جب غزوۂ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کیجئے میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ۔ جب عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبان مبارک سے فرمایا: الٰہی! میں اس کا خون کفار پر حرام کرتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تو شہادت کا طالب ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غزوہ کی نیت سے تم نکلو گے اور تپ آ جائے اور مر جاؤ تو تب بھی تم شہید ہو گے۔

تبوک پہنچ کر ایسا ہی ہوا۔ عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اچانک تپ چڑھی اور وفات پا گئے۔

حضرت بلال بن حارث مزنی فرماتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے کہ رات کا وقت تھا بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس لاش کو قبر میں رکھ رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر میں خود اترے ہوئے تھے۔ وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرما رہے تھے:

اَدِّبَا اِلٰی اخاکُما   اپنے بھائی کا ادب ملحوظ خاطر رکھو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبر میں دفن کرنے کے بعد فرمایا: الٰہی آج شام تک میں اس سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

رحمۃ للعالمین از سلمان منصور پوری۔ ہادی کونین از حکیم محمد اسماعیل ظفر آبادی

Marfat.com

واقعہ کربلا

اسلامی نقطہ نگاہ سے یزید بن معاویہ کی بیعت غیر قانونی اور غیر فطری تھی۔ غیر قانونی اس اعتبار سے کہ خلافت کو موروثی بنا دیا گیا تھا اور غیر فطری اس اعتبار سے کہ یزید اچھے کردار کا مالک نہ تھا اور ان اوصاف سے متصف نہ تھا جو کسی سربراہ مملکت میں ہونے چاہئیں تھے۔

حضرت امام حسین بن علی اسی وجہ سے یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکیلے ہی اس موقف کے حامی نہ تھے بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی موقف تھا۔

یزید سمجھتا تھا کہ جب تک یہ بزرگ اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اس وقت تک اس کی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی لہٰذا وہ ہر حال میں جائز و ناجائز طریقے سے اور نرمی اور سختی سے ان کی بیعت چاہتا تھا۔

تخت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے والی مدینہ ولید بن عتبہ کو پیغام بھیجا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے لئے بیعت لیں مگر یہ دونوں بزرگ راتوں رات مدینہ سے مکہ میں تشریف لے آئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حرم شریف میں ٹھہرے مگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الگ رہائش اختیار کی۔

اب کوفہ والوں کی طرف سے خطوط اور وفود آنے شروع ہوئے کہ ہم آپ کی حمایت میں یزید کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ کو ملت اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بننے کا لالچ نہ تھا البتہ خلیفہ کے انتخاب میں جو طریقہ اپنایا گیا تھا اس کے خلاف احتجاج کا بھرپور مظاہرہ کر سکتے تھے۔ تاہم پورے کوفہ کے لوگوں کے رجحان کا جائزہ لینے اور ان کی دلی رائے معلوم کرنے کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ میں بھیجا۔

شروع میں کوفہ کے حالات حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تھے مگر نعمان بن بشیر (حاکم کوفہ) کی بجائے عبیداللہ بن زیاد کے تقرر نے کوفہ والوں کو اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ یہاں کے حالات ان کے خلاف ہو گئے۔ حضرت مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا۔

Marfat.com

حضرت مسلم بن عقیل کی ابتدائی اطلاع کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ اپنے اعزہ اقارب کے مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب آپ کربلا کے میدان میں پہنچے تو عبیداللہ بن زیاد کی فوجوں نے انہیں روک لیا۔ یہاں 10 محرم 61ھ میں ایک خونریز معرکہ ہوا۔ باہمی جنگ سے قبل حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہیوں کے لئے نہر فرات کا پانی بند کر دیا گیا۔ گرمی کی انتہائی شدت تھی۔ گرم لو چل رہی تھی جس سے عورتوں اور بچوں کے ہونٹ خشک ہونے لگے۔ آخر تلوار اٹھا کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جنگ مسلط کر دی گئی۔

سارے عزیز شہید کر دیئے گئے آپ خود بھی شہید ہو گئے پھر عورتوں کے خیموں کو لوٹا گیا۔ لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر بے حرمتی کی گئی۔ صرف حضرت امام زین العابدین جو کہ بیمار پڑے تھے اس معرکہ میں زندہ بچے دوسرے 72 جاں نثاروں نے بابائے شہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جانیں قربان کر دیں۔ امام زین العابدین اور عورتوں کو قیدی بنا کر دمشق میں بھیج دیا گیا۔

واقعہ کربلا تاریخ کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ اس سانحہ کو بطور یادگار اہل بیت سے محبت کرنے والے ہر سال دن مناتے ہیں۔ شیعہ مذہب رکھنے والے محافل عزا منعقد کرتے ہیں اور ذوالجناح کے جلوس نکالتے ہیں ماتم اور سینہ کوبی کرتے ہیں۔

اس واقعہ پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں کربلا کے اس معرکے کی ایک ایک بات نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

ترکھاناں دامنڈا

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہر شخص سے برتر و اعلیٰ تھی اور جو لوگ یا قومیں شہرت کی بھوکی تھیں ان کی ناموری حضور ﷺ کے سامنے ہیچ تھی لہٰذا انہیں ہر دور میں حضور ﷺ کے نام اور ذات سے کدر رہی ہے۔ خصوصی طور پر یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ کوشش کی کہ جس ہستی پاک کے باعث مسلمانوں کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی ہے اس مرکزیت کو ختم کیا جائے۔ جھوٹے نبی بنے۔ حضور ﷺ کے روضہ اقدس کو نقب لگائی گئی اور حضور ﷺ کی شان

Marfat.com

میں گستاخیوں پر مبنی کتابیں لکھی گئیں۔

انہی کتابوں میں سے ایک کتاب رنگیلا رسول لاہور سے شائع ہوئی جسے راج پال ایک ہندو پبلیشر نے شائع کیا۔ اس کتاب میں آقائے دو جہاں ﷺ پر ناروا اور رکیک حملے کئے گئے تھے۔ علماء نے اس کتاب کو دیکھا تو محراب و منبر میں ایک شور مچ گیا۔ بوڑھوں اور جوانوں کا خون کھول اٹھا۔ دو نوجوانوں نے غازی خدا بخش 24 ستمبر 1927ء اور غازی عبدالعزیز نے 19 اکتوبر 1927ء میں باری باری راج پال پر حملے کئے مگر راج پال بچ گیا اور ان دونوں نوجوانوں کو قید اور جرمانہ کی سزائیں ہوئیں۔

ان کے بعد دو اور نوجوانوں غازی علم الدین اور اس کے دوست عبدالرشید کو ایک رات خواب میں ایک بزرگ نے کہا اے نوجوانو! تمہارے شہر میں ایک گستاخ ہندو نے شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی ہے اور تم ابھی تک سو رہے ہو۔ دونوں نوجوان اپنے اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے مگر ایک ہی رات اور ایک ہی وقت ایک بزرگ نے انہیں یہ خبر دی۔ دونوں اسی وقت اٹھے اور شاتم رسول کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔

صبح دونوں دوست ملے خواب کا تذکرہ کیا۔ ہر ایک نے کہا میں نے راج پال کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ علم الدین نے کہا یار پہلے مجھے کوشش کرنے دو۔ اگر میں اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو پھر تم کوشش کر دیکھنا۔

رشید نے کہا نہیں دوست تم سے پہلے میں اس میدان میں اترنا چاہتا ہوں۔

دونوں میں فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ آخر تین بار قرعہ اندازی کی گئی۔ ہر بار علم الدین کا نام نکلتا رہا۔ چنانچہ عبدالرشید نے علم الدین کو اجازت دیدی۔

یہ علم الدین مستری طالع مند ترکھان کا بیٹا تھا۔ 4 دسمبر 1908ء میں پیدا ہوا تھا۔ نماز روزے کا اتنا پابند بھی نہ تھا چہرے پر ڈاڑھی بھی نہ تھی لیکن عشق رسول ﷺ کا جذبہ یک دم ایسا موجزن ہوا کہ حد کمال تک پہنچ گیا۔

علم الدین نے ایک تیز دھار والی چھری تیار کی پھر اپنی انگلی سے تھوڑا سا خون نکالا اور ایک تنکا لے کر اس خون سے چھری پر لکھا "برائے قتل راج پال" اور پھر اسے اپنی بغل میں چھپا لیا۔

6 اپریل 1929ء کو راج پال نے اپنی دکان کھولی ہی تھی۔ وہ کسی گاہک کے آنے کا منتظر تھا

Marfat.com

کہ اچانک 22,21 سالہ جوان دکان میں داخل ہوا۔ راج پال نے اسے گاہک ہی سمجھا۔ ہاں ہاں وہ گاہک ہی تو تھا مگر کتاب کا نہیں اس کی جان لینے والا گاہک تھا۔

نوجوان نے پوچھا کہ راج پال آپ ہی کا نام ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں، مجھے ہی راج پال کہتے ہیں۔ کیا کسی کتاب کی ضرورت ہے آپ کو؟

نوجوان نے کہا رنگیلا رسول کے نام کی کتاب آپ نے شائع کی ہے۔

جی، رنگیلا رسول چاہئے۔ مل جائے گی اسے میں نے ہی شائع کیا ہے۔

بس دوسرے لمحے علم الدین عقاب کی طرح اس پر جھپٹا اور پے در پے وار کر کے قتل کر دیا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک وہ ٹھنڈا نہیں ہو گیا۔

اب نوجوان باہر نکلا۔ خون آلود چھری اس کے ہاتھ میں تھی۔ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت ﷺ بلند کیا اور چلا گیا۔ مگر بھاگا نہیں خود ہی جا کے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا۔ مقدمہ قائم ہوا اور بڑی جلدی 22 مئی 1929ء کو موت کی سزا سنا دی گئی جس کی توثیق ہائیکورٹ نے 17 جولائی 1929ء کو کر دی اور نقص امن کے خطرہ کے پیش نظر انگریز حکومت نے انہیں میانوالی جیل کے احاطے میں لے جا کر پھانسی دیدی اور وہیں دفن کر دیا۔ پھر مسلمانوں کے مسلسل مطالبے پر 13 نومبر 1929ء کو یہ لاش مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔

جامع مسجد وزیر خان کے خطیب حضرت مولانا شمس الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں پورے لاہور نے شرکت کی اور میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

''اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا''۔

عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت

از صادق علی زاہد

Marfat.com

برادرِ مردانِ کاملین

Marfat.com

کنکریاں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب سب دشتم کی مذموم رسم جاری ہوئی تو حضور ﷺ کے ایک پیارے صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بے حد ناپسند کیا۔ آپ کوفہ میں رہتے تھے۔ آپ نے اس رسم کے خلاف آواز بلند کی مگر حکومت وقت نے اس آواز کو خاموش کر دیا۔

ایک دن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس محفل میں موجود تھے۔ آپ نے جلدی سے مٹھی بھر کر کنکریاں اٹھائیں اور مغیرہ بن شعبہ کے منہ پر دے ماریں اور کہا حکومت کے وظیفہ خوار بن کے احترام اہل بیت بھول گئے ہو، شرم کرو، کل قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

مجلس کے اور لوگ بھی حجر بن عدی کی حمایت میں بولنے لگے، مغیرہ نے یہ سب کچھ سنا مگر خاموش رہے ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔ پھر پانچ ہزار درہم دے کر انہیں راضی کیا لیکن یہ راضی نامہ محض وقتی تھا۔ حضرت حجر بن عدی کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت انہیں مجبور کرتی تھی کہ ان کی شان میں گستاخی کا ایک لفظ نہ سنیں۔

جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکومت سے الگ ہوئے تو ابن زیاد نے بھی اس مذموم رسم کو جاری رکھا جس کی مزاحمت حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے رہے اور پھر جب ابن زیاد بصرے میں گئے اور ان کے قائم مقام عمرو بن الحرث آئے تو انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے منہ پر بھی کنکریاں دے ماریں۔

عمرو بن الحرث نے اس حرکت کو پسند نہ کیا اس نے فوراً ابن زیاد کو لکھا وہ آیا اور حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ کوفہ میں امن نہیں چاہتے۔ یہ فتنہ کی جڑ ہیں اور فتنہ کی آگ کو ہوا دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ نے چند شہادتیں لیں جو حجر بن عدی کے خلاف گئیں اب جلاد کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کا سر قلم کر دے۔

Marfat.com

اف حکومت کے مدح خوانوں نے ایک ایسے جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کوئی بھی گستاخی سننا گوارا نہ کرتا تھا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

زیادہ خون

حضرت سعید بن جبیر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر جرات عطا فرمائی تھی کہ وہ ظالم کی کسی بھی زیادتی کو برداشت نہ کرتے تھے۔ زیادتی کرنے والے کے منہ پر بھرے مجمع میں کہہ دیتے تھے۔ اس کے خلاف احتجاج بھی کرتے اور جہاد بھی۔ آپ بڑے جید عالم اور جامع علوم تھے۔ حجاج بن یوسف نے انہیں بے شمار اعزازات سے نوازا تھا۔ ایسا کرنے میں یقیناً اس کا یہ لالچ ہوگا کہ اس کی من مانیوں کو وہ برداشت کر لیں گے مگر وہ بھلا کب برداشت کرنے والے تھے۔

چنانچہ جب ابن اشعت نے حجاج بن یوسف کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا تو سعید بن جبیر نے ان کا ساتھ دیا تھا اور شریک جنگ بھی ہوئے۔ شروع شروع میں انہیں بعض جگہوں پر کامیابی ہوئی مگر آخر کار شکست ہوئی۔ ابن اشعت تو سیستان بھاگ گئے مگر حضرت سعید بن جبیر گرفتار ہو کر حجاج بن یوسف کے دربار میں پیش کئے گئے۔

اب دربار میں سعید بن جبیر اور حجاج بن یوسف کے درمیان یوں مکالمہ ہوا۔

حجاج بن یوسف: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کر دوں؟

سعید بن جبیر: اگر تم معاف کر دو گے تو یہ تمہارا احسان نہ ہوگا بلکہ منجانب اللہ ہوگا۔

حجاج بن یوسف: میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

سعید بن جبیر: یقیناً میری موت کا یہی وقت مقرر ہوگا جس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔

اب حجاج بن یوسف نے جلاد کو حکم دیا کہ ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔

یہ حکم سن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا۔ سعید نے اسے رونے سے منع کرتے ہوئے کہا۔ رونے کی کوئی ضرورت نہیں یہ واقعہ تو خدا کے علم میں سے تھا۔

مقتل میں جانے سے پہلے سعید بن جبیر نے اپنے صاحبزادے کو آخری دید کے لئے بلایا تو

Marfat.com

وہ بھی رونے لگا۔آپ نے فرمایا تم روتے کیوں ہو۔ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں۔

وہ ہنستے ہوئے مقتل کی جانب چل دیئے۔

حجاج نے موت کے وقت ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا خدا کے مقابلہ میں تمہاری جرأتوں اور تمہارے مقابلہ میں خدا کے حکم پر ہنس رہا ہوں۔

اب حجاج کے اشارہ پر جلاد کی شمشیر برہنہ چمکی تو کشتہ حق کا سر زمین پر جا پڑا جس سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نکلا۔

خلاف توقع عام قتل ہونے والوں سے ان کا خون زیادہ نکلا۔حجاج نے اطبا کو بلا کر اس کی وجہ پوچھی تو تو انہوں نے کہا کہ خون روح کے تابع ہے جن کو پہلے قتل کیا گیا ان کی روح قتل سے پہلے تحلیل ہو چکی تھی لیکن سعید کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔

داستان عمل

ایم عبدالرحمٰن چہلیک ملتان شہر

کنیز

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پردہ نشین عورتوں کی مخدومہ ہیں۔ریاضت وعبادت اور قلب کی صفائی میں مردوں سے بڑھی ہوئی تھیں۔آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تین بہنیں تھیں۔آپ ان میں چوتھی تھیں اس لئے انہیں رابعہ یعنی چوتھی کہا جانے لگا۔آپ کی ولادت پر گھر میں بڑی غربت تھی۔دیئے میں تیل تک جلانے کو نہ تھا اور نہ ہی بازار سے خریدنے کی سکت تھی آپ کے والد پریشانی کے عالم میں سو گئے۔

خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے فرمایا آپ پریشان نہ ہوں تمہاری یہ بیٹی بہت مقبولیت حاصل کرے گی اور اس کی شفاعت سے میری امت کے ایک ہزار افراد بخشے جائیں گے۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا والی بصرہ کے پاس جا کر اسے یہ میری تحریر دو کہ تم روزانہ سو مرتبہ مجھ پر جو درود بھیجتے ہو اور شب جمعہ کو چار سو مرتبہ،لیکن آج جمعہ کی جو رات گزری ہے اس میں تم درود

Marfat.com

بھیجنا بھول گئے ہو لہٰذا بطور کفارہ حامل رقعہ ہذا کو چار سو دینار دیدو۔

والی بصرہ یہ مکتوب پا کر بڑا خوش ہوا اور شکرانے میں دس ہزار درم تو نترا میں تقسیم کئے اور چار سو دینار حامل رقعہ کو دیتے ہوئے عرض کیا کہ جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو مجھے مطلع کر دیا کرنا۔

حضرت رابعہ بصری نے جب ہوش سنبھالا تو آپ والد کے سائے سے محروم ہو چکی تھیں۔ دوسری تینوں بہنیں بھی آپ سے بچھڑ گئی تھیں۔ آپ ایک ظالم کے ہاتھوں میں آ گئیں۔ اس نے انہیں زبردستی اپنی کنیز بنالیا اور چند دنوں کے بعد نہایت ہی قلیل رقم میں فروخت کر دیا۔ یہ شخص ان سے زیادہ مشقت کا کام لیتا رہا۔ ایک دن آپ کہیں جا رہی تھیں کہ پھسل کر گر پڑیں اور ایک ہاتھ ٹوٹ گیا۔

آپ دن کو روزانہ روزہ رکھتیں اور رات کو عبادت کرتیں۔ ایک رات گھر کے گوشے میں آپ عبادت میں مشغول تھیں اور دعا مانگ رہی تھیں کہ اے اللہ! اگر میرے بس میں ہوتا تو ہمہ وقت تیری عبادت میں گزار دیتی لیکن چونکہ تو نے مجھے غیر کا محکوم بنا دیا ہے اس کی خدمت کی وجہ سے تیرے دربار میں دیر سے آئی ہوں۔

اس اثناء میں مالک کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا تو رابعہ کے سر پر ایک معلق نور فروزاں تھا۔ یہ دیکھ کر مالک بڑا پریشان ہوا۔ اس نے عہد کر لیا کہ مجھے تو اپنی خدمت لینے کی بجائے الٹی ان کی خدمت کرنی چاہئے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی انہیں آزاد کر کے استدعا کی کہ اگر آپ میرے پاس قیام فرمائیں تو میرے لئے باعث سعادت ہے اور اگر آپ اپنی مرضی سے جانا چاہیں تو آپ مختار ہیں۔

یہ اجازت سن کر آپ حجرے سے باہر نکل آئیں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئیں۔ آپ ہر شب روزانہ ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتی تھیں اور گاہے گاہے حضرت خواجہ حسن بصری کے وعظ میں بھی شریک ہوتی تھیں۔

آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کعبہ خود آپ کے استقبال کو جاتا تھا۔ اس راز کا اظہار یوں ہوا کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ اپنے سر اور آنکھوں سے چل کر 14 سال کے بعد مکہ میں پہنچے۔ دیکھا تو کعبہ نہ تھا۔ بڑے حیران ہوئے کہا کیا میری بصارت زائل

Marfat.com

ہوگئی ہے۔

غیبی ندا سے انہیں بتایا گیا کہ ان کی بصارت زائل نہیں ہوئی بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے استقبال کو گیا ہوا ہے۔

چنانچہ آپ کی نظر اٹھی تو دیکھا کہ سامنے حضرت رابعہ بصری لاٹھی کے سہارے چلی آ رہی ہیں۔ اب کعبہ اپنی اصل جگہ پر پہنچ چکا تھا۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے رابعہ بصری سے سوال کیا کہ تم نے نظام عالم کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے۔ جواب ملا کہ میں نے نہیں البتہ تم نے ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔

حضرت ابراہیم ادھم نے کہا میں ہر گام پر دو رکعت نفل پڑھتا رہا ہوں جس کی وجہ سے اتنی تاخیر سے پہنچا ہوں۔

رابعہ بصری نے فرمایا تم نے تو نماز پڑھ کر فاصلہ طے کیا ہے اور میں عجز و انکسار کے ساتھ یہاں تک پہنچی ہوں۔

حضرت رابعہ بصری نے شادی نہیں کی تھی ان سے پوچھا گیا کہ تم نے شادی کیوں نہیں کی۔

آپ نے جواب دیا شادی تو خوش رہنے والے کیا کرتے ہیں مگر میرے لئے تین چیزیں وجہ غم بنی رہیں اور اگر تم یہ غم دور کر دو تو میں شادی کر لوں گی۔ اول یہ کہ کیا خبر میری موت اسلام پر ہو گی یا نہیں۔ دوم، روز محشر میرا نامہ اعمال نہ جانے سیدھے ہاتھ میں ہو یا الٹے ہاتھ میں، سوم، روز محشر جب جنت میں ایک جماعت کو دائیں طرف اور دوسری کو بائیں طرف سے داخل کیا تو نہ جانے میرا شمار کس جماعت میں ہوگا۔

لوگوں نے عرض کیا ان تینوں سوالوں کا جواب ہمارے پاس نہیں تو پھر آپ نے فرمایا کہ جسے اس قدر غم ہوں اسے شادی کی کیا تمنا ہو سکتی ہے۔

وفات کے وقت آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں سے ہٹ کر ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ سب باہر نکل گئے اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اندر سے یہ آواز سنائی دی۔

یا ایھا النفس المطمنته ارجعی

Marfat.com

یعنی اے مطمئن نفس اپنے مولا کی جانب لوٹ چل۔

اور جب تھوڑی دیر کے بعد اندر سے آواز آنی بند ہوگئی تو لوگوں نے دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ مشائخین کا قول ہے کہ رابعہ نے خدا کی شان میں کبھی کوئی گستاخی نہ کی اور نہ کبھی دکھ کی پرواہ کی اور مخلوق سے کچھ طلب کرنا تو درکنار اپنے مالک حقیقی سے بھی کچھ نہ مانگا اور انوکھی شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تذکرۃ الاولیا
از شیخ فریدالدین عطارؒ

Marfat.com

پرندوں کا سایہ

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ 180ھ میں پیدا ہوئے۔ 247ھ میں قاہرہ کے قریب جنیرہ کے مقام پر انتقال فرمایا۔اسی وجہ سے آپ کی نسبت مصری ہے۔آپ کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم ہے اور کنیت ابوالفیض ۔آپ سلطان معرفت ہیں اور بحر توحید کے شناور۔

ان مقامات پر پہنچنے میں شروع زندگی (عالم شباب) میں یوں واقعہ پیش آیا کہ آپ نے کسی شخص سے سنا کہ جنگل میں ایک نوجوان عابد ہے جس کی زیارت سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا وہ نوجوان ایک درخت پر الٹا لٹکا ہوا ہے اور اپنے نفس سے مسلسل کہہ رہا ہے کہ جب تک تو عبادت الٰہی میں میری ہمنوائی نہیں کرے گا میں تجھے یونہی اذیتیں دیتا رہوں گا حتیٰ کہ تیری موت واقع ہو جائے گی۔

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت ذوالنون کو اس پر بڑا ترس آیا اور چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔

اس عابد نوجوان نے جب رونے کی آواز سنی تو کہنے لگا کون ہے جو مجھ بے حیا اور معصیت کار پر ترس کھا کر رو رہا ہے؟

یہ سن کر آپ اس نوجوان کے پاس گئے۔سلام پیش کیا اور مزاج پرسی کرنے کے بعد کہا میں نے سنا تھا کہ آپ بڑے عابد زاہد ہیں، مگر آپ کی عبادت کا تو یہ عجیب طریقہ ہے کہ اپنے آپ کو اذیتیں دے رہے ہو۔

اس نوجوان نے کہا چونکہ یہ جسم عبادت الٰہی پر آمادہ نہیں ہے اس لئے اسے سزا دے رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا مجھے تو یوں گمان ہوا تھا کہ آپ نے کسی کو قتل کر دیا ہے یا کوئی گناہ عظیم سرزد ہو گیا ہے۔

اس نے جواب دیا تمام گناہ مخلوق سے ارتباط و اختلاط کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اس لئے میں مخلوق سے راہ و رسم کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔

اب آپ نے فرمایا تم واقعی بہت بڑے زاہد ہو۔اس نے کہا یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے اس ادنیٰ سے فعل سے میرے زاہد ہونے کا اظہار کیسے ہو گیا۔جاؤ پہاڑ کے اوپر دیکھو وہاں کسی زاہد کے

Marfat.com

زہد کو دیکھو۔

حضرت ذوالنون پہاڑ پر پہنچے تو ایک نوجوان کو دیکھا جس کا ایک پیر کٹا ہوا باہر پڑا تھا اور اس کا جسم کیڑوں کی خوراک بن رہا تھا۔ جب آپ نے یہ صورتحال دیکھی تو بڑے حیران ہوئے اس نوجوان سے حالت کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا۔

ایک دن وہ مصروف عبادت تھا کہ ایک خوبصورت عورت کو شیطان لے کر آیا اور مجھے فریب میں مبتلا کر دیا۔ میں عبادت چھوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا کہ اچانک ایک غیبی ندا نے مجھے متنبہ کیا کہ اے بے غیرت تیس سال خدا کی عبادت و اطاعت میں گزار کر آج شیطان کی عبادت کرنے چلا ہے۔ لہٰذا میں نے اسی وقت اپنا ایک پیر کاٹ کر الگ کر دیا کہ گناہ کی جانب پہلا قدم اسی پیر سے بڑھا تھا۔

پھر پوچھا اب بتایئے آپ میرے پاس کس لئے آئے ہیں۔ اگر صحیح زاہد کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ۔

لیکن پہاڑ کی چوٹی اس قدر بلند اور خطرناک تھی کہ جانا بڑا مشکل تھا تاہم اس نوجوان نے خود ہی اس بزرگ کا قصہ یوں سنایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو بزرگ ہیں ان سے ایک دن کسی نے کہہ دیا کہ پاک روزی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ بس اسی دن سے اس نے عہد کر لیا کہ جس روزی میں مخلوق کا ہاتھ ہوگا وہ استعمال نہیں کروں گا اور جب بغیر کچھ کھائے چند دن گزرے تو بھوک نے نڈھال کر دیا زمین پر گر پڑے مگر اس جنگل میں کون اس کی خبر گیری کرتا۔ کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ ہاتھوں کی حرکت مفقود ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اچانک شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ ان کے گرد جمع ہو کر اسے شہد مہیا کرتی رہا کریں چنانچہ ان کی زندگی قائم رکھنے کے لئے انہیں برابر شہد مل رہا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری سوچ میں پڑ گئے کہ واقعتاً انسان کو کھانے پینے کے سامان سے بے نیاز ہو کر اللہ کی عبادت کرنی چاہئے کہ اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک اندھا پرندہ آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا جو صرف اردگرد کی آوازوں سے چوکنا ہوتا تھا۔ وہ دیکھنے سے معذور تھا۔

حضرت ذوالنون مصری نے خیال کیا کہ دیکھیں اس پرندے کو رزق کہاں سے ملتا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ پرندے نے ایک جگہ پر ٹھونگیں ماریں تو دو پیالیاں برآمد ہوئیں۔ ایک سونے کی تھی اور دوسری چاندی کی۔ سونے کی پیالی میں تل تھے اور چاندی کی پیالی میں گلاب کا عرق۔

Marfat.com

پرندے نے جلدی جلدی تل کھائے، گلاب کا عرق پیا اور پھر سے اڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھا اور پھر وہ دونوں پیالیاں غائب ہو گئیں۔

یہ دیکھ کر آپ نے اسی دن متوکل رہنے پر کمر باندھ لی اور یقین کر لیا کہ متوکل علی اللہ کو تکلیف نہیں ہوتی۔ آپ پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ رستے میں انہیں آپ کے کچھ ساتھی ملے جنہیں ایک خزانہ ملا تھا وہ اسے بانٹنے میں مصروف تھے۔ ان کے قریب ایک تختہ پڑا تھا جس پر اسماء الحسنٰی مرقوم تھے۔ ان ساتھیوں نے مال وزر کا کچھ حصہ حضرت ذوالنون کو بھی دینا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ فرمایا اگر تم مجھے کچھ دینا چاہتے ہو تو یہ تختہ دیدو۔ انہوں نے بخوشی وہ تختہ انہیں دیدیا۔

ایک رات خواب میں دیدار الٰہی نصیب ہوا۔ فرمایا گیا اے ذوالنون سب نے دولت کو پسند کیا مگر تو نے ہمارے نام کو پسند کیا جس کے عوض ہم نے تیرے اوپر علم و حکمت کے دروازے کشادہ کر دیئے۔

ایک دن حضرت ذوالنون لب دریا وضو کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت عورت کا گزر ہوا آپ نے اس پر توجہ کی مگر وضو میں مصروف رہے۔ پھر وہ عورت ہر قدم ان کے قریب آتی گئی۔ انہیں خیال آیا کہ شاید اس اللہ کی بندی کو میری کسی خدمت کی ضرورت ہو نگاہ اٹھائی اور پوچھا کہ کیا تجھے مجھ سے کوئی کام ہے۔

عورت نے کہا نہیں مجھے آپ سے کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو ویسے ہی چند باتوں کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔

آپ نے فرمایا کیسی تصدیق؟

میرا خیال تھا کہ آپ ایک دیوانے ہیں میں آپ کے قریب آ گئی تو میں نے آپ کو ایک عالم سمجھا مزید قریب آئی تو میرا خیال تھا کہ آپ اہل معرفت میں سے ہیں لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نہ دیوانے ہیں نہ عالم ہیں اور نہ ہی اہل معرفت میں سے۔

آپ نے پوچھا تم نے یہ یقین کیسے کر لیا؟

وہ عورت کہنے لگی میں نے آپ کو دیوانہ سمجھا مگر آپ وضو کر رہے تھے۔ اگر آپ واقعتاً دیوانے ہوتے تو وضو نہ کرتے۔ دیوانوں کو ایسے کاموں سے کیا علاقہ ہے۔ میں نے آپ کو عالم سمجھا اگر آپ عالم ہوتے تو عالم نامحرم پر نظر نہیں ڈالتے۔ مگر آپ نے میری طرف دیکھا اور دیکھتے

Marfat.com

رہے لہٰذا آپ عالم بھی نہیں ہیں۔ پھر میں نے خیال کیا کہ آپ اہل اللہ میں سے ہیں مگر اہل معرفت تو خدا کے سوا کسی کو دیکھتے ہی نہیں ہیں۔

پھر وہ عورت اچانک غائب ہوگئی۔ حضرت ذوالنون نے اسے غیبی تنبیہ سمجھا۔

یہ قدرتی رہنمائیاں آپ کو منزل کے قریب لیتی چلی گئیں اور توحید کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو گئے۔ آپ مالداروں کو وعیدیں سنانے لگے۔ ظاہری عالموں سے آپ کو نفرت ہونے لگی اور امراء و حکام کو آپ خاطر میں نہ لاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ مخلوق سے مغلوب ہو گئے۔ آپ کو زندیق کہہ دیا گیا۔ آپ کی بزرگی اور عظمت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور پھر آپ بار بار گرفتار بھی ہوئے۔

آپ کے اعلیٰ مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ اس کشتی میں ایک تاجر بھی تھا اس کا ایک موتی کھو گیا۔ موتی بڑا قیمتی تھا اس نے شور مچانا شروع کر دیا اور حضرت ذوالنون پر موتی چرانے کا الزام رکھا۔ آپ کے انکار پر آپ کو زدوکوب کیا جانے لگا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا ذرا رکو میں آپ کو اس جیسا موتی دیئے دیتا ہوں۔

اب آپ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں کہا اے اللہ! تو علیم ہے تو جانتا ہے کہ میں نے آج تک چوری نہیں کی اور نہ ہی میں نے یہ موتی لیا ہے مگر میرے ہمسفروں کا پختہ یقین ہے کہ میں نے ان کا موتی چرایا ہے۔ مجھے ایک موتی چاہئے تا کہ میرے پریشان بھائی کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔

پھر کیا تھا دریا کی ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں ایک ایک موتی لئے نمودار ہوئیں۔ اب آپ نے فرمایا بھئی اپنا موتی پہچان کے لے لو۔ اب اس تاجر نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ معافی مانگنے لگا سارے کشتی والے آپ کی اس کرامت پر متعجب ہوئے۔ آپ کے مقام و مرتبہ کے قائل ہو گئے۔ اسی وجہ سے آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا۔ نون مچھلی کو کہتے ہیں۔

آپ کا آخری وقت آیا تو بس بیٹھے بیٹھے لیٹ گئے۔ بس بے ہوشی کے چند لمحے گزرے کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

انتقال کے بعد آپ کی پیشانی پر لوگوں نے یہ کلمات لکھے ہوئے دیکھے۔

Marfat.com

ہذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ و ہذا قتیل اللہ مات من سیف اللہ

یہ اللہ کا حبیب ہے۔اس کی محبت میں مر گیا اور یہ اللہ کی تلوار سے قتل ہوا۔

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو شدت کی دھوپ تھی مگر ہزاروں پرندے بھاگے آئے اور اپنے پروں سے سایہ کر دیا۔ یہ بات دیکھ کر اہل مصر اور علماء جو آپ کو زندیق کہتے رہے تھے بے حد نادم ہوئے اور اپنی غلطیوں سے توبہ کی۔

تذکرۃ الاولیاء

از حضرت فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ

ایمان کا تحفظ

حضرت ثفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ شریعت و طریقت میں کامل اور علوم رسالت کے وارث تھے۔ جس کی وجہ سے عوام نے آپ کو امیر المومنین کا خطاب دیا تھا۔ علوم ظاہری و باطنی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ سماعت حدیث کے لئے جب آپ کو بلایا جاتا تو وہاں جانے میں کوئی بھی مجبوری آپ کو نہ روکتی تھی۔ آپ بچپن میں بھی سنت نبوی ﷺ کے متبع بن گئے تھے۔

ایک بار آپ مسجد میں داخل ہوئے تو غلطی سے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا فوراً ندا آئی اے ثوری مسجد کے حق پر یہ گستاخی اچھی نہیں۔

اس ندا پر خوف کا ایسا غلبہ ہوا کہ غش کھا کر گر پڑے ہوش آنے پر منہ پر طمانچے مار مار کر کہنے لگے کہ مجھے بے ادبی کی ایسی سزا ملی ہے کہ میرا نام ہی انسانیت کے دفتر سے خارج کر دیا گیا ہے اور مجھے ثوری کا نام دیا گیا۔ ثور بیل کو کہتے ہیں اور ثوری بیل سے نسبت رکھنے والا یا بیلوں کی طرح کی حرکتیں کرنے والا ہوتا ہے۔ گویا کہ ایک قدم غلط پڑنے پر آپ کو تنبیہ ہو گئی۔ اندازہ تو کریں ان کی زندگی کس قدر محتاط گزری ہو گی۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی بھی قول ایسا نہ تھا جسے آپ نے سنا اور زندگی بھر اس پر عمل نہ کیا ہو۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ محدثین کو بھی زکوٰۃ دینی چاہیے۔

لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ کیا محدثین مال رکھتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

فرمایا نہیں، مال نہ رکھتے ہوئے بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

Marfat.com

پوچھا گیا وہ کیسے؟ اور کس قدر زکوۃ؟

فرمایا دو سو احادیث میں سے پانچ احادیث پر عمل کریں۔

ایک مرتبہ کسی امیر نے اشرفیوں سے بھری ہوئی دو تھیلیاں آپ کی خدمت میں ارسال کیں اور نہایت انکساری سے گزارش کی گئی کہ چونکہ آپ میرے والد کے دوست ہیں اور اب وہ فوت ہو چکے ہیں۔ میں ان کی پاکیزہ کمائی میں سے یہ حقیری رقم آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اسے اپنی ضروریات کے لئے قبول فرمایئے۔

لیکن آپ نے وہ تھیلیاں واپس کر دیں اور پیغام بھیجا کہ برخوردار تمہارے والد سے میرے دوستانہ تعلقات صرف دین کے لئے تھے نہ کہ دنیا کے لئے۔ میں ان کا دینی دوست ہونے پر ان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

یہ رقم واپس کرنے کے واقعہ کی اطلاع حضرت ثفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے کو ہوئی جو غریب، عیالدار اور مقروض تھے۔ کہنے لگے کہ کاش ابو یہ رقم لے کر مجھے دے دیتے تا کہ میرا قرض ہی اتر جاتا۔

بیٹے کی تمنا کا علم حضرت ثفیان ثوری کو ہوا۔ بیٹے کو بلایا فرمایا بیٹا میں دینی تعلقات کو دنیاوی معاوضہ میں فروخت نہیں کر سکتا تھا۔

آپ نے زندگی بھر موت کو یاد رکھا۔ جب بھی آپ کا کوئی ارادت مند کسی سفر پر نکلتا تو وہ ازراہ ارادت آپ کی خدمت میں آ کر سفر کی خیریت کی دعا کے لئے عرض کرتا۔

آپ فرماتے اللہ تعالیٰ تمہیں خیریت سے لے جائے اور خیریت سے واپس لائے۔ پھر فرماتے اگر ہو سکے تو میرے لئے موت لیتے آنا۔

جب موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ فرمایا میں تو مرتے دم تک موت کا بڑا خواہش مند تھا لیکن آج معلوم ہو رہا ہے کہ موت کی شدت کو برداشت کرنا بڑا دشوار ہے۔ یہاں تک کہ زندگی میں لاٹھی ٹیک کر چلنے سے بھی زیادہ۔ دوستو! دنیا کی زندگی گزار کر خدا کے روبرو پیش ہونا آسان کام نہیں ہے۔

فرمایا لوگو! میں بھولا رہا ہوں۔ میں موت سے بے خبر رہا۔ موت کا ذائقہ چکھنے سے پہلے میں نے کچھ سامان جمع نہ کیا۔ تمہیں میری نصیحت یہی ہے کہ موت کا سامان ضرور جمع کرتے رہو۔

Marfat.com

جب زیادہ حالت تشویش ناک ہوگئی تو لوگوں نے عرض کیا حضور آپ کو جنت مبارک ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا اہل جنت تو دوسرے لوگ ہوتے ہیں ہماری وہاں تک رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟

آپ نے فرمایا میرا چہرہ زمین پر رکھ دو کیونکہ اب وقت بالکل قریب ہے۔ پھر کیا تھا آن واحد میں لوگوں کا جم غفیر آپ کے گھر کے باہر جمع ہوگیا۔ ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ آپ کی نازک حالت کا علم تمہیں کیسے ہوگیا۔ ان لوگوں نے کہا ہمیں خواب میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ثفیان ثوری کی موت پر پہنچ جاؤ چنانچہ جس وقت یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو آپ کی حالت بہت نازک ہوچکی تھی اور آپ نے تکیہ کے نیچے سے ایک ہزار دینار کی تھیلی نکالی فرمایا کہ اسے فقرا میں تقسیم کردو۔

اس پر لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ آپ دوسروں کو تو مال جمع کرنے سے منع فرماتے رہے مگر خود ایک ہزار دینار جمع کر لئے۔

آپ نے لوگوں کی نیت سے مطلع ہوتے ہوئے فرمایا کہ ان دیناروں سے ایمان کا تحفظ کیا ہے کیونکہ جب ابلیس پوچھتا تھا کہ اب کہاں سے کھاؤ گے تو میں جواب دیتا کہ میرے پاس ایک ہزار دینار موجود ہیں ان سے کھالوں گا۔ جب وہ سوال کرتا کہ کفن کہاں سے نصیب ہوگا تو اس وقت بھی یہی جواب دیتا۔ حالانکہ مجھے ان دیناروں کی قطعاً ضرورت نہ تھی مگر وساوس شیطانی کے لئے جمع کر لئے تھے۔

پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دنیا سے رخصت ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تذکرۃ الاولیا

حضرت فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

خط

حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اکابر اولیا میں سے ہیں جن کی بدولت برصغیر پاک و ہند میں فروغ دین و اسلام کو تقویت ملی۔ آپ کے جدِ اعلیٰ مکہ سے خوارزم میں آئے اور آپ کے والد خوارزم سے ملتان میں تشریف لائے۔ آپ کی ولادت 27 رمضان 566ھ بمطابق 1171ء کوٹ کروڑ میں ہوئی۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا پھر ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل میں مزید 7 سال لگائے۔ اب آپ نے حج کیا اور مدینہ طیبہ میں 5 سال تک قیام فرمایا اور روضہ اطہر سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ پھر بغداد میں تشریف لائے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل کیا اور صرف سترہ دن کے بعد مرشد کی توجہ سے فیضان کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور آپ کو خرقہ خلافت عطا ہوا۔

اس خصوصی عنایت پر خانقاہ کے دوسرے درویشوں کے دل میں رشک پیدا ہوا اور مرشد سے شکوہ کیا کہ ہم سالہا سال سے ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہیں اور ابھی خلافت میسر نہیں ہوئی لیکن یہ ہندوستانی چند یوم میں ہی ولایت سے سرفراز ہو گیا۔ اس شکوہ کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے جن میں آگ دیر سے لگتی ہے اور بہاء الدین خشک لکڑیاں لایا تھا جنہوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔

خرقہ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ ملتان میں تشریف لے آئے اور رشد و ہدایت کی روشنی عام کرنے لگے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ جب ملتان میں تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے ہاں قیام فرمایا دونوں اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے مگر دو طرفہ احترام کی مثال کہیں نہ مل سکے گی۔ جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی جانے لگے تو لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ یہیں رہ جائیں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ملتان کی سرزمین شیخ بہاء الدین زکریا کے لئے ہے اللہ آپ کا سایہ تم لوگوں کے لئے سلامت رکھے۔

آپ بڑے عاشق رسول ﷺ تھے۔ سنت نبوی کے متبع تھے۔ شب زندہ دار بزرگ تھے۔ آپ کی آنکھیں رات بھر اشکبار رہتی تھیں۔ 7 صفر 661ھ کا واقعہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے

Marfat.com

حضرت صدر الدین عارف جن کی عمر 40 سال کے لگ بھگ تھی۔ گھر کے دروازے میں کھڑے تھے کہ ایک اجنبی آیا۔ عرض کیا کہ اسے حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا سے ملنا ہے۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا خیریت تو ہے؟

اجنبی نے عرض کیا یہ ایک خط ان کے نام ہے۔

صاحبزادہ صاحب بولے، لائیے یہ مجھے دیدیں میں ان تک پہنچادوں گا۔ میں ان کا بڑا بیٹا ہوں۔

اس نے خط دیتے ہوئے دوبارہ عرض کیا دیکھئے اس خط کے پہنچانے میں دیر نہ کرنا، ابھی ان تک پہنچادیں۔

اس خط میں کیا لکھا تھا۔ کچھ پتہ نہ تھا کیونکہ خط لفافہ میں بند تھا۔

صاحبزادہ صاحب خط لے کر اندر چلے گئے اور والد محترم کو خط دے کر جلدی سے باہر آئے تا کہ خط لانے والے کی خاطر مدارات لنگر پانی سے کر سکیں مگر جب دیکھا کہ خط لانے والا موجود نہیں ہے تو حیران ہوئے اور ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔

پھر جب دوبارہ اندر گئے تو خط کھلا ہوا تھا اور سینے پر پڑا تھا اور حضرت صاحب بے حس و حرکت تھے۔ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی اور ایک ہلکی سی آواز کمرے میں آرہی تھی کہ

دوست بدست رسید

خط دیکھا تو کورا کاغذ تھا۔ اس کی تحریر بالکل دکھائی نہ دیتی تھی۔

سبحان اللہ کس انداز سے محبوب نے اپنے محبوب کو بلایا اور کتنی جلدی محبوب اپنے محبوب کے پاس پہنچ گیا۔

تذکرۃ اولیاء پاکستان
از عالم فقری

Marfat.com

سجدہ

حضرت شاہ رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ملتان شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت صدر الدین عارف کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ 9 رمضان المبارک 649ھ بمطابق 22 نومبر 1251ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا بڑا سعادت مند ہوگا اس کی وجہ سے پورے خاندان کا چراغ روشن ہوگا۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت راستی بیگم حافظہ قرآن تھیں اور روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتی تھیں۔ آپ نے کبھی بھی اپنے اس بیٹے کو بے وضو دودھ نہیں پلایا اور نہ ہی بیٹے نے بے وضو ماں کا دودھ پیا۔ والدہ دودھ پلا رہی ہوتیں تو اگر مسجد میں اذان ہونے لگتی تو آپ دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے۔ گویا آپ توجہ اور غور سے اذان سننے لگتے اور جب رات کو والدہ نماز تہجد کے لئے اٹھتیں تو بچہ بھی جاگ جاتا تھا اور والدہ کی نماز کے دوران بالکل نہ روتا تھا۔

ایک دن جب حضرت رکن عالم کی عمر 4 سال کی تھی اور حضرت بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے تو ان کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والد محترم حضرت صدر الدین عارف نے اسے بے ادبی خیال کرتے ہوئے بیٹے کو ڈانٹا۔

مگر دادا جان نے فرمایا بیٹا! اسے پگڑی پہننے سے نہ روکو یہی اس پگڑی کا مستحق ہے۔

چنانچہ جب وہ مسند نشین ہوئے تو یہی پگڑی ان کے سر مبارک پر رکھی گئی۔

آپ نے ظاہری علوم کی تکمیل والد محترم سے کی اور باطنی علوم دادا جان سے حاصل کئے۔ انہیں دونوں بزرگوں کی صحبت میں انہوں نے صوری اور معنوی کمالات حاصل کئے۔ علم، تواضع، شفقت، صلح، عفو، حیا، وقار اور جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور انہوں نے مقاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے کہ ان کو مخزن الٰہی، منبع جود نامتناہی اور یس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت گوہر معدن صفات لاریب، لولئے دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کو اپنے والد حضرت صدر الدین عارف سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ حضرت

Marfat.com

جہانیاں جہاں گشت جیسے کامل بزرگ کو حضرت شاہ رکن عالم کے خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔
آپ تہجد سے دو پہر تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

26 سال کی عمر میں مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے تو ہر گوشہ عالم سے لوگ حلقہ مریدین میں داخل ہونے کو اُمڈے آئے اور فیض یاب ہونے لگے۔ لوگوں کے دلوں کا کشف آپ کو حاصل تھا امراء اور وقت کے بادشاہ (علاء الدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق) بھی آپ کے معتقد تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی جیسے رفیع الشان بزرگ بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔

آپ اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کا ورد بڑا کیا کرتے تھے۔ ہر وقت باوضو رہتے اور درود پاک پڑھا کرتے۔ وفات سے 3 ماہ قبل لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا ترک کر دیا تھا۔ صرف نماز کے وقت حجرے سے باہر تشریف لاتے اور نماز پڑھنے کے بعد پھر حجرے میں واپس چلے جاتے۔

735ھ کے رجب کی 16 تاریخ بروز جمعرات مغرب کی نماز کے بعد اوابین کے نوافل پڑھ رہے تھے کہ سجدے کی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ نے 86 سال کی عمر پائی۔ ملتان میں آپ کے مزار پر ایک شاندار مقبرہ سلطان وقت غیاث الدین تغلق نے بنایا تھا۔

تذکرہ اولیائے پاکستان
از عالم فقری

ہذا حبیب اللہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت 3 رجب 537ھ بروز دو شنبہ بجستان کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور نشو و نما خراسان میں ہوئی۔ 14 سال کی عمر میں والد ماجد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ آپ کے دو بھائی اور تھے جب بھائیوں نے باپ کی جائیداد تقسیم کی تو آپ کے حصہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی آئی جن کی آمدنی سے آپ کا گزارہ چل جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے باغ میں ایک بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ نے ان کی خدمت میں انگور پیش کئے۔ انہوں نے کھل کا ایک ٹکڑا چبا کر حضرت کے منہ میں دیا۔ اس کا کھانا تھا کہ آپ کا دل انوار الٰہی سے معمور ہو گیا اور دنیا کے اسباب سے دل متنفر ہو گیا۔

Marfat.com

اسی دن اپنا قیمتی باغ اور دیگر تمام جائیداد فروخت کر کے مساکین میں تقسیم کر دیا اور پھر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اولاً بخارا گئے، پھر سمرقند میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ اب آپ سرزمین عراق میں تشریف لائے اور علماء وصلحا سے کسب فیض کیا اور حضرت عثمان ہارونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپ کئی سال تک مرشد کے ساتھ رہے۔ سفر وحضر میں آپ کی خدمت بجالاتے رہے۔ یہ خدمت 20 سال 6 ماہ تک کرتے رہے۔ اس طرح مرشد کے ہمراہ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں اور بغداد میں سیاحت کی اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی گئے اور بہت سے بزرگوں سے روحانی فیض و سعادت حاصل کی۔ مدینہ پاک میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ کے اشارے سے آپ ہندوستان میں تشریف لائے۔

ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے شیخ نجم الدین کبریٰ حضور غوث الاعظم، شیخ ضیاء الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یوسف ہمدانی اور خواجہ بدرالدین رحمتہ اللہ علیہما سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت خواجہ ابوسعید سے ہم صحبت رہے اور خواجہ محمود سے اصفہان میں جا کر فیض لیا۔ یہ ساری ملاقاتیں اور سیاحت راہ سلوک کی کٹھن منزلیں طے کرنے کے لئے تھیں اور ہر جگہ معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے رہے۔ آپ مختلف بزرگوں کے مزارات پر بھی حاضر ہوئے۔ چلہ کشی کی اور مراقب رہے۔ جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر چلہ کش رہے۔ آپ اجمیر شریف میں رہے اور اجمیری کہلائے۔

آپ کی ذات والاصفات سے لاکھوں بندگان خدا نے فیض حاصل کیا۔ ہندوستان میں آپ سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں۔ اس سلسلہ کی بدولت نوے لاکھ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کی یہ کرامت بڑی مشہور ہے کہ جس فاسق فاجر پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ ہمیشہ کے لئے گناہوں سے تائب ہو جاتا۔

آپ کی وفات 6 رجب 633ھ بروز دوشنبہ کو ہوئی۔ وصال کی رات آپ نے اچانک فرمایا کہ اب مجھے آرام کرنا چاہئے۔ میرے پاس کوئی نہ آئے۔ آپ نے عشاء کی نماز کے بعد حجرے کا دروازہ بند کر لیا۔ خاصان حضور حجرے کے گرد موجود رہے۔

انہوں نے حجرے کے اندر سے ایسی آوازیں سنیں جیسے پیروں کی آہٹ ہو جو عموماً عاشقان

Marfat.com

الٰہی کے وجد کے باعث سنائی دیتی ہیں۔رات کے پچھلے پہر آواز بند ہوگئی۔فجر کی اذان کے بعد مریدان خاص نے حجرہ پر دستک دی اور پکارا بھی مگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

مجبوراً خدام خاص نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ حضرت خواجہ وفات پا چکے ہیں اور آپ کی پیشانی مبارک پر خط نور سے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

ہذا حبیب اللہ مافی حب اللہ

ملہمات

ازسردار علی خان

انا الحق

حضرت حسین منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑی شان کے بزرگ تھے مگر بعض صوفیا نے انہیں صوفی تسلیم نہیں کیا۔انہوں نے مجذوب اور دیوانہ بن کے اپنے آپ کو چھپائے رکھا مگر بعض اوقات ان کی باتیں فرزانوں کی سی ہوتیں۔یہی وجہ ہے کہ صوفیا کا ایک گروہ انہیں دیوانوں میں شمار کرتا ہے اور دوسرا گروہ انہیں فرزانوں میں اور صوفیا میں شامل کرتا ہے بلکہ بعضوں نے تو انہیں کافر،ملحد،زندیق اور ساحر بھی کہا ہے۔

لیکن جو لوگ توحید کے رموز سے آگاہ ہیں وہ انہیں دائرہ توحید سے خارج نہیں کرتے۔ تاہم ظاہر بینوں کی نظر میں وہ کھٹکتے رہے اور وہ سزا پائی جو وہی عاشق پا سکتا ہے جس کا بال بال اپنے محب کی ایک ایک ادا پر فدا ہونے کے لئے ہے۔اس لئے ان کی راہ پر چلنے والے کہتے ہیں کہ چونکہ ظاہر بین ان کے کلام کو نہ سمجھتے تھے لہٰذا ان کے مقام سے بھی نا آشنا رہے اور جو ان کے مقام سے آشنا ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا ان کی زبان پر بولتا تھا۔

حضرت منصور حلاج ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے اور بحر توحید میں غرق رہنے والے تھے۔ان کی زبان سے اکثر یہ غیر شرعی جملہ نکلتا رہا کہ انا الحق (میں خدا ہوں)

حضرت منصور حلاج 18 سال کی عمر میں تستر تشریف لے گئے اور وہاں 2 سال تک حضرت عبداللہ تستری کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔پھر بصرہ چلے گئے۔پھر وہاں سے دو حرقہ پہنچے جہاں حضرت عمر بن عثمان کی صحبت سے فیض یاب ہو کر حضرت یعقوب اقطع رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی

Marfat.com

سے نکاح کیا۔اب آپ حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں بغداد میں تشریف لے گئے۔اس کے بعد حجاز میں گئے اور ایک سال کے بعد واپس بغداد میں آئے۔

یہاں حضرت جنید بغدادی سے کسی قسم کا سوال کیا کہ انہوں نے فرمایا حلاج تمہیں سولی پر چڑھایا جائے گا۔

آپ نے اس کے جواب میں کہا جب مجھے سولی دی جائے گی تو آپ بھی ظاہر کا لباس اختیار کریں گے۔

چنانچہ حضرت منصور حلاج نے جب انا الحق کہا تو ایک شور مچ گیا۔وقت کے علماء نے متفقہ طور پر حسین منصور حلاج کو قابل گردن زدنی ہونے کا فتویٰ دیا۔جسے خلیفہ وقت نے بھی تسلیم کرلیا مگر یہ کہا کہ جب تک حضرت جنید بغدادی فتویٰ پر دستخط نہیں کریں گے میں منصور کو پھانسی نہیں دے سکتا۔

اب حضرت جنید کو طلب کیا انہوں نے مدرسہ میں جا کر علمائے ظاہر کا لباس پہنا اور دربار میں تشریف لائے۔

خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ منصور حلاج نے جو انا الحق کہا ہے اس پر حضرت جنید کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا میں فقیروں اور صوفیوں والا لباس اتار کے آیا ہوں اور علمائے ظاہر کا لباس زیب تن کر کے، لہٰذا میں اس لباس میں فتویٰ صادر کرتا ہوں کہ منصور حلاج کو پھانسی پر چڑھایا جائے۔

علماء ظاہر اور صوفیائے باطن کے لباس کی بات خلیفہ کی سمجھ میں نہ آئی۔اس نے کہا کہ صوفیائے باطن کے اعتبار سے منصور حلاج ٹھیک کہتا ہے مگر علماء ظاہر کے نزدیک وہ واجب القتل ہے لہٰذا انہیں ایک سال کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے۔

قید خانہ میں آپ کے معتقدین آپ کے پاس پہنچتے رہے اور آپ ان کے سوالوں کے تسلی بخش جواب دیتے رہے۔پھر معتقدین کی آمد پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

قید خانہ میں بعض بزرگوں نے دو افراد کی معرفت کہلوایا کہ انا الحق سے توبہ کرلیں تا کہ قید سے رہا کر دیا جائے۔

آپ نے جواب دیا میں معذور ہوں۔

Marfat.com

قید میں آنے کے پہلے دن لوگ ان سے ملنے کے لئے آئے مگر آپ قید میں نہ تھے۔لوگوں نے خیال کیا شاید آپ بھاگ گئے ہیں۔دوسرے دن لوگ پھر گئے تو نہ آپ تھے۔نہ قید خانہ تھا۔ تیسرے دن آپ قید خانہ میں ہی پائے گئے۔

لوگوں نے وجہ پوچھی۔

فرمایا پہلے دن میں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا لہٰذا گم تھا۔دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے تھے لہٰذا قید خانہ بھی گم تھا۔

قید خانہ میں آپ 1000 رکعت نماز روزانہ رات کو پڑھتے تھے۔

آپ نے ایک دن قید خانہ کے دوسرے قیدیوں سے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں رہا کر دوں۔

وہ کہنے لگے اگر تم میں اتنی طاقت ہے تو خود کیوں قید خانہ میں بیٹھے ہو؟

فرمایا اس بات کو چھوڑو۔

قیدی کہنے لگے اگر آپ واقعی رہا کر سکتے ہیں تو کر دیں۔

اب آپ نے ان کی بیڑیوں کو دیکھا وہ ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔پھر قید خانہ کے تالوں پر نگاہ کی وہ بھی ٹوٹ کر گرنے لگے۔قیدیوں سے کہا جاؤ ہم نے تمہیں آزاد کیا۔

قیدیوں نے کہا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔

فرمایا میرے ساتھ میرے آقا کا ایک راز وابستہ ہے جس کا اظہار سولی پر چڑھے بغیر نہ ہو گا۔گو میں اپنے آقا کا قیدی ہوں لیکن شریعت کی پاس داری بھی واجب ہے۔

صبح کو دیکھا گیا تو سب قیدی (300) فرار تھے اور آپ کے سوا وہاں کوئی قیدی موجود نہ تھا۔

ان سے سوال کیا گیا کہ قیدی کہاں گئے؟

آپ نے فرمایا میں نے سب کو رہا کر دیا ہے اور میں خود اس لئے ٹھہرا ہوں کہ میرے آقا کا مجھ پر عتاب نازل ہے۔

یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ انہیں کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی قید خانہ سے باہر لایا گیا اور کوڑے برسنے لگے۔300 کوڑے مارے گئے۔کوڑے مارنے والے تھک گئے مگر آپ نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ یہ کوڑے برداشت

Marfat.com

کئے۔

کوڑے مارنے والے کا بیان ہے کہ وہ ہر کوڑے پر ایک آواز سنتا تھا کہ یا ابن منصور لاتخف۔یعنی اے منصور خوفزدہ نہ ہو۔

کوڑوں کی سزا سے آپ مرے نہیں۔اب تختہ دار پر لایا گیا۔ایک لاکھ کا مجمع آپ کے گرد جمع تھا۔لوگ پتھر مار رہے تھے مگر آپ درمیان میں کھڑے حق،حق،حق اورانا الحق فرما رہے تھے۔

اس موقع پر کسی نے پوچھا کہ عشق کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ آج،کل اور پرسوں میں تجھ کو معلوم ہو جائے گا۔

حضرت امام شبلی پاس سے گزرے ان کے ہاتھ میں ایک پھول تھا انہوں نے اسے منصور پر پھینکا۔آپ نے فوراً آہ بھری۔

شبلی کہنے لگے۔لوگوں نے تم پر پتھر برسائے،جلاد نے کوڑے مارے مگر تم نے اف نہ کی لیکن میں نے تو بس پھول پھینکا ہے اس پر تم آہیں کھینچنے لگے۔

آپ نے فرمایا وہ لوگ تو میرے باطن سے آشنا نہیں۔تم تو آگاہ تھے۔تمہارے پھول نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے۔

آپ کو سولی گلے میں پھندا ڈال کر نہیں دی گئی۔پہلے آپ کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے۔آپ نے خون آلود بازو اٹھائے خون منہ پر ملا پھر پاؤں پر ملا۔فرمایا میں نے نماز عشق ادا کرنے کے لئے وضو کر لیا ہے۔

اب دونوں پاؤں کاٹ دیئے گئے۔پھر آنکھیں نکالی دی گئیں۔پھر زبان کاٹ دی۔پھر سر قلم کر دیا گیا۔دوسرے دن ان کی لاش کو جلا دیا گیا اور تیسرے دن ان کی خاک کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
ترے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

تذکرۃ الاولیا

از فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

دَرس

حضرت خواجہ سیف الدین قدس سرہٗ حضرت خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقٰی کے پانچویں فرزند اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ آپ کی ولادت با سعادت 1049ھ میں ہوئی اور بعض کے نزدیک 1055ھ میں آپ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری معنوی واتباع سنت کے جامع تھے۔ آپ کے والد ماجد پر انکشاف ہوا کہ آپ بڑے ارفع مقام والے بزرگ ہوں گے، لہٰذا آپ کی علو استعداد کے پیش نظر ہر وقت آپ پر خاص توجہ اور نظر عنائت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عین شباب میں اپنے والد بزرگوار سے تمام کمالات مجددی کے حصول کی بشارت پائی۔

جب سلطان وقت اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے التجا کی کہ اپنا کوئی خلیفہ میری ہدایت وتوجہ کے لئے روانہ فرمائیں تو آپ نے اسی صاحبزادے کو بھیجا تھا۔

آپ جب بادشاہ کے ہاں پہنچے تو اس (اورنگ زیب عالمگیر) نے پرتپاک استقبال کیا اور بڑے اعزاز واکرام سے ان کو شہر میں لایا اور قلعہ میں لے گیا۔ جب آپ قلعہ کے دروازے پر پہنچے تو دو ہاتھیوں کی مورتیاں دیکھیں جن پر فیلیان سوار تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تب تک داخل نہیں ہوں گا۔ جب تک یہ مورتیاں نہ توڑی جائیں۔ چنانچہ اورنگ کے حکم سے وہ ہاتھی اور ان کے فیلیان توڑ دیئے گئے۔ علاوہ ازیں محل کے گویئے اور بے ریش ناچنے والے لڑکے سب کو چھٹی کروا دی اور حیات بخش باغ کے تالاب کی سونے کی مچھلیوں کو بھی تڑوا دیا گیا جن کی آنکھوں میں جواہرات جڑے تھے۔

گویا کہ آپ نے بادشاہ کے ہاں جس بدعت کو دیکھا اسے ختم کروادیا۔

آپ بڑے شب زندہ درد بزرگ تھے۔ دادا جان کے مزار اقدس پر اکثر جا کر مراقب ہوتے۔ متبع سنت تھے، اکثر درود پاک کا ورد رہتا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ ظہر وعصر کے درمیان مستورات کو جمع کر کے حدیث پاک کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ درس دیتے دیتے خاموش ہو گئے۔ درس روک دیا، فرمایا آج کے بعد محمد اعظم درس دیا کریں گے۔ محمد اعظم آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ گھر گئے اور صاحب

Marfat.com

فراش ہو گئے۔

آپ کے علاج کے لئے ایک طبیب بلایا گیا لیکن وہ طبیب بدعقیدہ تھا۔ اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے علاج سے مجھے اس کی سب باتوں پر یقین کرنا ہوگا۔ یہ کس قدر بری بات ہے کہ آخر وقت میں میں ایک بدعقیدہ شخص کی باتوں پر عمل کروں۔

چنانچہ اس طبیب کو نکال دیا گیا۔ بیماری کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔ کوئی دوائی استعمال نہیں کی کہ اب دوائی کی ضرورت نہیں ہے۔ بس رخصت کا وقت ہے، آج گئے یا کل گئے۔

اس حالت میں بھی آپ باوضو رہے۔ اوراد و وظائف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر اچانک 19 جمادی الاوّل کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔
علامہ محمد نور بخش توکلی

حضرت مجدد الف ثانی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہ کے اجداد میں سے پندرھویں جد محترم شیخ شہاب الدین ملک فرخ شاہ سلاطین کابل کے بڑے امراو زراء سے تھے۔ آپ پہلے مسلمان رہبر ہیں جنہوں نے غزنی و کابل سے ہندوستان میں آ کر دین اسلام کو رواج دیا۔ ہندوستان میں آنے والے بزرگ کا نام امام رفیع الدین تھا جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ انہی بزرگ محترم نے سرہند شریف کی بنیاد رکھی۔ حضرت مجدد الف ثانی انہی کی اولاد امجاد میں سے تھے۔

آپ 14 شوال 971ھ میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبدالاحد تھا۔ آپ کا نام احمد رکھا گیا۔ آپ نے سترہ سال کی عمر میں ظاہری علوم کی تحصیل سے فراغت پائی اور درس و تدریس کو اختیار کیا۔ سینکڑوں طلبائے علوم آپ کی برکات سے بہرہ ور ہونے لگے۔ 1008ھ میں جب آپ حج کے ارادے سے نکلے تو حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی اور نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے اور پھر بڑی جلدی مرشد نے خرقہ خلافت

Marfat.com

سے سرفراز فرمایا اور آپ نے وہ عروج حاصل کیا کہ مرشد بھی آپ پر نازاں ہونے لگے۔

27 رمضان 1010ھ میں آپ کو اللہ کی طرف سے خلعت قیومیت عطا ہوا اور اس کے ایک سال کے بعد حضرت شاہ سکندر قادری کھیتلی جو کہ حضرت شاہ کمال کھیتلی کے پوتے تھے خود تشریف لائے اور خرقہ حضرت غوث الاعظم جوان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آ رہا تھا حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پیش کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیا کو آخرت میں بدل دیا۔ یعنی دنیا کی لذات سے آپ بے نیاز ہو گئے۔ دنیا کی تکالیف آپ کے لئے بے معنی ہو گئیں اور دنیا کے نفعے آپ کے لئے بے حقیقت بن گئے اور آپ مقام رضا پر فائز ہو گئے اور آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ جس جنازے پر آپ حاضر ہوں گے وہ میت بخش دی جائے گی۔ آپ کا احترام لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہونے لگا لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ امرا بھی آپ سے بیعت ہونے لگے۔ اکبر کے دین الٰہی کی کھل کر مخالفت ہونے لگی آخر اکبر بادشاہ مر گیا اور جہانگیر تخت پر بیٹھا۔

جہانگیر کے حواریوں نے حضرت مجدد الف ثانی کے مریدین کے ہجوم بے کراں کو تخت شاہی کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہوئے بادشاہ کی توجہ اس طرف دلائی۔ بادشاہ نے حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) کو لے کر میرے پاس آئے۔

حضرت مجدد الف ثانی جب بادشاہ کے دربار میں تشریف لائے تو انہوں نے بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہیں کیا۔ درباری دیکھ کر حیران ہوئے۔ بادشاہ نے خلاف عادت آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم پوچھا گیا کہ دربار میں آنے والے مجھے سجدہ تعظیمی کرتے ہیں مگر آپ نے مجھے سجدہ نہیں کیا اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سجدہ صرف خدا کی ذات کے لئے ہے۔ قبل اس کے کہ بادشاہ کے تیور بدلیں امرا نے عرض کیا حضور! حجت کی خاطر تھوڑا سا سر جھکا دیں مگر آپ نے ایسا بھی نہیں کیا۔ فرمایا انسان کی گردن انسان کے آگے جھکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر ایسے انسان کے آگے جو خدا کا روپ دھار لے۔ پھر کیا تھا بادشاہ غصے سے بھر گیا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر کے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا جائے۔

اس قید پر اراکین سلطنت میں سخت بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ خانخاناں خان اعظم سید صدر جہاں، اسلام خان، مہابت خان، مرتضیٰ خان، تربیت خان، خان جہان لودھی، سکندر خان، حیات

Marfat.com

خان، اور دریا خان، وغیرہ جو حضرت کے مرید تھے سب بغاوت پر اتر آئے مگر حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے انہیں تسلی دی اور خطوط کے ذریعے بغاوت سے روک دیا اور پھر ایام اسیری میں بھی آپ کی تبلیغ سے بہت سے کفار بھی مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں کو داخل طریقہ فرما کر آپ نے درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔

دوران اسیری آپ نے ایک بار بھی بادشاہ کے لئے بد عا نہیں فرمائی بلکہ آپ خوش تھے کہ جتنے لوگ اس قید کے بہانے مشرف باسلام ہوئے ہیں شاید اس کے بغیر نہ ہوتے۔ آخر دو سال کے بعد بادشاہ نے آپ کو رہا کیا اور معذرت خواہ ہوا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہندیں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اس اللہ کے بندے کا وقت آخر آیا تو تنہائی پسند ہو گئے۔ ایک روز حرم سرا کی دہلیز پر لیٹے تھے۔ فرمایا اس سرما جو دو مہینے کے بعد آئے گا ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شائد آپ خلوت ناز میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ وہاں بھی نہیں اور نہ ان گھروں میں سے کسی گھر میں۔ عرض کیا پھر کس جگہ؟ فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔ ماہ ذی الحجہ کے وسط میں عارضہ ضیق النفس (دمہ) نے غلبہ پایا۔ طبیعت بے حد بے چین اور نڈھال ہونے لگی۔ یہ بے چینی دمے کی نسبت شوق وصل الٰہ سے زیادہ تھی۔ صدقہ خیرات خوب فرمایا 12 محرم 1034ھ کو فرمایا۔ مجھے بتایا گیا ہے چالیس پچاس دن کے بعد باری ہے اور میری قبر بھی مجھے دکھا دی گئی ہے۔ 23 صفر 1034ھ کو بروز پنجشنبہ درویشوں میں کپڑے تقسیم کئے۔ بے پناہ ضعف کے باوجود عبادت و ریاضت میں فرق نہ آیا۔ ذکر اور شغل مراقبہ برابر رہا، باجماعت نماز ادا کرتے رہے، روز وصال خدام سے فرمایا تم نے میری بڑی خدمت کی ہے آپ کی تکلیف کا مجھے احساس ہے۔ صرف ایک رات اور تکلیف برداشت کر لو کل تمہاری خلاصی ہو جائے گی۔ رات کے آخری حصے میں وضو فرمایا تہجد پڑھی فجر کی نماز باجماعت پڑھی مراقبہ فرمایا پھر اشراق پڑھی، پیشاب کی حاجت ہوئی تھال لایا گیا۔ فرمایا اس میں ریت نہیں ہے۔ اس میں ریت ڈالو کہیں چھینٹے جسم اور کپڑوں کو پلید نہ

Marfat.com

کر دیں۔ پھر وضو کیا..... کہا اب تو وضو سے ہوں، پھر فرش پر لیٹ گئے کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور ذکر کرتے کرتے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از محمد نور بخش توکلی

خلوت

حضرت شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے فرزند تھے جن کا لقب عروۃ الوثقیٰ تھا۔ آپ 2 شوال 1009ھ میں پیدا ہوئے ابھی آپ کی عمر مبارک صرف تین سال کی تھی کہ توحید وجودی کی باتیں ہونے لگیں اور یوں کہنے لگے کہ میں آسمان ہوں، میں زمین ہوں، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں۔ دیوار حق ہے۔

آپ نے ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور سولہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل کر لئے۔ پندرہ سال کی عمر میں ذکر اور مراقبہ کا طریقہ اپنے والد ماجد سے سیکھ کر طریقہ مجددیہ کے رواج اور اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ بادشاہ اورنگ زیب آپ کا بھی مرید تھا۔

آپ کو آخری عمر میں جوڑوں کا درد رہنے لگا۔ علاج ہوتا رہا مگر افاقہ نہ ہوا جبکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

آپ کو شاید اپنی وفات کا علم ہو گیا تھا کہ وفات سے تین ماہ قبل قرب و جوار کے بزرگوں کو اس مضمون کے خطوط لکھے کہ وقت رحلت آ گیا ہے دعا فرمائیں کہ خاتمہ بالخیر ہو اور پھر وفات سے صرف ایک روز پیشتر جمعہ کے دن آپ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ امید نہیں کہ کل اس وقت تک دنیا میں رہوں اور پھر پند و نصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق کی نماز پڑھی اس کے بعد سکرات موت آپ پر شروع ہو گئیں اس وقت آپ کی زبان جلدی جلدی چل رہی تھی کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ سورہ یاسین شریف تلاوت کر رہے ہیں۔ چنانچہ بروز ہفتہ دو پہر کے وقت 9 ربیع الاول 1079ھ میں وصال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

صوفیائے نقشبند

از: حکیم سید امین الدین

Marfat.com

تمنائے شہادت

مرزا مظہر جانجاں سادات علوی خاندان سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب امیر کمال الدین سے ملتا ہے اور امیر کمال الدین کا نسب محمد بن حنفیہ کی وساطت سے حضرت علی کرم اللہ وتعالیٰ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کی جدہ بزرگوار کے باطن کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ جمادات کی تسبیح سن لیا کرتی تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عفیفہ' خداترس اور پارسا تھیں اور جود وسخا میں بینظیر تھیں۔

آپ 11 رمضان 1111ھ میں پیدا ہوئے۔ اورنگزیب نے اپنے منصب دار کے اس بیٹے کا نام یہ خیال کرتے ہوئے کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ جان جان رکھ دیا لیکن عوام میں جانجاناں کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تخلص مظہر اور لقب شمس الدین حبیب اللہ ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم بمعہ تجوید وقرات قاری عبدالرسول شاگرد شیخ القرن شیخ عبدالخالق شوقی سے حاصل کی آپ نے معقول ومنقول کی کتابیں علمائے وقت سے پڑھیں۔

آپ نے فن سپاہ گری میں ایسا کمال حاصل کیا کہ آپ کہا کرتے تھے کہ اگر بیس آدمی تلواروں سے مسلح ہوں اور مجھ پر حملہ کردیں جبکہ میرے ہاتھ میں صرف ایک لاٹھی ہو تو ایک آدمی بھی مجھے زخمی نہ کرسکے گا۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک بار بادلوں کی تاریکی میں نماز مغرب میں سلام پھیرتے ہی ایک شخص نے ان پر حملہ کردیا پھر جب بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہوئی تو انہوں نے اس کا خنجر چھین لیا پھر اس پر وار کئے اور خنجر اسے واپس کردیا اور اسے حملہ کرنے کا موقعہ دیا پھر اس سے خنجر چھینا دوبارہ اس پر وار کئے پھر خنجر اسے واپس کردیا۔ اسی طرح سات بار ایسا ہوا پھر حملہ آور قدموں پر گر گیا۔

اٹھارہ سال کی عمر میں آپ حضرت خواجہ نور محمد بدایونی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ انہوں نے بڑی جلدی اعلیٰ فیضان کے ساتھ مزین کردیا۔ 4 سال کے بعد خرقہ خلافت واجازت سے سرفراز ہوگئے اور تجلیات مسمی اسم الباطن تک ترقی کر گئے لیکن حضرت سید صاحب نے بار بار آپ سے فرمایا کہ کمالات الٰہی کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ مرشد کی اجازت سے آپ شاہ گلشن رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شیخ محمد عبدالاحد کے خلیفہ تھے۔ شاہ موصوف نے فرمایا کہ تم کو مسیح زمانہ بننا ہے۔ میں آداب طریقہ کا چنداں پابند نہیں ہوں کبھی سماع سنتا ہوں اور کبھی نماز

Marfat.com

بے جماعت پڑھتا ہوں تم کسی اور جگہ جاؤ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھ کر حضرت خواجہ محمد زبیر قیوم کی خدمت میں پہنچے۔ خواجہ موصوف نے بکمال توجہ آپ کی طرف نظر عنایت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جو اداب ظاہر اور انوار باطن سے آراستہ ہوں۔ فرمایا تم ہمارے ہی ہو مگر ہمارے طریقہ میں صحبت شرط ہے۔ تمہارا مکان دور ہے تم روزانہ یہاں نہیں آ سکتے۔ تمہیں حضرت سید صاحب حضرت خواجہ نور محمد بدایونی سے جو نسبت ملی ہے اس کی حفاظت کرنا چاہئے اور یہی کافی ہے۔

بہر حال آپ اب حضرت حاجی محمد افضل کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے حضرت حجتہ اللہ نقشبند سے اکتساب فیض کیا تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ تم نے سلوک بر سبیل بصیرت کیا ہے اور تمہیں کشف مقامات بھی حاصل ہے اور یہی کشف وعلم و مقامات نہیں اس لئے تم کو کوئی اور بزرگ تلاش کرنا چاہئے اگر چہ آپ نے ان کی توجہ سے استفادہ نہیں کیا لیکن سبق حدیث کے ضمن میں ان سے باطنی فیض حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت حافظ سعد اللہ کی خدمت میں تشریف لے گئے جو حضرت محمد صدیق بن خواجہ محمد معصوم خلیفہ اول تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے استخارہ کیا جس میں اجازت کا حکم ہوا۔

چنانچہ آپ بارہ سال تک حضرت کی خدمت میں رہے اور بہت سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ یہاں سے تکمیل کے بعد آپ شیخ الشیوخ شیخ محمد عابد سنامی خلیفہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کی توجہات سے آپ نے کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ وغیرہ کی سات سال میں تکمیل کی۔ بعد ازاں حضرت شیخ نے ایک سال میں دوبارہ ابتدا سے انتہا تک بطریق سیر مرادی تمام مقامات پر عبور کرایا۔

اتنے بزرگان کاملین سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ کی نسبت باطنی میں اس قدر طول وعرض پیدا ہو گیا کہ نظر کشفی اس سے قاصر ہے اور تملیک مقامات طریقہ میں وہ قوت حاصل ہوئی جس کا اظہار مشکل ہے۔ آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری کی اجازت حاصل تھی۔ حضرت شیخ محمد عابد قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ مسند خلافت پر بیٹھے تو آپ کا زہد و توکل اس درجہ کا تھا کہ دنیادار اور اہل اللہ کی قطعاً پرواہ نہ کرتے تھے اور دنیاداروں کے ہدیئے قبول نہ کرتے تھے۔ ایک بار محمد شاہ بادشاہ نے اپنے وزیر قمر الدین کی زبانی کہلا بھیجا کہ

Marfat.com

باری تعالیٰ نے ہم کو ملک عطا فرمایا ہے جس قدر مزاج مبارک میں آئے بطور ہدیہ قبول فرمائیں جواباً فرمایا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل متاع الدنیا قلیل

جب اللہ تعالیٰ نے ہفت اقلیم کی متاع کو قلیل فرمایا ہے اور تمہارے پاس اس متاع کا ساتواں حصہ اقلیم ہندوستان ہے تو اس سے میں کیا قبول کروں۔ نواب نظام الملک نے ایک بار تیس ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کئے مگر آپ نے قبول نہیں فرمائے۔ نواب حیران ہوا۔ کہنے لگا اگر آپ نے ہدیہ قبول نہیں کرنا تو اپنے ہاتھ سے غریبوں میں بانٹ دیں۔ فرمایا میں تمہارا خانساماں نہیں ہوں۔ خود تقسیم کردو۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی عمر جب 80 سال کی ہوئی تو آپ پر رفیق اعلیٰ کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے اپنے خلیفہ ملا نسیم کو اس کے وطن کی طرف رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اس کے بعد ہماری تمہاری ملاقات نہیں ہوگی۔ یہ سن کر آپ کے خدام بہت روئے۔ ایک روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے فقیر کے دل میں کوئی آرزو نہیں چھوڑی جو حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس قادر مطلق نے فقیر کو اسلام حقیقی سے مشرف کیا۔ علم سے حصہ وافر دیا۔ نیک عمل پر استقامت بخشی۔ لوازم طریق۔ یعنی کشف و تصرف و کرامت عنایت کئے۔ صالحین کو کسب فیوض کیلئے بندہ کے پاس بھیجا اور ان کو مقامات طریقہ پر پہنچا کر اپنے رستہ کی ہدایت کیلئے مقرر کیا۔ دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ رکھا اور دل میں ماسوا کی گنجائش نہ چھوڑی۔ اب سوائے شہادت ظاہری کے کوئی آرزو باقی نہیں۔ فقیر کے اکثر بزرگ شہید ہوئے ہیں۔ گو فقیر نہایت کمزور وضعیف ہے اور قوت جہاد نہیں رکھتا۔ بظاہر اس مرتبہ کا حصول مشکل ہے۔ اس شخص سے تعجب ہے جو موت کو دوست نہیں رکھتا۔ موت ہی بقائے الٰہی کا باعث ہے۔ موت ہی جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کی زیارت کا سبب ہے۔ موت ہی انبیاء کرام کا دیدار کرا دیتی ہے۔ موت ہی عزیزوں سے ملا دیتی ہے۔ فقیر اکابر دین کی ارواح طیبہ کا مشتاق ہے اور نہایت آرزومند ہے کہ دیدار مصطفیٰ و خلیل خدا علیہما الصلوٰات والتسلیمات سے مشرف ہو جائے اور امیر المومنین صدیق اکبر و امام حسن مجتبیٰ و سید الطائفہ حضرت جنید و حضرت خواجہ نقشبند و حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت سے فیض یاب ہو جائے۔ فقیر کو ان اکابر سے خاص محبت ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو بھی پوری کر دی اور درجہ شہادت پر پہنچایا اور اس ظاہری شہادت سے باطنی شہادت یعنی مرتبہ فنا فی اللہ کے ساتھ جمع کر کے درجات قرب الٰہی پر پہنچ گئے۔

اس شہادت کی تفصیل یوں ہے:

آپ کی وفات نہایت افسوسناک طریقہ سے ہوئی۔ جب آپ کی عمر 80 سال ہوئی تو 1195ھ کا عشرہ محرم تھا۔ تعزیئے نکل رہے تھے کہ مرزا صاحب اپنے کوٹھے پر بیٹھے ان کی سیر کر رہے تھے کہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ بارہ سو برس کے بعد اس قدر شور وغل اور ماتم کرنا اور کاغذ اور بانس کے ڈھانچوں کا اس قدر ادب واحترام کرنا خلاف عقل ہے۔

یہ جملہ تعزیہ لے جانے والوں نے سن لیا اور وہ برسر پرکاش ہو گئے۔ نویں تاریخ کی رات دو آدمی مرزا صاحب کے مکان پر وارد ہوئے اور آواز دی۔

خادم نے عرض کیا کچھ لوگ آپ سے ملنے کو حاضر ہوئے ہیں۔

فرمایا آنے دو۔

تین آدمی داخل ہوئے جن میں ایک ولائیت زادہ مغل تھا۔ حضرت خواب گاہ سے نکل کر ان کے پاس کھڑے ہوئے۔ مغل نے پوچھا کیا مرزا جانجاں تم ہو؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں

دوسرے آدمی نے کہا۔ مرزا جانجاں یہی ہیں۔

بس اس بدبخت نے آپ پر گولی چلا دی۔ جو آپ کے بائیں پہلو پر لگی اور آپ ضعف و ناتوانی کے باعث زمین پر آ گرے۔

لوگوں کو خبر ہو گئی۔ جراح کو بلایا۔ صبح کو شاہی وزیر نجف خان نے ایک فرنگی جراح کو بھیجا اور کہا کہ قاتل معلوم نہیں ہو سکا اگر معلوم ہو گیا تو قصاص جاری کیا جائے گا۔

فرمایا ارادہ الٰہی میں اگر شفا ہے تو بہر صورت ہو جائے گی۔ اگر قاتل معلوم ہو جائے تو میں نے معاف کر دیا ہے تم بھی معاف کر دینا۔

تین دن کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ تذکروں میں ہے کہ آپ شہادت کی موت مانگا کرتے تھے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

صوفیائے نقشبند

از: سید امین الدین

Marfat.com

دسترخوان

حضرت سیدی مولہ جرجان کے فقرا میں سے تھے۔آپ نے مختلف بزرگوں سے فیض پایا۔ آخر آپ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔آپ نے دہلی میں قیام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو باباجی نے فرمایا:

آپ چاہتے ہیں دہلی میں جا کر خلق سے ربط پیدا کریں اور اپنے آستانے کو لوگوں کا ملجا بنائیں نیز فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کریں۔آپ کا ارادہ اچھا ہے مگر ایک نصیحت ضرور کروں گا کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے تعلقات اور میل جول پیدا نہ کرنا اوروں سے تعلقات بڑھانے سے پرہیز کرنا کیونکہ امیروں سے تعلقات پیدا کرنے میں درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ نقصان پہنچا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی ہماری موت کا سبب بنتی ہے۔

باباجی سے نصیحت پا کر آپ دہلی میں تشریف لے آئے۔یہاں ایک شاندار اور عظیم الشان خانقاہ تعمیر کی اور ضرورت مندوں اور فقیروں کی روٹی کپڑے سے مدد کرنے لگے۔مسافر اور غریب روزانہ ان کی خانقاہ میں آتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے۔

سیدی مولہ کا دستور تھا کہ وہ جمعہ کی نماز کیلئے مسجد میں جاتے تھے۔مگر دوسری نمازیں اپنے گھر میں تنہا ادا کیا کرتے تھے۔وہ اولیا اللہ اور مشائخ کی طرح نماز با جماعت کی پابندی نہ کرتے تھے لیکن ریاضت اور مجاہدہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ایک چادر کے علاوہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔غذا کے معاملے میں بہت سادہ تھے۔ان کی خانقاہ میں اگرچہ ہر طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن خود ان کا یہ عالم تھا کہ چاول کی روٹی کو پانی میں تر کر کے کھاتے تھے۔خدمت کیلئے کوئی لونڈی یا منکوحہ عورت گھر میں نہ تھی۔وہ کبھی خواہشات نفسانی کو ابھرنے نہ دیتے تھے۔کبھی کسی سے نذرانہ قبول نہ کرتے تھے لیکن خیرات اور صدقات خوب جی کھول کر کیا کرتے تھے۔سیدی مولہ کے روزانہ اخراجات دیکھ کر اہل دہلی کو شک گذرنے لگا کہ وہ کوئی کیمیا گر ہیں۔

غیاث الدین بلبن کے بعد کیقباد کی حکمرانی کا دور آیا تو یہ ایک طرح سے بے خبری اور غفلت کا دور تھا۔سیدی مولہ کے اخراجات میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا۔صدقات بھی وہ پہلے

Marfat.com

سے کہیں زیادہ دینے لگے۔ان ایام میں سیدی مولہ نے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت کوفراموش کر دیااور امرااور دیگر بڑے بڑے لوگوں سے گہرے مراسم پیدا کر لئے۔

اس زمانے میں ان کی بخشش اور جودوسخا کی یہ کیفیت تھی کہ شہر کے شرفا اور مشاہیر کوایک ایک ملاقات میں دو دو، تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دیدیے تھے۔دستر خوان کی وسعت بھی اپنا جواب آپ تھی۔ان کے گھر میں امرااور نوابین کیلئے ہر وقت اعلیٰ اعلیٰ کھانے اور نفیس شربت وغیرہ موجود رہتے تھے۔اس دستر خوان کی وسعت کے سامنے بادشاہی دستر خوان ماند نظر آتا تھا۔اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک ایک دن میں ایک ہزار من میدہ، چالیس من شکر، چالیس من گڑ، پانچ سو من گوشت اور کئی من گھی ان کے باورچی خانے میں صرف ہوتا تھا۔ان کا یہ عام قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ دینا ہوتا تو اسے یہ کہتے تھے کہ فلاں بوریئے یا فلاں پتھر کو اٹھاؤ اور اس کے نیچے اتنی چاندی، سونا یا اشرفیاں ہیں۔وہ تم لے لو۔

جب اس بوریئے یا پتھر کو اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے وہی کچھ نکلتا تھا جو حضرت سیدی مولہ کے منہ سے نکلا ہوتا تھا۔ان روپوں یا اشرفیوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی ٹکسال سے ڈھل کر آئی ہیں۔

جب جلال الدین خلجی تخت شاہی پر رونق افروز ہوا تو سیدی مولہ کی خانقاہ میں عوام کا ہجوم زیادہ ہوگیا۔بادشاہ کا بڑا بیٹا خانخاناں ان کا بے حد معتقد تھا یہاں تک کہ اس نے سیدی مولہ کو منہ بولا باپ بنالیا اور ہر روز ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔خانخاناں کے علاوہ دوسرے امرااور معززین بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے دستر خوان سے ایسی ایسی نعمتیں کھاتے جو ان کے اپنے گھروں میں بھی نصیب نہ ہوتی تھیں۔

جب ملک الامرا ملک فخرالدین کوتوال کا انتقال ہوا تو مرحوم کے تمام متعلقین نے سیدی مولہ کی خانقاہ میں پناہ لی۔یہ تمام لوگ سیدی مولہ کے باورچی خانہ سے کھانے اور ان کی عام بخشش کے مطابق بوریوں اور پتھروں کے نیچے سے چاندی، سونے اور اشرفیوں کے ڈھیر حاصل کر کے عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتے۔

سیدی مولہ کے پاس یہ دولت کے انبار کہاں سے آتے کچھ پتہ نہیں چل سکا۔بادشاہ کے خفیہ نویس روزانہ اس دولت کے آنے کے ذرائع تلاش کرتے رہے مگر ناکام رہے۔

Marfat.com

آخر سیدی مولہ کے دل میں ایک فتنہ انگیز اور فسادی امیر قاضی جلال الدین کاشانی نے بادشاہت حاصل کرنے کی خواہش پیدا کی اور سیدی مولہ نے اس نہج پر کام کرنا شروع کر دیا۔

سیدی مولہ نے پوشیدہ طور پر اپنے ہر مرید کو خطابات اور مناصب سے نوازنا شروع کر دیا اور بادشاہت کو حاصل کرنے کیلئے یہ طے پایا کہ سید صاحب کے دو نمایاں مرید برنجن کوتوال اور نتھائی پہلوان جمعہ کے روز بادشاہ کی سواری تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیں اور سیدی مولہ کے دس ہزار مرید اسی وقت ان سے بیعت کر کے ان کی بادشاہت کو تسلیم کریں۔

مگر یہ سازش وقت سے پہلے بے نقاب ہو گئی بادشاہ نے سیدی مولہ کو کوشک محل کے قریب طلب کیا اور سازش کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ سیدی مولہ بادشاہ کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

بادشاہ نے جو جو سوال سیدی مولہ سے کئے انہوں نے ان کے جواب بڑی جرات مندی اور دلیری سے دیئے۔ قانون اور شرع کے اعتبار سے ان پر سازش کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔ وہ ہر حال میں انہیں مروا دینا چاہتا تھا۔

کہنے لگا سید صاحب! کیا یہ ملکی بدامنی تمہاری وجہ سے نہیں ہے؟

آپ نے فرمایا ملک کی بدامنی کے ذمہ دار خود بادشاہ ہوتے ہیں۔

بادشاہ کو یہ جواب بڑا ناروا لگا۔ اس نے سنجری نام کے ایک مرد کو اشارہ کیا وہ سید صاحب پر جھپٹا اور استرے اور سوئے سے انہیں زخمی زخمی کر دیا۔

آپ نے فرمایا مجھے مرنے کا کوئی غم نہیں لیکن تم یہ یاد رکھو میرا لہو ایک نہ ایک دن رنگ لائے گا۔ اس کا وبال تم پر اور تمہاری اولاد پر پڑے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ درویشوں کو تنگ کرنا اچھا نہیں ہے۔

ادھر بادشاہ کا بیٹا ارکھی خان کھڑا تھا اس نے ایک مست ہاتھی سیدی مولہ پر چھوڑ دیا۔ اس دیو پیکر جانور نے آناً فاناً سیدی مولہ کو کچل کر رکھ دیا۔

علامہ ضیاالدین برنی نے لکھا ہے کہ سیدی مولہ کے قتل کے بعد دہلی میں اسی دن زبردست سیاہ آندھی اٹھی جس سے سارا شہر تاریکی میں ڈوب گیا۔ شہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ جب آندھی رکی تو دریائے جمنا میں بہت سی لاشیں بہتی ہوئی دیکھی گئیں۔

تاریخ فرشتہ

از: محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

وصیت

مولانا فیض الحسن سہارنپوری پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے سب سے پہلے صدر شعبہ عربی تھے۔ پاک بھارت نے ایسا امام الادب آج تک پیدا نہیں کیا۔ آپ محلہ شاہ ولایت سہارنپور (یو۔پی۔ بھارت) کے رہنے والے تھے۔ ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ علم دوست گھرانہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کے خانہ ان کے ہر فرد کو خلیفہ کہتے تھے۔ آپ نہایت سادگی پسند تھے۔ معمولی قسم کا لباس پہنتے تھے۔ اپنی لیاقت اور واقفیتِ عوام خواہ مخواہ کسی پر نہ جتاتے تھے۔ ابتدائے ہوش سے نماز و روزہ کے پابند تھے۔ احباب و رشتہ داروں سے ملتے تو ایک ایک کی خیریت دریافت کرتے کبھی کسی کا دل نہ دکھایا۔ لقمہ حلال کمانے اور کھانے کی ہمیشہ فکر کی۔

بصیرت اور بصارت کمال درجے کی تھی۔ ان کی موت کا واقعہ پڑھ کے گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتے تھے اور ان کی باتیں سمجھ لیا کرتے تھے۔ یہ 6 فروری 1887ء کی بات ہے جب آپ کی عمر 72 سال کے لگ بھگ تھی۔ باہر سے تشریف لائے۔ مولوی ظہور الدین سہارنپوری جو سہارنپور سے یہاں پڑھنے کیلئے آئے ہوئے تھے سے فرمایا:

لے ظہور بھائی۔ یہ تالیاں ہیں۔ یہ رشید کی ماں کو دیدینا۔ اس صندوق میں روپے ہیں۔ ضرورت پڑی تو ان کو خرچ کرنا اور مجھے ہڑوار (خاندان) کے ساتھ دفن کرنا اور دیکھو فلاں کام اس طرح کرنا اور فلاں کام اس طرح' اور میں لیٹتا ہوں میری ٹانگیں دبا دو۔

مولوی ظہور الدین نے حیران ہو کر پوچھا مولانا آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔

آپ نے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں سب کام ہوشیاری سے کرنا۔ اور میری ذرا ٹانگیں دبا دو۔

یہ کہہ کر مولانا سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئے مولوی ظہور الدین ٹانگیں دبانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب کو شک ہوا۔ دیکھا تو آپ زندگی سے رشتہ توڑ کر موت کی وادیوں میں جا چکے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا کی وصیت کے مطابق ان کا تابوت ریل کے ذریعہ سہارنپور بھیج دیا گیا۔ کئی سٹیشنوں

Marfat.com

پر نماز جنازہ ہوئی۔ سہارنپور میں انہیں آباؤ اجداد کے قبرستان درہ آلی میں سپرد خاک کیا گیا۔

تذکرہ علما اہل سنت و جماعت

علامہ احمد اقبال فاروقی (ایم اے)

بارانِ رحمت

اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ شرقپوری سرکار چودھویں صدی ہجری کے ایسے پاکباز بزرگ اور مرد کامل ہیں جن کے تصرفات کی مثالیں خال خال بزرگوں میں ملتی ہیں۔ آپ کے فیوضات کا اثر آپ کی ولادت باسعادت سے قبل ہی محسوس کیا جانے لگا جو آپ کی رحلت فرما جانے کے بعد اب تک بھی قائم ہے۔

آپ کی ولادت شرقپور شریف میں 1282ھ میں میاں عزیز الدین کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے پڑنانا بابا جی غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ وقت کے کامل ولی تھے۔ حضرت میاں صاحب کی ولادت پر آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔ آپ نے نومولود کو دیکھا تو فرمایا: یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور باکمال ہوگا۔ اور پھر اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دی جسے اس نومولود نے خوب چوسا۔ یعنی حضرت بابا جی سے فیض حاصل کیا۔

بابا جی نے مزید فرمایا کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کی بشارت میرے والد بزرگوار کو غار میں مکتف ولی اللہ نے دی تھی۔ پھر بابا جی نے ہی آپ کا نام شیر محمد رکھا۔

آپ نے اتباع سنت اور تبلیغ دین میں واقعتہً ایک شیر کی جرات کے ساتھ کام کیا ہے۔ بڑے بڑے فخر و وقار والے آپ کے پاس آتے تو دم بخود ہو جایا کرتے تھے۔ آپ آنے والوں کے دلوں کی باتوں سے آگاہ ہو جایا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کا اگر مطالعہ کریں تو بچپن کے دنوں میں بھی ان سے بچوں والی حرکات دکھائی نہ دیں گی اور نہ ہی جوانی کے دنوں میں جوانوں والی شوخیاں دکھائی دیتی ہیں۔ آپ فی الواقعہ مادرزاد ولی تھے۔ شرقپور کو شرقپور شریف آپ کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ آپ کا وجود مسعود پوری بستی کے لئے ایک رحمت تھا۔

حضرت میاں صاحب قبلہ کی زندگی تمام تر اتباع شریعت اور سنت کی پیروی میں گزری۔

Marfat.com

آپ کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' کھانا پینا اور سونا جاگنا شرع شریعت کے عین مطابق تھا۔ آپ کے معمولات زندگی پر اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا غلبہ تھا کہ آپ کا تمدن اور طرز زندگی کی بود و باش میں بھی محمدی رنگ دکھائی دیتا تھا۔

آپ کی زندگی عبادت و ریاضت سے مزین رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نحیف الجثہ تھے۔ عمر کے آخری دور میں آپ بیمار رہنے لگے تاہم ریاضت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اس عمل میں مزید اضافہ فرمایا۔ فرمایا کرتے تھے اب خالق کے پاس جانے کے دن آ گئے ہیں۔ قبرستان میں مزار اقدس کے لئے جگہ کا انتخاب فرما لیا۔ ایک دن گھر میں فرمایا اب میں ڈوہراں والے (قبرستان کا نام) میں جانا چاہتا ہوں۔ اپنے برادر اصغر حضرت میاں غلام اللہ صاحب سے فرمایا میرے بھائی! گھبرانا نہیں ہے۔ مہمانوں کی خدمت کرنا' جمعہ کی نماز خود پڑھانا' جمعہ کے علاوہ دوسری نمازیں بھی مسجد میں جا کر پڑھانا۔

حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب کیلانوی نے جب یہ صورت حال دیکھی تو رونے اور تڑپنے لگے۔ حضرت صاحب نے انہیں فرمایا آپ گھر چلے جائیں۔ مگر وہ رستے سے واپس آ جاتے۔ آخر آپ نے فرمایا آپ کو ضرور کیلیانوالہ میں جانا چاہئے۔ جب آپ واپس آئیں گے تو لاہور میں آ کر وہ خبر سن لو گے جس کے تم منتظر ہو۔ مگر یہ صدمہ تمہیں برداشت کرنا ہو گا اس کے لئے دل مضبوط کرنا ہو گا۔

شاہ صاحب چلے گئے مگر رات گزار کر واپس آ گئے۔ آپ لاہور میں تھے کہ میاں صاحب کے وصال کی خبر سن لی۔ سخت بے چین ہوئے۔

میاں صاحب کا وصال اگست کے مہینے میں ہوا۔ گرمی بہت زیادہ تھی۔ بارش کئی ماہ سے نہیں ہوئی تھی۔ گرمی اور تپش سے لوگ تڑپ رہے تھے۔ مگر آپ کے وصال کی خبر ہلکے ہلکے ٹھنڈے جھونکے دور و نزدیک لے گئے۔ پھر بادل گھر آئے۔ رحمت خداوندی کا نزول شروع ہو گیا۔ جنازہ جا رہا تھا تو ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ پھر کھل کے بارش ہوئی اور موسم خوشگوار ہو گیا۔

میاں صاحب کا وصال 3 ربیع الاول 1347ھ بروز پیر کو ہوا جبکہ عیسوی سن کے اعتبار سے یہ تاریخ 20 اگست 1928ء تھی۔

حدیث دلبراں
از حاجی فضل احمد سونگا

Marfat.com

تیاری

شرقپور شریف میں ایک بزرگ میاں روشن دین رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جن کی وفات بیسویں صدی کی ابتدائی چوتھائی میں ہوئی۔ آپ صاحب کمال صاحب حال اور صاحب دل بزرگ تھے گھر کے نان ونفقہ کے لئے کھیتی باڑی کے شعبے کے ساتھ ساتھ جلد سازی کا کام کرتے تھے۔ جلد سازی کے پیشہ میں قرآن مجید کی جلدیں بنایا کرتے تھے۔

ہمیشہ باوضو رہتے۔ زبان پر درود پاک کا ذکر رہتا تھا۔ سدا سچی بات کرتے تھے۔ فرمایا کرتے اگر درود پاک کا ذکر کرنے والا بھی سچ نہ بولے تو دورد پاک کے ثمرات سے محروم رہ سکتا ہے۔

ایک دن جلد سازی کا کام کرتے کرتے فوراً اٹھے سارا سامان سنبھالا دھلے ہوئے صاف کپڑے اٹھائے اور دربار حضرت ہرنی شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ والی کھوئی پر تشریف لے گئے اور غسل خانے کی ہودی میں پانی کے ڈول کنوئیں سے کھینچ کھینچ کر ڈالنے لگے اور زبان سے بار بار یہ فرما رہے تھے۔

روشن دین جلدی نہالے اس کے گھر میں پاک صاف ہو کے جانا چاہئے۔ صابن بھی لگا، تیل بھی لگا، خوشبو بھی لگا، صاف کپڑے بھی پہن۔ آخر تو نے اس پاک رہنے والے گھر میں ہی جانا ہے۔ سب لوگ وہاں اچھے لباس میں ہوں گے تو بھی اپنا اچھا لباس پہن لے۔ بس جلدی کر بہت تھوڑا وقت جانے میں رہ گیا ہے۔

میاں روشن دین کا ایک بے تکلف عقیدت مند مہر بخش ماشکی اچانک مشک بھرنے کو آ گیا۔ اس نے دیکھا یہاں روشن دین خود سے باتیں کر رہے ہیں اور بس بار بار یہی کہہ رہے ہیں روشن دین جلدی نہالے۔

مہر بخش کہنے لگا، آج میاں روشن دین نے نہا کر کہاں جانا ہے۔ کیا کوئی شادی کا پیغام آیا ہوا ہے؟ فرمایا ہاں مہر بخش! جہاں مجھے جانا ہے وہاں شادی کا سماں ہی ہوگا۔

مہر بخش نے کہا آخر میاں روشن دین نے کس کی شادی پر اور کہاں جانا ہے؟

بس مہر بخش تھوڑی دیر کے بعد تو خود سن لے گا۔ مہر بخش نے کہا۔ کیا مہر بخش بھی آپ کے

Marfat.com

ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جائے۔میاں صاحب نے فرمایانہیں مہر بخش آج مجھے اکیلے ہی جانا ہے۔

حضرت صاحب نہائے کپڑے پہنے اور گھر میں تشریف لائے۔اپنی بہو سے کہا بیٹی! میں نے تجھے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔مگر بیٹی کیا خبر بے دھیانی میں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو جو تجھے ناگوار گزری ہو۔خدا کے لئے مجھے ایسی بات کی ناگواری معاف کر دے۔

بہو نے عرض کیا میاں جی! آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

فرمایا بیٹی میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہا ہوں۔آج کی مانگی ہوئی معافی کل کو میرے کام آئے گی۔بس خدا کے لئے میری ہر زیادتی میری کوئی ناروا بات جو تجھ پر گراں گزری ہو معاف کر دے۔

بہو نے عرض کیا میاں جی! میں آپ سے ہمیشہ خوش رہی ہوں۔مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے پھر بھی اگر آپ کے نزدیک کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے تو میں معاف کرتی ہوں۔

فرمایا مہربانی اللہ آپ کو خوش رکھے۔

اب آپ چارپائی پر لیٹ گئے بہو سے فرمایا کوئی پاکیزہ چادر مجھ پر ڈال دو۔

بہو حکم بجالائی۔یہ بھی فرمایا کہ میرے بیٹے نیک محمد کو جلد بلاؤ انہیں بتایا گیا کہ وہ کوٹ محمود ابھی گئے ہیں۔آپ نے فرمایا انہیں پیغام بھیجو کہ سارے کام چھوڑ کے جلدی چلا آئے، کہیں اسے پچھتاوا نہ لگ جائے۔

ایک آدمی بھاگا بھاگا کوٹ محمود گیا اور میاں نیک محمد صاحب کو بلا لایا۔میاں روشن دین بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوئے.....فرمایا" بیٹا اپنی ساری ذمہ داری سنبھالو اور معاملات زندگی میں ایک ذمہ دار فرد بن کر رہنا۔آج کے بعد گھر کی ہر ایک چیز تمہاری ہے۔اب میں کسی بگڑے سنورنے کے بارے میں آپ سے کچھ نہ کہہ سکوں گا۔پھر چادر کھینچی اور لیٹ گئے۔اسی وقت آپ نے کلمہ پڑھا اور اپنی زبان اور آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ بزرگ حضرت میاں نیک محمد رحمۃ اللہ کے والد ماجد اور حضرت میاں نور محمد نصرت نوشاہی کے دادا جان تھے۔

(راوی نصرت نوشاہی صاحب)

Marfat.com

درود پاک کی برکت

حضرت شیخ مسعود زوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ شیخ الحدیث دیو بند علامہ محمد انور کشمیری اس خاندان سے ہیں۔ آپ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہم مکتب تو ہیں مگر ہم درس نہیں کیونکہ جب وہ داخل ہوئے تو ان بزرگوں کو دستار فضیلت ملی تھی۔ انہیں بزرگوں کی اولاد میں سے حضرت پیر سید عبدالغفار شاہ کاشمیری تھے۔

آپ کشمیری النسل تھے۔ سادہ لباس' کشمیری ٹوپی' لمبا پیرہن اور تہمد پر مشتمل ہوتا تھا۔ اہل اللہ سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ اکثر حضرت داتا گنج بخش یا حضرت میاں میر اور یا حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہم کے مزارات پر ایک گوشہ میں بیٹھ کر مراقب رہتے۔

آپ بڑے عالم باعمل اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں' ملنے والوں اور شاگردوں کو بھی عاشقان رسول ﷺ بنانے کی کوشش کی۔ آپ درود پاک کے بہت سے مجموعے چھاپ کر لوگوں میں مفت تقسیم کرتے رہتے۔ آپ کی مسجد سے درود و سلام کی وجد آفرین آوازیں رشک عرش بن جاتیں۔ پتھر سے پتھر دل بھی وہاں آ کر رام ہو جاتے۔ آپ کا یہ خلوص تھا یا درود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز کہ بدعقیدہ لوگ آپ کی مسجد میں یکسوئی کی دولت حاصل کرتے اور ذہنی کجی بھول جاتے۔

آپ بڑے متوکل اور بابرکت بزرگ تھے۔ ساری زندگی کسی امیر کے دروازے پر نہیں گئے اور لاہور بھر کے علماء آپ کے دروازے سے دور نہیں رہ پائے۔ کبھی دست سوال دراز نہیں کیا اور زندگی بھر کسی کا دست تمنا خالی نہیں لوٹایا۔

آپ کا دستر خوان دوست دشمن' فقیر مرید' مسافر' یتیم سب کیلئے یکساں کشادہ تھا۔ درود و سلام آپ کی غذا اور دوا تھی۔ صبح و شام یہی وظیفہ اور یہی معمول تھا۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زندگی میں باتیں کم کیں اور درود پاک زیادہ پڑھا۔ جو بڑی سعادت ہے۔ آپ نے خزائن البرکات لکھی۔ جو قلمی خزینہ ہے۔ جس میں آپ نے درود پاک معہ اسناد و اجازت جمع کئے ہیں۔ یہ مخطوطے چار ضخیم جلدوں میں ہیں اور بڑی تقطیع کے ایک ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ جو چودہ سال کی محنت شاقہ سے لکھے گئے ہیں۔

جب پیر صاحب حضرت سید عبدالغفار شاہ کشمیری کی وفات ہوئی تو آپ کے پہلے عرس پر سید انور شاہ کشمیری بھی شریک ہوئے۔ چونکہ آپ دیو بندی مکتب فکر کے بڑے قریب تھے۔ لاہور کے عوام کا خیال تھا کہ آپ نعرہ یا رسول اللہ کہنے کے منکر ہیں لیکن یہاں تو نعرہ ہائے یا رسول اللہ بلند ہو رہے تھے۔

جب آپ (محمد انور شاہ کشمیری) نے خطاب فرمایا تو کہا۔ لاہور والو! میرا عقیدہ نہ پرکھو میں تو اس زمین سے تعلق رکھتا ہوں جہاں کی قبریں بھی یا رسول اللہ کہتی ہیں۔ اس بات پر ایک وہابی خطیب مولوی عبدالواحد خطیب مسجد چینیانوالی نے کہا کہ پیر عبدالغفار کی موت سے جو بدعت ختم ہوئی تھی انور شاہ کشمیری نے اسے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔

بہر حال اس عاشق رسول ﷺ کی وفات کا ذکر سنیں۔ آپ کی وفات 17 جمادی الآخر 1340ھ کو ہوئی۔ آپ عشا کی نماز کا وضو فرما رہے تھے۔ صرف دایاں پاؤں دھونے پائے تھے کہ ایک طرف کو لڑھک گئے۔ چارپائی پر لٹایا۔ آپ کے ایک مخلص دوست ڈاکٹر محمد الدین نے معائنہ کیا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں کہ پیر صاحب کی روح تو قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

آپ کی وفات سے لاہور ایک روحانی عاشق رسول ﷺ عابد شب زندہ دار اور سنی عالم دین سے محروم ہو گیا۔

آپ کو اولاً تکیہ سادھواں میں دفن کیا گیا اور تیرہ سال کے بعد 1935 میں قبرستان میانی صاحب میں منتقل کیا گیا۔ تیرہ سال کے بعد بھی آپ کا جسم اطہر ویسے کا ویسا ہی دیکھا گیا۔

تذکر علماء اہل سنت و جماعت

از علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے

مسکراہٹیں

حضرت مولانا نور بخش توکلی رحمتہ اللہ علیہ 1877ء میں چک قاضیاں ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جہانخیلاں شریف کے ارادت مند تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو بچپن سے ہی بزرگان دین سے عقیدت تھی۔ آپ نے عربی میں ایم۔اے کیا۔ جس کی وجہ

Marfat.com

سے عربی ادب میں آپ کا عمیق مطالعہ تھا۔ شعبہ تعلیم سے وابستہ رہے اور حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اس نسبت سے آپ توکلی کہلاتے ہیں۔ مرشد کی خاص نگاہ سے آپ پر انوار و فیضان کے دروازے کھل گئے۔

آپ نے سیرت رسول عربی نہایت عقیدت' محبت اور عشق میں ڈوب کے لکھی۔ چودھری سلیمان ایڈووکیٹ کے ایک مضمون کے مطابق مولانا الحاج عبدالحمید لدھیانوی نے خواب میں دیکھا کہ سیرت رسول عربی اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند آ گئی ہے۔

آپ بڑے عاشق رسول ﷺ تھے۔ بس یہی دعا کرتے کہ اے باری تعالیٰ مجھے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنانے کی توفیق دیجئے اور مجھے چلتے پھرتے اپنے پاس بلا لیجئے۔ چارپائی کی بے بس زندگی سے مجھے بچایئے۔

اللہ نے اپنے بندے کی یہ بات مان لی۔ آپ لائل پور (فیصل آباد) میں قیام پذیر تھے کہ مکان کی سیڑھی سے پاؤں پھسلا اور گر پڑے۔ شدید چوٹیں اور زخم آئے۔ اتنے شدید کہ موت نے زندگی چھین لی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

وفات 24 مارچ 1948ء آپ کی تجہیز و تکفین کے وقت آپ کے چہرے پر مسکراہٹیں تھیں۔

تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت
علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے

افتخارِ مومن

یوں تو ہر شخص کا مقصد حیات یہی ہے کہ وہ اس بات کو ذہن میں رکھے کہ

وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی میرا جینا اور مرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔

مگر جن مخصوص لوگوں ان یاس مقصد حیات کو پورے خلوص کے ساتھ اپنے تن من کے رگ و ریشہ میں زندگی بھر بسائے رکھا ان میں ایک نام ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمتہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

علیہ کا بھی ہے۔ان کے مرنے کے اسی احساس نے ان کی زندگی کو محترم اور پر کشش بنادیا۔

آپ اسلامی سوچ رکھنے کے باعث مفکر اسلام بنے۔قرآنی ادراک رکھنے کے باعث مفسر قرآن کہلائے اور پوری ملت اسلامیہ کا احساس وردر کھنے کی وجہ سے نباض عصر کہلائے۔ظلمت و گمراہی کے دھندلکوں میں الجھی ہوئی نسل نو کے لیے صراط مستقیم کو روشن ومنور کرنے والی ضیاء کے باعث ضیاء الامت کے لقب سے ملقب ہوئے۔

آپ 21 رمضان المبارک 1336ھ بمطابق یکم جولائی 1918ء شب دوشنبہ بعد نماز تراویح بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔آپ کا نام محمد کرم شاہ رکھا گیا۔آپ نے 1925ء میں تعلیم کا آغاز کیا جو 1945ء تک جاری رہا۔یہ عرصہ سکول اور کالج کی تعلیم کا تھا اس کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور جامعتہ الازہر مصر تک پہنچے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جو قلم 1925ء میں الف۔ب لکھنے کے لیے پکڑا اسے ہمیشہ کے لیے پکڑے رکھا۔اور دم واپسیں تک اس کی سیاہی خشک نہ ہونے دی۔یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر ضیاء القرآن (مکمل 5 مبسوط جلدیں) اور ضیاء النبی (مکمل 7 مبسوط جلدیں) لکھ کر علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور بے شمار مستند علمی شخصیات آپ کو ایک عظیم علمی شخصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئیں۔اور وہ کہنے لگے کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ کے سر میں دماغ عالمانہ ہے۔سینے میں دل صوفیانہ ہے اور ہاتھ میں قلم ادیبانہ ہے۔ان کا اسلوب تصنیف محققانہ ہے ان کا طرز زیست قلندرانہ ہے اور انداز نگارش ساحرانہ ہے۔

آپ تصوف کی دنیا میں آئے اور طریقت کا سجادہ سنبھالا تو کسی بھی لمحے تصوف کی پاکیزہ رداء کو داغدار نہیں ہونے دیا۔رزق حلال اور صدق مقال سے علاقہ رکھا۔اور مخلوق خدا کی خدمت کرنے کا مشغلہ آپ کے بہترین مشاغل میں شامل تھا۔

اس راہ میں اسوۂ رسول ﷺ کو اپنانا اور عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر زندگی گزارنا اختیار کیا۔

آپ زندگی کی بے شمار سہولتوں سے بہرہ ور تھے۔دنیا والے لوگ ایسی سہولتوں کے ہوتے ہوئے غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں وہ لوگ ان آسائشوں سے لطف اٹھانے کے لیے لمبی زندگی کی خواہش کرتے ہیں۔مگر حضرت پیر کرم شاہ فرمایا کرتے تھے:۔

Marfat.com

''میری زندگی کا لمحہ لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی میں گزرا۔ میری کوئی آرزو تشنہ تکمیل نہیں رہی میرا کوئی خواب ادھورا نہیں رہا ہے۔ رب نے میری ہمت اور میری صلاحیتوں سے کئی گنا زیادہ کام مجھ سے لیا ہے۔ میرے مولا نے مجھے وہ نعمتیں اور سعادتیں عطا فرمائی ہیں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ اب میرا خالق جس وقت بھی مجھے اپنے پاس بلائے میں اس کی تقدیر پر راضی ہوں۔ کیونکہ اب میرے دل میں کوئی حسرت اور ارمان نہیں ہے۔''

ایسے الفاظ کسی عام آدمی کے منہ سے نہیں نکلتے۔ تاکید و توفیق الٰہی پر سپاس گزاری کے جذابات کا اس انداز میں اظہار کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اگر کوئی شخص موت کے سفر پر جانے کا اظہار کرتا بھی ہے تو وہ اظہار وقتی ہوتا ہے۔ مگر پیر صاحب نے اپنے خالق کی ایسی آواز پر ہر وقت کان لگائے بیٹھے تھے وہ کبھی بھی موت کو نہیں بھولے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ زندگی کا سفر بھی جاری رکھا۔ یہاں تک کہ یہ مسافر اپنی زندگی کے 80 سال اپنے ماضی کے سپرد کر بیٹھا۔ اب شاید یہ مسافر تھک گیا تھا یا ذیابیطس کا عارضہ جیت گیا تھا۔ آپ لاٹھی کے سہارے سے چلنے لگے۔ مگر دل میں کہتے اے میرے اللہ! میں تو صرف تیرا سہارا چاہتا تھا۔ یہ مخلوق (لاٹھی) کا سہارا کیوں؟

اب آپ تنہائی پسند ہو گئے۔ بس تلاوت قرآن مجید کرتے رہتے عام لوگوں سے عام گفتگو کا سلسلہ نہایت کم ہو گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اپنے رب قدوس کے جلوؤں میں اس انداز سے مستغرق ہوئے کہ پورے ماحول سے لاتعلق دکھائی دینے لگے۔ پرانے خادموں سے بھی اجنبیت کا اظہار ہونے لگا۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود نماز کے لیے اصرار بڑھ گیا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فرماتے آیئے اللہ جل شانہ کی بارگاہ کی حاضری دیں۔

اس دوران میں جو بھی آپ کے پاس خیریت دریافت کرنے آتا اسے فرماتے بس میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ پھر اچانک فالج کا حملہ ہو گیا۔ اور ساتھ ہی ضیق النفس (دمہ) کی شکایت بھی ہو گئی۔ زکام اور نزلہ بھی حاضر خدمت ہو گیا۔ بلغم نے سانس کی نالیوں اور پھیپھڑوں کو متاثر کیا۔ جس کے باعث آپ چارپائی کے لیے وقف ہو گئے۔ آپ کو اسلام آباد کمپلیکس میں لے جایا گیا اب آپ کا زیادہ وقت غشی اور عالم سکر میں گزرا۔

جب ہوش میں آتے تو صدقہ و خیرات کی تلقین فرماتے۔ نہ جانے کتنے غربا و یتامیٰ نے ان صدقات سے فائدہ اٹھایا بلکہ جو حاجت مند آیا اسے اس کی توقع سے بڑھ کر دیا گیا۔ ایک بار

Marfat.com

آپ حالت سکر میں تھے کہ کسی نے یہ شعر پڑھا۔

عید گاہ ما غریباں کوئے تو

انبساط عید دیدن روئے تو

تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ ماحول کا جائزہ لیا کمرہ میں تمام موجود لوگوں کو متبسم نگاہوں سے خوش آمدید کہا۔ مگر عید الاضحیٰ سے ایک دن قبل 9 ذوالحجہ 1418ھ بمطابق 7 اپریل 1998ء بروز منگل کی رات بوقت 9 بج کر 25 منٹ پر آپ نے آنکھیں کھولیں۔ صاحبزادوں اور خادموں کو دیکھا پھر اچانک آپ کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا۔ آنکھوں میں انتہائی تیز چمک تھی۔ اور ہونٹوں پر تبسم رقص کناں تھا۔ یہ منظر صرف 2 منٹ تک دیکھا جاسکا کہ اچانک 9 بج کر 27 منٹ پر آپ زندگی سے روٹھ گئے اور کم وبیش 80 سال سے پیچھا کرنے والی موت نے زندگی کو شکست دے کر ایک صالح مرد قلندر کی جان چھین کر جان کے مالک کے حضور پیش کر دی۔ خدام رو رہے تھے۔ مگر آپ کے چہرے پر تبسم تھا۔ شائد زبان حال سے فرما رہے تھے کہ میں تو امانت کو اسکے مالک کے سپرد کر کے آج سرخرو ہو رہا ہوں تم کیوں روتے ہو۔

نشان مرد مومن باتو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

پیر صاحب کے وصال کی خبر پھولوں کی خوشبو بن کر ملک کے گوشے گوشے تک پھیل گئی۔ اپریل کے مہینے کی تپش جانوں کو پگھلا رہی تھی۔ مگر جونہی حضور ضیاء الامت کا وصال ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی۔ آپ کا جنازہ بھیرہ شریف لایا گیا۔ اور رفتہ رفتہ بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ جس سے موسم بڑا خوشگوار ہو گیا۔ یہ رحمت باراں بھی تھی اور بادلوں کی اشکباری بھی جو اس مرد کامل کے سوگ میں گریہ کناں تھے۔ 10 اپریل کو آپ کو بھیرہ شریف میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔

استفادہ

ضیائے حرم۔ ضیاء الامت

اپریل۔ مئی 1999ء

Marfat.com

بردرِ مجبوراں

Marfat.com

محل

سلطان غیاث الدین تغلق تخت پر بیٹھا تو اس نے تمام مخالفین کو موت کے تختے پر چڑھا دیا۔ اپنی خوش انتظامی سے زندگی کی نئی لہر دوڑا دی اور عوام کے دلوں میں عزت کی جگہ پیدا کر لی۔ یہ بہت ہی خدا ترس، نیک اور پرہیز گار تھا۔ سنجیدگی، حلم اور بردباری اس کی طبیعت کے نمایاں جوہر تھے۔ عقل و فہم اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قوانین مذہب کی پابندی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز با جماعت پڑھتا تھا۔ ملکی انتظام میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ دیوان عام میں بیٹھ کر رعایا کے حالات سنتا تھا۔ ان کی معاشی بدحالی کی طرف توجہ کرتا تھا اور ان کی معاشی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ عام بادشاہوں کی طرح مسند نشینی کا قائل نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو رعایا کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا تھا۔ اس کے بڑے بیٹے کا نام جونا خان تھا۔ جسے الغ خان کا خطاب دیا اور اپنا ولی عہد مقرر کیا مگر بادشاہ غیاث الدین تغلق صرف 5 سال حکومت کر سکا۔ 724ھ میں جب اس نے لکھنوتی پر حملہ کیا تو اپنے پیچھے دہلی میں اپنا قائم مقام الغ خان کو بنایا۔

اگر چہ الغ خان کے لئے یہ عارضی حکمرانی تھی مگر تخت حکومت پر بیٹھتے ہی حکومت کا نشہ آ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اپنے باپ کو تخت پر نہیں بیٹھنے دے گا۔ جب غیاث الدین تغلق قلعہ ترہٹ کی فتح کے بعد واپس دہلی آ رہا تھا تو افغان پور کے قریب الغ خان نے لکڑی کا ایک محل صرف تین دن میں بنوایا۔ اس نے یہاں بادشاہ کے رات بھر قیام کرنے کا انتظام کیا۔

جب بادشاہ افغان پور کے قریب پہنچا تو نئی عمارت کے بنوانے کا سبب پوچھا۔

بیٹے نے کہا۔ دہلی میں استقبال کے انتظامات مکمل ہونے میں دیر لگے گی۔ لہٰذا آپ رات بھر یہاں قیام کریں گے۔

بادشاہ بیٹے کی خوشی کی غرض سے محل میں مقیم ہو گیا۔ بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ کھانے کا دستر خوان بچھایا گیا۔ ابھی لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ محل کی چھت اچانک گر گئی اور بادشاہ اور اس کے مصاحبین نیچے دب کر مر گئے۔

یہ محل گر گیا یا گرا دیا گیا یہ ایک معمہ ہے۔ جس کے متعلق مورخین کی مختلف آرا ہیں۔

1۔ چونکہ قلیل مدت میں محل اسی غرض سے بنایا گیا تھا کہ بادشاہ ہلاک ہو سکے۔

Marfat.com

2۔ جب بادشاہ کھانا کھانے لگا تو چھت پر ہاتھی چڑھائے گئے جن کے بوجھ سے محل کی چھت گر گئی۔

3۔طوفان بادو باراں آیا کہ محل زمین بوس ہو گیا۔

بعض مورخین بیٹے کو باپ کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور بعض اسے بری کرتے ہیں۔

تاریخ فرشتہ

ازمحمد قاسم فرشتہ

قاتل

تلنگانہ کے تخت پر سلطان قلی بیٹھا وہ 918ھ میں قطب شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔اس نے کم وبیش 33 سال تک کامیاب حکومت کی۔اس کا بڑا بیٹا جمشید شاہ ایک عرصے سے حکومت کی آس لگائے بیٹھا تھا کہ کب اس کا باپ مرے اور وہ بادشاہ بنے مگر بادشاہ کو اللہ نے ایک طویل زندگی عطا کی تھی۔اب جمشید کے سر کے بال سفید ہونے لگے۔اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔اس نے ایک ترکی غلام سے ساز باز کی کہ وہ بادشاہ کی زندگی کو موت میں بدل دے۔پھر اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ترکی غلام نے وعدہ کر لیا۔

ایک دن 950ھ میں دریا کے کنارے بادشاہ جواہرات کا صندوق سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ وہ جواہرات کو نکال نکال کر دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا کہ اس ترکی غلام نے بادشاہ کے پیچھے آ کر تلوار سے اس پر حملہ کر دیا۔

بادشاہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ تلوار کے کاری زخموں نے اسے زمین پر گرا دیا۔اس نے ہائے تک بھی نہ کی اور ٹھنڈا ہو گیا۔جمشید بھی اس محفل میں باپ کے پاس بیٹھا تھا۔اس نے افشائے راز کے خوف سے قاتل کو اسی وقت موت کے گھاٹ اتار دیا۔یوں وہ ترکی غلام بغیر انعام وصول کئے موت کی تاریک وادیوں میں کھو گیا۔

بادشاہ مر گیا۔مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ نیا بننے والا بادشاہ اپنے باپ کا قاتل ہے۔

تاریخ فرشتہ ازمحمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

داماد

جلال الدین خلجی ہندوستان میں خلجی خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ جب 1290ء میں تخت دہلی پر بیٹھا تو اس کی عمر 70 سال تھی۔ وہ فطرتاً رحم دل تھا۔ دوسروں پر اعتماد کر لیتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد میں بغاوتیں ہوئیں۔

علاؤالدین خلجی اس کا بھتیجا اور داماد تھا۔ جلال الدین اسے بیٹوں کی طرح چاہتا تھا۔ فوجوں کی کمان اس کے سپرد تھی۔ ایک بار علاؤالدین خلجی اور اس کی بیوی میں کسی معاملہ میں تلخی ہوگئی۔ بیوی نے طیش میں آ کر کہا کہ تمہیں جو یہ مرتبہ ملا ہے وہ میرے ہی باپ کی وجہ سے ہے۔

یہ بات علاؤالدین خلجی کو کھا گئی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ دہلی کے تخت پر خود بادشاہ بن کے بیٹھے گا۔ اس کی خاطر خواہ اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔

جب علاؤالدین کو دکن کی مہم پر بھیجا گیا جہاں اب تک کوئی افغان نہیں گیا تھا تو یہ بندیا چل پہاڑی آٹھ سو میل کا سفر طے کر کے 8 ہزار جوانوں کی سپاہ کے ساتھ دیوگری میں پہنچا جسے اب دولت آباد کہتے ہیں اور جو مرہٹہ دیس کے راجہ رام دیو کا پایہ تخت تھا۔ علاؤالدین کی سپاہ کے سامنے جو بھی راجہ ہوتا یہ اسے کہتا کہ میرا چچا جلال الدین مجھے مارنے کے درپے ہے میں اس سے جان بچا کر ادھر بھاگ آیا ہوں لہٰذا کسی بھی راجہ نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ اس طرح بے خبری میں اس نے دیوگری کو آن دبایا۔

دیوگری کا راجہ رام دیو سہم گیا اس نے ہاتھ باندھ کر اطاعت قبول کر لی اور 7 من موتی و جواہرات اور 50 من سونا اس صلح کے بدلہ میں دینا منظور کیا۔ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ راجہ کا بیٹا شنکر دیو آ گیا اس نے صلح نامہ کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کرنے پر تیار ہو گیا۔ جس میں شنکر کو شکست ہوئی۔ چنانچہ مزید مال وزر دے کر صلح کی۔ اس فتح اور مال وزر کی اطلاع جب جلال الدین تک پہنچی تو بڑا خوش ہوا مگر اسے کیا خبر کہ اس خوشی کے ساتھ اس کی موت بھی ہمسفر ہے۔

علاؤالدین کے واپس دہلی آنے کی خبر جلال الدین تک پہنچی تو شہر کے باہر اس کے استقبال کا انتظام کیا گیا۔ شامیانے لگے ہوئے تھے۔ امرا اور وزرا بیٹھے تھے۔ جونہی جلال الدین نے علاؤ الدین کو دیکھا وہ جوش مسرت سے تنہا اس کے استقبال کو آگے بڑھا۔ اس نے محبت سے داماد کا ماتھا

Marfat.com

چوم لیا۔

مگر اسے کیا خبر آج اس کا بھتیجا بیٹا بن کے نہیں بلکہ ایک قاتل بن کے آیا ہے۔ جونہی جلال الدین اس سے بغل گیر ہوا علاؤ الدین نے تیز خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ خون کا فوارا چھوٹا اور بوڑھا بادشاہ گرتے ہی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ وہ دیوگری سے جس قدر مال لایا تھا وہ سب اوروں کو دے دلا دیا تا کہ جلال الدین کے قتل کا ماجرا بھول جائیں۔ واہ رے تخت و بادشاہت کی ہوس کہ بھتیجے اور داماد کا خون سفید ہو گیا۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

شکار

جہانگیر بادشاہ کو شکار کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے جگہ جگہ شکارگاہیں بنائی ہوئی تھیں اور پھر ان شکارگاہوں کے قریب ان لوگوں کے لئے بستیاں آباد کی ہوئی تھیں جو اس کے شکار کھیلنے میں مدد کرتے تھے۔ جیسا کہ مانکنا نوالہ (شیخوپورہ) کے قریب سلیم پور بستی۔

جہانگیر بادشاہ اس وقت دکن میں تھا جبکہ اس نے ایک دن شکار کھیلنے کا پروگرام بنایا۔ گھوڑوں پر زینیں کس دی گئیں، بادشاہ کے ساتھیوں نے تیر کمان اور بندوقیں سنبھال لیں کہ بادشاہ اچانک ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

خانخاناں آگے بڑھا۔ جھک کر سلام کیا۔ عرض کیا حضور! روانگی کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ خدام آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔

مگر بادشاہ چپ تھا۔ اس کے چہرے پر قدرے اداسی تھی۔ خانخاناں نے پھر عرض کیا حضور! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے چہرے پر کی بشاشت مفقود ہے۔

بادشاہ نے کہا ہاں خانخاناں مجھے خیال آ رہا ہے کہ آج (22 ذی قعدہ 1018ھ) منگل کا دن ہے۔ سنا گیا ہے منگل کا دن منحوس ہوتا ہے۔ شاید اس دن کی نحوست ہمیں شکار سے پورا لطف نہ اٹھانے دے۔

خانخاناں نے کہا ہاں ہمارے بزرگ ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ اس دن

Marfat.com

بھی کاروبار حیات اسی مصروفیت اور لگن کے ساتھ ہوتا رہتا ہے جیسا کہ دوسرے دنوں میں۔ جو اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ یہ محض لوگوں کا واہمہ ہے۔ ویسے بھی شہنشاہ معظم نے آج تک جو فیصلہ کیا ہے اسے پورے عزم کے ساتھ پورا کیا ہے۔ اور اگر طبیعت ناساز ہے تو شکار کا پروگرام ملتوی کر دیتے ہیں۔ اگر اجازت دیں تو گھوڑوں کی زینیں اتروا دوں۔

نہیں کسی ہوئی زینوں کو اتارنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ بادشاہ نے کہا۔

پھر بڑی جلدی بادشاہ کے ہمراہ ایک شکاری لشکر جنگل کو چل دیا۔ شکاریوں کی باتوں اور اٹھنے والے گردوغبار نے جنگلی مخلوق کو متنبہ کر دیا۔ نرم اور سبز گھاس چرنے والے ہرن اور نیل گائیں چوکنی ہو گئیں۔ ایک نیل گائے دور بے دھیانی کے عالم میں کھڑی تھی۔ جہانگیر نے اسے دیکھا۔ وہ دور سے اسے اپنی گولی کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ جونہی اس کی زد میں آئی ہوئی نیل گائے پر بادشاہ گولی چلانے والا تھا کہ اس کا اپنا ایک سائیس اور تین کہاروں کی آہٹ پا کر نیل گائے بدک کر بھاگ گئی۔

نیل گائے تو بچ گئی مگر یہ لوگ بادشاہ کے زیر عتاب آ گئے۔ بادشاہ غصے سے لال پیلا تھا۔ وہ چلایا کہ ان سب کو پکڑ کر میرے سامنے لایا جائے۔

وہ بیچارے کانپتے ہوئے آئے۔

بادشاہ نے غضبناک ہوتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے میرے شکار کو بھگا دیا ہے۔ تمہارا اس طرف کیا کام تھا۔ تم ادھر کیوں آئے۔ تم سب واجب التعذیر ہو۔

وہ چپ تھے۔ وہ یہ تک بھی نہ بول سکے کہ انہیں بادشاہ نے خود ہی اس جانب بھیجا تھا وہیں قتل گاہ بن گئی اور سائیس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا جبکہ تینوں کہاروں کے پاؤں کاٹ کر انہیں گدھوں پر بٹھا دیا گیا اور لشکر میں گھما گھما کر خوب تشہیر کی گئی۔

ادھر بادشاہ کا یہ سلوک اپنوں کے ساتھ تھا اور یہ بھی اس بنا پر کہ ان کے اچانک ادھر آ جانے سے اس کے ہاتھ میں آیا ہوا شکار نکل گیا تھا۔

اور دوسری طرف رعایا سے یہ سلوک کہ بادشاہ جس رستے سے آیا اور گیا تھا اس رستے کی فصلیں تباہ ہو گئیں تھیں۔ بیچارے کسان سر پکڑے اپنی قسمت کو رو رہے تھے۔

بادشاہ نے علی اکبر کے ذریعے سے بعوض نقصان 1000 روپے ادا کر دیئے مگر جن بچوں کی

Marfat.com

متاع مقتول (والد) یا اپاہج (کہاروں) لٹ گئی انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔

توزک جہانگیری

بادشاہ جہانگیر کے خودنوشت حالات

قتل عام

ولیم سوم 1689ء میں انگلستان کے تخت پر بیٹھا جسے سکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے تو بادشاہ تسلیم کرلیا مگر شمالی سکاٹ لینڈ کے پہاڑی قبیلوں نے اسے اپنا بادشادہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

ولیم سوم نے ان قبائل کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر بھیجا جنگ ہوئی جس میں سکاٹ لینڈ والے کامیاب رہے کہ اچانک ان قبائل کا سردار وائی کونٹ ڈنڈی مرگیا۔اب ان قبائل کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔جس کے نتیجے میں ولیم سوم کی فوجیں فاتح کہلائیں۔

ملک میں امن وامان قائم کرنے کیلئے ولیم نے اعلان کیا کہ یکم جنوری 1692ء سے پہلے پہلے جولوگ حلف وفاداری اٹھائیں گے ان کیلئے امان ہے۔

اس اعلان کی تعمیل میں تاریخ مذکورہ سے پہلے باقی تمام قبلیوں کے سرداروں نے تو اطاعت قبول کرلی اور حلف وفاداری اٹھالیا لیکن ایک سردار میکلن جو گلینگو کے میکڈانلڈ قبیلے کا سردار تھا کسی حادثے کی وجہ سے دیر سے پہنچا اور تاریخ مقررہ کے اندر اندر اپنی وفاداری کا اعلان نہ کرسکا۔

سکاٹ لینڈ کے وزیر نے اپنی ذاتی رنجش کی بناء پر اس کی مجبوری کو سرکشی کی صورت میں ظاہر کیا اور ولیم سوم کے روبرو غلط واقعات پیش کر کے قبیلہ مذکورہ کو ملیا میٹ کردینے کی اجازت حاصل کرلی اور پھر اس کام کیلئے ان کے بڑے پرانے دشمن قبیلے کیمپبل کو مقرر کردیا۔

قبیلہ کیمپبل کا سردار جب اپنے قبیلے کے جوانوں کو لے کر میکڈانلڈ قبیلے کے ہاں پہنچا تو چونکہ وہ اپنی دانست میں بادشاہ کی اطاعت قبول کرچکے تھے اس لئے انہوں نے اس فوجی دستے کو شاہی لشکر سمجھا انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوب دل کھول کر خاطر تواضع کی لیکن کیمپبل قبیلے کے لوگوں نے دھوکہ دیا اور رات کے وقت جب ان کے میزبان بے فکر سو رہے تھے تو اچانک حملہ کر کے سب کو نہایت بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ قتل کردیا اس واقعہ کو گلینگو کا قتل عام کہتے ہیں۔

ماڈل تاریخ انگلستان

میاں عبدالحکیم بی اے بی ٹی

Marfat.com

سازش

کیپٹن جیمز کک سمندروں کی سیاحت کا شہنشاہ تھا۔صرف ایک سمندر کی سیاحت نہیں کی بلکہ ساتوں سمندروں کے پانیوں پر اس کے جہاز چل چکے تھے۔لوگ زمین و آسمان کے ملنے کی جگہ کو افق کہتے ہیں مگر کک سمندر کے پانی اور آسمان کے ملنے کو افق کہتا تھا۔اس نے ہمیشہ ان چٹانوں تک جانے کی کوشش کی جو حد نگاہ سے بھی پرے سمندر کی سر ٹکرانے والی موجوں کا مقابلہ کرتی رہتی تھیں۔

جیمز کک 1728ء میں پیدا ہوا۔اور صرف تیرہ سال کی عمر میں جہاز کے عرشہ میں کیبن بوائے کی حیثیت میں ملازم ہو گیا۔اس جہاز کا نام آزاد محبت FREE LOVE تھا۔اس کے ذریعے زیادہ تر کوئلہ لے جایا جاتا تھا۔

اس ملازمت میں اس نے بڑی حد تک نظم و ضبط شائستگی اور دیانت داری سیکھی۔جو بعد میں اس کی زندگی کی نمایاں خصوصیت بن کر ظاہر ہوئی۔انہیں خصوصیات کی بنا پر اس کی ترقیوں کا زمانہ جلدی شروع ہو گیا وہ کیبن بوائے سے مددگار بنا۔پھر میٹ بنا،اور پھر ماسٹر بن گیا۔اب اس نے اپنے میں وہ صفت پیدا کی جو کامیاب لوگوں کی ترقیوں کا پہلا زینہ ہوتا ہے یعنی جفاکشی اور موسم کی سختی برداشت کرنا۔

اس نے جہاز پر ریاضی،علم ہیت اور جغرافیہ کے علوم حاصل کئے۔ان علوم کے ساتھ ساتھ اس نے ایک اور وصف کی پختگی پیدا کی یعنی حکم ماننے کا وصف وہ حکم ماننے میں اس قدر تابع تھا کہ جان تک کی پرواہ نہ کرتا تھا۔وہ حکم منوانے میں بھی اسی قدر سخت تھا۔

جب فرانس اور انگلستان کی جنگ کا آغاز ہوا تو جیمز کک نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو شاہ جارج کی خدمت کے لئے پیش کیا.....اسے دریائے سینٹ لارنس کی گہرائی ناپنے کا کام سونپا گیا جسے اس نے رات کی تاریکی میں گولوں کی گھن گرج میں مکمل کیا۔

جیمز کک نے سورج گرہن پر ایک جامع رپورٹ تیار کی اور نیو فاؤنڈ لینڈ کے ناہموار ساحل کے سروے اور سمندر کی پیمائش کے بارے میں رپورٹ پیش کی تھی۔

جیمز کک کی وجہ سے شاہ جارج کی شان و شوکت دوبالا ہوئی سلطنت برطانیہ کے حدود وسیع

Marfat.com

ہوئے اور برطانوی تجارت پھیلانے کے لئے نئے نئے مقامات تلاش ہوئے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناپر جیمز کک کیپٹن کے عہدہ تک پہنچ گیا۔

جیمز کک کا پہلا سفر 2 سال 9 ماہ 14 دن کا تھا۔ جس میں سمندر کی خالی وسعتوں کو عبور کرتا ہوا ایلڈی ورنا بہنی میں جا کر 13 اپریل 1769ء میں لنگر انداز ہوا پھر جنوب مغربی جانب مسٹر کر سمانیہ کی تلاش میں نکلا۔ وہ سمانیہ تو نہ پہنچ سکا بلکہ آسٹریا کے جنوب مشرقی ساحل پر پہنچا۔ اور پھر 12 جولائی 1771ء میں انگلستان واپس پہنچا۔

دوسرے سفر 1773ء میں وہ جنوبی بحرالکاہل میں اس وسیع براعظم کی تلاش کی۔ جس کے بارے میں اس وقت کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ خطہ ارض کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ 1776ء میں کک تیسری بار بحری سفر پر روانہ ہوا۔ 1778ء کے اوائل میں جزائر ہوائی کی عظیم اور مسرت انگیز دریافت کی۔ وہ ابھی یہیں تھا کہ ایک زبردست طوفان آیا جزیرہ کے باشندوں کی زندگی تلپٹ ہوگئی۔ اور سمندر میں کھڑے جہازوں کے مستول ٹوٹ گئے۔ بادبان پھٹ گئے۔

جزیرہ کے باشندوں کو کچھ کیلوں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے کک کے جہاز کے پھٹے توڑ کر کیل حاصل کئے اس پر کک کے ایک سپاہی نے گولی چلا دی جس سے ان کا سردار مر گیا۔ اب کک کے سپاہیوں اور جزیرہ کے باشندوں کے درمیان کھل کر جھڑپ ہوئی ..... کک نہ جانے اپنے سپاہیوں کو کیا حکم دینے والا تھا۔ کہ اس کے سر پر ایک زبردست ضرب لگی، وہ پانی میں گر گیا۔ اب جونہی وہ پانی میں سے اٹھنے لگا اس کی پیٹھ میں کئی نیزے پیوست ہوئے۔ یہ نیزے اس کے اپنے سپاہیوں کے تھے۔ جو نہ جانے اس سے ناراض تھے یا کسی سازش کی تکمیل کرنے والے تھے۔

اس طرح 10 فروری 1779ء کو غروب آفتاب کے وقت توپوں کی گھن گرج کے درمیان عظیم ترین بحر پیما کا خاکی صدف گوہر حیات نکل جانے کے بعد سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

شناسائے منزل

از ڈونلڈ کلارس پیٹی

مترجم: محمد حبیب اللہ اوج

Marfat.com

محبوبِ نظر

ابوالفضل شیخ مبارک کا چھوٹا بیٹا تھا۔ یہ اپنے بڑے بھائی فیضی کے ہمراہ اس وقت اکبر کے ہاں آیا جب اکبر نے قلعہ چتوڑ پر محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسے ان دونوں بھائیوں کی علمی شہرت کا پتہ چلا تو دونوں کو اپنے دربار میں لے آیا۔ پھر دونوں بھائی اکبر کے نورتنوں میں شامل ہو گئے۔

ابوالفضل بہت بڑا سیاستدان اور مدبر تھا۔ قابلیت اور علمیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ پائے کا مصنف تھا۔ اس نے آئین اکبری اور اکبر نامہ بہت بلند معیار کی کتابیں فارسی زبان میں لکھیں۔ جن سے اکبر کے زمانے کی تاریخ کے تمام واقعات کا وضاحت سے پتہ چلتا ہے۔ ابوالفضل کے عقائد باطلہ تھے۔ جن کا بڑا اثر اکبر نے قبول کیا اور اکبر اسلام سے بے نیاز ہو کر دین الٰہی کو رائج کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

ابوالفضل علاوہ اعلیٰ پائے کا سیاستدان ہونے کے اعلیٰ درجے کا جرنیل بھی تھا۔ چار ہزاری کا منصب اس کے سپرد تھا۔ اس نے کئی مہموں کو سر کیا۔ اکبر نے پارسیوں کے آتش کدہ کا انتظام بھی اس کے سپرد کیا ہوا تھا۔

شہزادہ سلیم (جہانگیر) شروع سے ہی ابوالفضل کے باطلہ عقائد و خیالات کو ناپسند کرتا تھا۔ جب وہ اپنے ان خیالات کے باعث اکبر پر زیادہ ہی اثر انداز ہوا تو اور بھی زیادہ اس کے خلاف ہو گیا۔

اب اسے یہ بھی گمان ہوا کہ اکبر میری نسبت خسرو کو ولی عہد بنانا چاہتا ہے اور اس میں غالب مشورہ ابوالفضل کا ہی ہے۔ جہانگیر کو اس بات نے اور مشتعل کر دیا۔ چنانچہ اس نے راج نرسنگھ دیو سے ساز باز کی کہ ابوالفضل کا دخل ہمارے ذاتی معاملات میں بھی بہت زیادہ ہو گیا ہے جو ہمارے مفادات کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے تم ابوالفضل کا کام تمام کر دو۔

چنانچہ 1602ء میں جب ابوالفضل دکن کی مہم سے واپس آ رہا تھا تو نرسنگھ دیو کو موقعہ مل گیا۔ اس کا ایک سپاہی آگے بڑھا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اسے ختم کر دیا۔

اکبر کو اس قتل کا اتنا قلق ہوا کہ اکبر روتے ہوئے کہنے لگا کہ اگر سلیم کو سلطنت کی خواہش تھی تو مجھے قتل کر دیتا، لیکن ابوالفضل کو قتل نہ کرتا۔

کریسنٹ تاریخ ہندو پاکستان
مستنصر باللہ ایم اے

Marfat.com

وزیراعظم

مسولینی 1883ء میں اٹلی کے صوبہ فرولی میں ایک غریب گھر میں پیدا ہوا۔اس کا باپ لوہار تھا۔اس نے جب باپ کو لوہا کوٹتے دیکھا تو اسے خیال آیا کہ میرا باپ جب ہتھوڑے کی ضربوں سے سخت لوہے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔تو انسان سے اپنی مرضی کے مطابق بھی کام لیا جاسکتا ہے۔

مسولینی نے کچھ عرصے تک باپ کے ساتھ لوہا کوٹنے کا کام کیا، پھر رائل نارمل سکول میں داخل ہوا اور مدرس بن کر نکلا۔مگر تدریس کے کام میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ 1902ء میں وہ سوئٹزرلینڈ بھی گیا اور معمار کا کام کرنے لگا۔اس دوران میں اس نے بعض لوگوں کے ساتھ زیادتیاں ہوتے دیکھیں تو وہ سیاست میں دلچسپی لینے لگا اور حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے کی ابتدا کی اور گرفتار کرلیا گیا..... رہا ہوا تو 1905ء میں فوج میں بھرتی ہوگیا مگر صرف ایک سال کے بعد یہ ملازمت چھوڑ دی۔اور دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھ کر بیکار دن اور راتیں گزارنے لگا۔پھر 1910ء میں ایک ہفت روزہ ''طبقاتی جدوجہد'' جاری کیا۔جس کے ذریعے سوشلسٹ نظریات کی خوب تشہیر کی۔جس کی پاداش میں گرفتار ہوگیا۔مگر جلد ہی رہائی مل گئی اور آتے ہی ٹریسنٹ سوشلسٹ پارٹی کا سیکرٹری بن گیا مگر پہلی جنگ عظیم میں غیر جانبداری کا پرچار کرنے لگا۔تو سوشلسٹ پارٹی نے اسے فوراً اس کی رکنیت سے علیحدہ کردیا۔

اب وہ ایک موثر اخبار ال پوپولوری کا مالک اور مدیر تھا۔اس نے اخبار کے ذریعے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اٹلی کو جنگ میں شریک ہونا چاہئے چنانچہ 1915ء میں، جب اٹلی جنگ میں شریک ہوا تو مسولینی نے اپنی خدمات پیش کردیں۔ 1917ء میں جنگی مشقوں میں حصہ لیتے ہوئے بری طرح زخمی ہوگیا۔چنانچہ فوجی خدمات سے سبکدوش کردیا گیا۔

1919ء میں اس نے فیسی ڈی کمٹی منٹو کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی جس کے منشور میں جارحانہ قوم پرستی کا نظریہ غالب تھا۔اس لئے سوشلسٹوں کے خلاف تشدد کی تحریک چلائی۔اس تحریک کو اٹلی کی حکومت اور بااثر حلقوں کی حمایت حاصل تھی۔10 اکتوبر 1922ء کو شاہ اٹلی نے مسولینی کو وزیراعظم مقرر کیا اور اس نے آمرانہ اختیارات سنبھال لئے۔اور 1926ء میں

Marfat.com

تمام مخالف جماعتوں کو خلاف قانون قرار دیدیا مغربی طاقتوں کی احتیاط پسندی کے باعث مسولینی کی یہ مہم کامیاب رہی۔ 1939ء میں اس نے البانیہ پر قبضہ کرلیا۔

اس کی جنگجویانہ پالیسی نے اسے نازی جرمنی کے آرہٹلر کا محبوب بنا دیا..... دوسری جنگ عظیم میں مسولینی نے شروع میں کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے زوال کے دنوں کا آغاز ہوگیا۔

جب اتحادیوں نے اٹلی پر حملہ کیا تو مسولینی کو معزول کر کے قید کر دیا گیا۔ لیکن جرمن کمانڈو اسے بڑی جلدی رہا کروا کر لے گیا۔ 1945ء میں اطالوی وطن پرستوں نے اسے پھر گرفتار کرلیا۔ یہاں اسے ایک داشتہ مل گئی جس کے ساتھ مل کر اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر دونوں پکڑے گئے۔ پھر دونوں کو سر بازار گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ دونوں کی لاشوں کو رسیاں باندھ کر اٹلی کی گلیوں، بازاروں اور سڑکوں میں گھسیٹا گیا۔ جب ان کی لاشوں کو دفن کیا جانے لگا۔ تو یہ لاشیں مسخ ہو چکی تھیں گوشت کے ٹکڑے کٹ کر الگ ہو گئے اور جگہ جگہ سے ہڈیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔

فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا

حبابہ

یزید بن عبدالملک یزید ین معاویہ کی نواسی عاتکہ کا بیٹا تھا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز کے نظام حکومت کو بہتر پایا اور اسے ہی رائج رکھنے کی کوشش کی مگر چالیس دن سے زیادہ نہ چلا سکا۔ نہ بذات خود اس میں وہ تقویٰ تھا اور نہ ہی امرائے سلطنت اس کا ساتھ دے سکے۔ لہٰذا اس نے سوا مہینہ کے بعد ساری اصلاحات منسوخ کر دیں اور دوبارہ پرانا استبدادی نظام جاری کر دیا۔

103ھ میں ایک معمولی سی فتح کیلئے عباس بن ولید نے روم میں لشکر کشی کی اور والسہ فتح کیا۔ اس فتح میں جو کنیزیں اور لونڈیاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں ان میں سے ایک کنیز خلیفہ کے ہاں بھیجی گئی۔ جس کا نام حبابہ تھا۔ حبابہ اس لئے خلیفہ کے ہاں بھیجی گئی کہ اس کے چہرے کی رعنائی اور شگفتگی شاہی محل میں ہی قائم رہ سکتی تھی۔

یزید بن عبدالملک کو حبابہ ہر لحاظ سے پسند آئی۔ رنگ و روپ، قد کاٹھ اور متناسب اعضا میں

Marfat.com

کشش تھی۔ خلیفہ نے کہا حبابہ کو کنیزوں اور لونڈیوں والا لباس نہ پہنایا جائے بلکہ شاہی خاندان کی خواتین کا سا لباس پہننے کو دیا جائے۔ حبابہ نے جب شاہانہ لباس زیب تن کیا تو اس کے حسن کی باتیں پورے محل میں ہونے لگیں۔

حبابہ بالکل شہزادی لگنے لگی مگر اس کے چہرے پر افسردگی تھی۔ وہ اس محل میں رہ کر خوش نہ تھی شاید اس لئے کہ وہ آزادی کے ماحول سے نکل کر غلام بن گئی تھی۔

بہر حال حبابہ یزید کی خلوت گاہ میں آنے جانے لگی اور رہنے لگی۔ یزید نے کوشش کی کہ حبابہ مسکرائے' وہ اس کی چھیڑ چھاڑ برداشت کرے مگر اس کی مسکراہٹیں تو چھن چکی تھیں۔ وہ بجھی بجھی رہتی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت پیلی پڑنے لگی۔ آخر ایک دن حبابہ اپنی ساری حسرتیں دل میں لئے اچانک مر گئی۔

اس کی موت نے یزید کیلئے ایک بہت بڑے صدمے کو جنم دیا۔ وہ بھی اسی صدمے میں نڈھال رہنے لگا۔ حکومت کے کاموں سے اسے کوئی دلچسپی نہ رہی اور چند ہی دن گذرے تھے کہ اس کی نبضیں ڈوبنے لگیں۔ اس نے اپنے بھائی ہشام کو ولی عہد نامزد کیا اور اس کے بعد اپنے لڑکے ولید کا نام تجویز کر کے وصیت نامہ لکھا اور پھر اگلی صبح طلوع ہونے سے پہلے اس کی زندگی کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

اس نے صرف چار سال ایک ماہ تک خلافت کی وہ چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

تاریخ اسلام

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

ستی

راجپوتوں کی سب سے بڑی راج دھانی دہلی تھی جس کا حکمران راجہ تنورا تھا۔ مگر راجہ تنورا کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس کا ایک نواسہ پرتھوی راج (راجہ پتھورا) بڑا بہادر' شجاع اور شکیل نوجوان تھا۔ راجہ تنورا نے اسے گود لے رکھا تھا اور اجمیر کی راج دھانی اس کے سپرد تھی۔

جب راجہ تنورا مر گیا تو پرتھوی راج کو دہلی کی راج دھانی بھی مل گئی۔ راجہ تنورا کا دوسرا نواسہ جے چند تھا جو ریاست قنوج کا حکمران تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پرتھوی راج اکیلا دہلی کی راج دھانی

Marfat.com

کا مالک بنے۔ اس نے اسے حق تلفی سمجھا۔ وہ پرتھوی راج کا مخالف بھی ہو گیا اور سخت حسد بھی کرنے لگا۔

یہ مخالفت اور حسد اپنی جگہ قائم تھا کہ 1191ء میں شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سیدھا دہلی کی طرف چل دیا۔ پرتھوی راج کی فوجوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شہاب الدین غوری کو شکست دی۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ پرتھوی راج کی اس فتح نے اس کے وقار اور بہادری میں اور اضافہ کر دیا۔

اب وہ چاہتا تھا کہ جے چند کی خوبصورت اور حسن کی دیوی بیٹی سنجگتا سے شادی کر کے جے چند کو مستقل طور پر سرنگوں کر لے۔ جے چند کی بیٹی بھی یہی چاہتی تھی کہ اس کی شادی پرتھوی راج سے ہو جائے لیکن جے چند کو یہ بات قطعاً پسند نہ تھی۔

جے چند نے اپنی بیٹی کے سویمبر کا اعلان کر دیا۔ اب بڑے بڑے راجے مہاراجے قنوج میں جمع ہو رہے تھے تا کہ شہزادی جسے پسند کرے اس کے ساتھ شادی کر لے۔ جے چند نے راجہ دھیراج ہونے کا دعویٰ کیا اور تمام راجپوت راجاؤں کو اپنا مطیع اور تابع سمجھ کر ان کے نام دعوتی رقعے بھیجے۔ اس تقریب میں پرتھوی راج کیلئے دربانی کا عہدہ تجویز کیا۔

پرتھوی راج جے چند کی لڑکی پر عاشق تھا۔ مہمانوں کی طرح بلایا جاتا تو ضرور شامل ہوتا لیکن یہ بڑا مغرور تھا۔ دربان بن کر جانے سے صاف انکار کر دیا۔

ضیافت کے دن جب جے چند نے پرتھوی راج کو حاضر نہ پایا تو اس کا ایک بت بنوا کر اپنے محل کے دروازے پر کھڑا کر دیا اور سویمبر کی کارروائی شروع ہوئی۔

سنجگتا کے حسن کی شہرت دور دور کے راجوں تک تھی۔ وہ بڑے بن سنور کر اس تقریب میں اس امید کے ساتھ آئے تھے کہ سنجگتا انہیں ضرور قبول کر لے گی۔ وہ سب ایک صف میں کھڑے ہوئے تھے۔

سنجگتا کو اجازت ہوئی کہ ان کے بیچ میں سے گذرے اور جسے چاہے اپنا خاوند بنا لے۔ سنجگتا کے ہاتھ میں پھولوں کی مالا تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کی سہیلیاں بنی ٹھنی آ رہی تھیں۔ وہ دیکھتی بھالتی صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی اس نے پھولوں کی مالا کسی کے گلے میں بھی نہ ڈالی۔ سب شہزادے حیران تھے کہ شہزادی نے سب کو ناپسند کر دیا ہے۔ وہ ایک

Marfat.com

دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ پھر اچانک شہزادی کی نظر دروازے پر رکھے ہوئے بت پر پڑی۔ یہ بت پرتھوی راج کا تھا۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ اس بت تک بڑھتی گئی اور اپنی مالا اس بت کے گلے میں ڈال دی۔ پرتھوی راج بھی بھیس بدل کر اپنے محرم راز سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ وہ فوراً منڈپ میں گھس گیا۔ سنجگتا کا ہاتھ پکڑا اور تیز گھوڑے پر بٹھا کر اس کو دہلی کی طرف لے اڑا۔

بیٹی کا یہ انتخاب جے چند کی مرضی کیخلاف تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی اس کے دشمن کے پہلو میں بیوی بن کر رہے۔ اس نے پرتھوی راج پر حملہ کر دیا مگر منہ کی کھائی۔ اب اس نے شہاب الدین غوری کو دہلی پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اپنی مدد دینے کا وعدہ بھی کیا۔

شہاب الدین اپنی پہلی شکست کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا کیونکہ اس شکست میں اس کی بڑی مٹی پلید کی گئی تھی کیونکہ تو بروں میں جو کا دانہ بھروا کر سپہ سالاروں کے منہ سے باندھ دیئے تھے۔

بہر حال جے چند کا پیغام پا کر 1193ء میں شہاب الدین غوری دہلی کی جانب بڑھا۔ تھانیہ کے میدان میں ایک خونریز جنگ ہوئی جہاں پرتھوی راج بری طرح زخمی ہو کر مر گیا۔

پرتھوی راج کیلئے چتا تیار ہوئی۔ اس کی بیوی سنجگتا کو بھی لایا گیا جو حزن و ملال کی بت بنی ہوئی تھی۔ سنجگتا پر شہاب الدین غوری کی بھی نظر تھی اس کے علاوہ اور بھی فوجی نوجوان اس سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے۔ مگر سنجگتا نے خاوند کی چتا میں چھلانگ لگا کر ستی ہونا پسند کیا۔ اس نے سب حریصوں سے آنکھ بچا کر آگ میں چھلانگ لگا دی اور خاوند سے اپنی فطری محبت کا ثبوت دیدیا۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

چتوڑ

راجہ بھیم چتوڑ پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی بیوی پدمنی حسن کی مجسمہ تصویر تھی۔ جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب علاؤالدین تخت دہلی پر بیٹھا تو وہ پدمنی کو دیکھے بغیر اس کا عاشق بن گیا۔ دن رات اس کے خیالوں میں گم رہنے لگا۔ وہ ایسی تدابیر سوچنے لگا جن کے باعث وہ پدمنی کو اپنے نکاح میں لائے۔

اس نے اپنے بڑے لشکر کے ساتھ چتوڑ پر حملہ کر دیا۔ اہل چتوڑ قلعہ بند ہو گئے۔ علاؤالدین

Marfat.com

نے کئی مہینے تک اس قلعے کو محاصرے میں رکھا۔ مگر اسے فتح نہ کر سکا۔ آخر علاؤالدین نے بھیم سنگھ سے کہا میں محاصرہ بس ایک شرط پر اٹھاتا ہوں کہ پدمنی میرے حوالے کر دو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو گے تو یونہی قلعہ کی قید میں بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ بھیم سنگھ نے جواب دیا ہماری غیرت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ بھوکے پیاسے مر جائیں گے مگر پدمنی کا ایک بال تک تمہیں نہیں دیں گے۔

اب اس نے بھیم سنگھ سے کہا اچھا یوں کرو مجھے پدمنی کا ایک نظر بس چہرہ دکھا دو تو بھی میں محاصرہ اٹھا لوں گا۔ اول تو بھیم سنگھ نے اس بات کو بھی منظور نہ کیا مگر آخر کار یہ بات قرار پائی کہ رانی اپنے محل میں پردے کے پیچھے بیٹھ جائے۔ اس کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیا جائے اور بادشاہ آئینے میں اس کا عکس دیکھ لے۔

چنانچہ علاؤالدین نے پدمنی کو دیکھنے کی یہ بات بھی مان لی۔ وہ چتوڑگڑھ میں گیا اور آئینے میں رانی کا عکس دیکھا تو ان سب باتوں کی تصدیق ہو گئی جو اس نے لوگوں کی زبانی اس کے حسن اور خوبصورتی کے بارے میں سن رکھی تھیں۔

واپسی کے وقت بھیم سنگھا سے چھوڑنے کیلئے اس کے پڑاؤ تک گیا مگر علاؤالدین نے بھیم سنگھ کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ جب تک پدمنی مجھ سے شادی نہیں کرے گی تمہاری رہائی ناممکن ہے۔

رانی نے دیکھا کہ راجہ کی رہائی کی صورت ناممکن ہے سوائے اس کے کہ کسی حیلے سے کام لے۔ اس نے بادشاہ سے کہلا بھیجا مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ میں آتی ہوں۔

ایک پالکی میں خود سوار ہوئی اور سات سو پالکیاں ساتھ لیں اور شاہی خیموں کی طرف روانہ ہوئی۔ مشہور یہ کیا کہ سات سو پالکیوں میں رانی کی سات سو سہیلیاں ہیں مگر دراصل ان پالکیوں میں ایک ایک راجپوت سورما ہتھیار بند سوار تھا بلکہ کہاروں کی صورت میں پالکیوں کو اٹھانے والے بھی سب لڑاکے سپاہی تھے۔

جب یہ پالکیاں بادشاہ کے پڑاؤ میں پہنچیں تو علاؤالدین نے چاہا کہ بھیم سنگھ اور پدمنی دونوں کو نہ جانے دے۔ اتنے میں راجپوت سورمے تلواریں سونت کر پالکیوں میں سے باہر کود پڑے۔ بھیم سنگھ اور پدمنی کو گھوڑے پر سوار کر کے لے گئے اور سپاہی لڑتے بھڑتے قلعہ میں چلے گئے اور بادشاہ تکتا رہ گیا۔

یوں بادشاہ کو ناکام واپس آنا پڑا۔ مگر برس دو برس کے بعد بہت زیادہ لشکر کے ساتھ دوبارہ

Marfat.com

آیا اس وقت راجپوت اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ علاؤالدین کے لشکر کی تلواروں نے گاجر مولیوں کی طرح بھیم سنگھ کی فوجوں کو کاٹ کاٹ کر رکھ دیا۔

پدمنی نے دیکھا یہ سب موتیں میری خاطر واقع ہوئی ہیں۔ اس نے اپنی تیرہ ہزار بااعتماد راجپوتنیوں کو بلایا کہا لگتا ہے اب مجھے علاؤالدین لے جائے گا لیکن میں راجپوت خاتون ہو کر یہ ذلت برداشت نہیں کرسکوں گی۔ میں جان پر تو کھیل سکتی ہوں مگر اپنی آن اور عزت کو داغدار نہیں کر سکتی۔ فوراً چتا تیار کر دیں۔ میں اس میں چھلانگ لگا کر اپنے دیس کی عزت کی خاطر قربان ہونا چاہتی ہوں۔

بڑی جلدی چتا تیار ہو گئی لیکن قبل اس کے کہ پدمنی اپنے آپ کو آگ کے شعلوں کے حوالے کرے تیرہ ہزار راجپوتنیوں نے بھی زندہ جل مرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سب راجپوتنیاں اپنی ملکہ کے ساتھ چھلانگیں لگا لگا کر جل مریں۔

قلعے کے مردوں اور بچوں نے جب اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی یہ جرات دیکھی تو وہ بھی تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مقابلے میں آئے اور دادِ مردانگی دے کر ایک ایک کر کے کٹ مرے۔

یہ واقعہ 1303ء کا ہے۔ علاؤالدین جس حسن پر فریفتہ تھا اس کے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ بلکہ اس کی خاک بھی اسے نہ مل سکی۔ البتہ مرے ہوئے راجپوتوں کے ڈھیر لگے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

آخر قدرت کو اس قدر خون بہنے پر غصہ آ گیا۔ علاؤالدین کے ملک کافور میں بادشاہ بننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بادشاہ بوڑھا ہو گیا تھا اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی تھی۔ اس نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اس کے بیٹے اس کے خلاف لگتے ہیں۔ علاؤالدین نے فوراً انہیں قید میں ڈال دیا۔ اب بادشاہ اکیلا تھا۔ ملک کافور کے ہاتھوں کا کھلونا تھا۔ اس نے بادشاہ کو زہر دیدیا اور اس کے دونوں بڑے بیٹوں جو جیل میں تھے کی آنکھیں نکلوادیں اور اندھا کر دیا اور چھوٹے شہزادے مبارک کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرنے لگا۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

Marfat.com

بیوہ

ناگور کے حاکم فیروز خان کا جب انتقال ہوا تو اس کے بیٹے شمس خان کو تخت نہ مل سکا بلکہ اس کا چچا مجاہد خان حاکم ناگور بن گیا۔ شمس خان کو خطرہ تھا کہ کہیں اسے چچا قتل نہ کرا دے۔ وہ بھاگ کر چتوڑ کے راجہ کنبھو کے ہاں پناہ گیر ہوا۔ چتوڑ اور ناگور کے درمیان دشمنی تھی۔ راجہ کنبھو نے شمس خان سے کہا کہ وہ گھبرائے نہیں وہ ناگور کا تخت حاصل کرنے میں اس کی ضرور مدد کریگا مگر ایک شرط پر کہ جب اسے تخت مل جائے تو وہ ناگور کے قلعہ کے تین کنگرے مسمار کر دے گا۔

شمس خان نے یہ شرط مان لی۔ اب دونوں نے مل کر ناگور پر حملہ کیا۔ شمس خان کے چچا مجاہد خان کو شکست ہوئی اور ناگور کا تخت شمس خان کے قبضہ میں آ گیا۔ اب راجہ کنبھو نے شرط پوری کرنے کا مطالبہ کیا مگر جب وہ قلعہ کے تین کنگرے مسمار کرنے لگا تو ناگور کی رعایا اس کے خلاف ہو گئی کہ تم کیسے حکمران ہو کہ اپنے دیس کے قلعہ پر دشمن کی ضرب کے نشان خود قائم کرنا چاہتے ہو۔ کاش اگر فیروز خان کے ہاں تمہاری نسبت کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو کیا وہ بھی ایسا کرتی۔ تم مرد ہو کے ایسا کر رہے ہو۔

شمس خان کی عقل ٹھکانے ہو گئی۔ اس نے قلعہ کے کنگرے مسمار کرنے کی بجائے اسے اور مضبوط کرنا شروع کر دیا اور راجہ کنبھو سے کہا کہ تم نے جس انداز اور جس محبت سے میری مدد کی ہے میں اس کا شکر گذار ہوں مگر شرط پوری کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ اگر میں ایسا کروں گا تو تمام لوگ میری جان کے دشمن بن جائیں گے۔ لہٰذا تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے ملک کو واپس جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ جنگ کرو۔ اس پیغام پر رانا کنبھو کو اپنی حرکت پر بڑا افسوس ہوا۔ اس نے ایک لشکر تیار کیا اور ناگور پر حملہ کر دیا۔ شمس خان سلطان قطب الدین کے ہاں مدد لینے کیلئے احمد آباد پہنچا۔ وہ مدد دینے پر آمادہ ہو گیا مگر ایک شرط پر کہ وہ اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دیدے۔

شمس الدین نے یہ شرط بادل نخواستہ مان لی۔ اب قطب الدین نے شمس خان کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا اور فوج ناگور کی حفاظت کیلئے بھیج دی۔ لیکن یہ فوج پسپا ہو گئی۔ ناگور بار بار میدان جنگ بنا۔ آخر قطب الدین بیمار ہو کر مر گیا۔

مگر شمس خان پر یہ الزام لگ گیا کہ اس نے قطب الدین کو زہر دے کر مارا ہے۔ احمد آباد

Marfat.com

کے امرا اور اراکین نے باہمی اتفاق سے فیصلہ کر کے شمس خان کو قتل کروا دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی جو قطب الدین کی بیوہ تھی اسے اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ پھر اسے بادشاہ کی دوسری بیگموں اور کنیزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ جنہوں نے پہلے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹیں۔ پھر کہنیوں سے بازو کاٹے۔ پھر دایاں پاؤں کاٹا۔ گھٹنے پر سے ٹانگ کاٹی اس کے سر پر ہتھوڑے سے ضربیں لگائیں۔ اس طرح بیچاری تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر مر گئی۔

تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ

موت زندہ باد

تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ غیاث الدین تھا۔ جو بلبن کے ایک ترکی غلام کا بیٹا تھا۔ اس نے ایک خوبصورت ہندو عورت سے شادی کی۔ جس سے جونا خان پیدا ہوا یہی جونا خان باپ کے مرنے کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا اور تخت پر بیٹھتے وقت اس نے اپنا نام محمد تغلق رکھا۔ اس نے 27 سال تک حکومت کی۔ خوب پڑھا لکھا تھا مگر اس کے اکثر منصوبے ادھورے رہے جن کی بنا پر اچھی شہرت کی بجائے بدنامی کی شہرت ہاتھ آئی اور تاریخ نے اسے پڑھا لکھا بیوقوف بادشاہ کے نام سے یاد رکھا۔

اس کے عہد میں تاتاریوں نے اس پر حملہ کیا۔ اس نے اس سے صلح کر لی اور صلح کے بدلہ میں اس قدر زر و مال دیا کہ خزانہ خالی ہو گیا۔

خزانہ خالی ہوا تو سونے اور چاندی کے سکوں کی بجائے تانبے کے سکے جاری کئے مگر لوگوں نے ان سکوں کو لینے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے مجبوراً یا انتقاماً محصول زیادہ کر دیئے۔ اتنے زیادہ کہ دس گنا بڑھ گئے۔ مہنگائی بڑھنے لگی۔ لوگوں کو دال چپاتی مشکل سے ہاتھ آنے لگی۔ وہ محصول ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔ حکومت نے ان محصولات کی وصولی میں سختی کی۔ یہ لوگ کھیتی باڑی سے منہ موڑ کر اور زمینوں کو بے کاشت چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ بیچارے چشموں کا پانی پینے اور درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

ان کے ساتھ تو جو گذری سو گذری جو کھیتی باڑی نہ کرتے تھے وہ بھی لقموں کو تنگ آ گئے۔ کھیتوں میں کچھ پیدا ہو تو آٹے کی چکی چلے اور روٹی کا چولہا جلے۔

Marfat.com

اب بادشاہ نے ان جنگلوں میں بھاگنے والوں کو واپس لانے کی کوشش کی مگر کیسے؟ بغیر محصول کم کیے زبردستی جانوروں کی طرح ہانک کر۔ مگر وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر انکار کرتے رہے۔

شاہی سپاہ نے انہیں شکار کی طرح گھیر لیا اور سب کو مار ڈالا۔ کووں، چیلوں، گدھوں اور کتوں کی خوب موج لگ گئی اور موت زندہ باد کے نعرے لگتے رہے۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

قیدی

تیمور 1398ء میں ایرانیوں کا ایک بڑا لشکر لے کر شمال مغرب کے دروں کی راہ سے طوفان بن کر ہندوستان پر ٹوٹ پڑا اور کشت وخون کا بازار خوب گرم کیا۔ انسانی خون کی پیاسی تلوار نہ جانے اسے کہاں سے مل گئی تھی۔ جس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اتنا قتل وغارت اس سے پہلے نہ ہوا تھا اور نہ ہی اس کے بعد شاید کبھی ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیموری تلوار کی غارت گری کے بعد 600 سال گزر رہے ہیں واقعتہً تیموری خون خرابے سے کوئی آگے نہیں بڑھا۔ تیمور جب افغانستان سے ہوتا ہوا پنجاب میں داخل ہوا تو ایک ٹڈی دل لشکر اس کے ساتھ تھا۔ رستے میں جو آیا سب کو صفا چٹ کر کے رکھ دیا۔ آبادیاں خاموش ہو گئیں وہ آگے بڑھتا تو اس کے پیچھے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگتے۔

جب وہ دہلی کے قریب پہنچا تو ایک لاکھ قیدیوں کی بھیڑ اس کے ساتھ تھی۔ ان قیدیوں کی حفاظت کہ باغی نہ بن جائیں یا بھاگ نہ جائیں اس کے علاوہ ان کے کھانے دانے کا انتظام ایک مصیبت بنی ہوئی تھی۔ ان قیدیوں کو آزاد کر کے وہ ان پر احسان کر سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ پندرہ سال سے زیادہ عمر کے سب قیدی ایک ہی رات میں قتل کر دیئے گئے۔

یہ خبر دلی میں پہنچی تو بادشاہ محمود تغلق اور رعایا سہم گئی۔ محمود کو جان بچانی مشکل ہو گئی۔ تیموری فوجیں دہلی میں داخل ہوئیں اور پانچ دن قتل عام جاری رکھا اور آگ لگانے میں مصروف رہیں اور لوٹتی رہیں۔ ہر شخص نے مرنے سے پہلے قیامت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ فرشتہ اجل کو بھی اپنا فرض ادا کرنے اور موت کو بے گناہوں کی زندگیاں چھین لینے میں ترس آ رہا تھا۔

Marfat.com

دہلی بگڑ گئی اور تباہ ہو گئی۔اس کا حسن خاک میں مل گیا۔لوگ کہتے ہیں موت نظر نہیں آتی مگر دہلی والے سب لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے موت کو اپنی سر کی آنکھوں سے کئی بار دیکھا ہے

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

ہڈیاں

سلطان محمد تغلق نے جب پایہ تخت دہلی سے دیوگری میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تو دہلی کے سب لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس نئے دارالخلافہ میں جا کر اس کی رونق بڑھائیں۔دیوگری دہلی سے 800 میل دور تھا۔پہاڑی رستہ تھا۔کوئی سڑک نہ تھی۔جنگل اور بیابان رستے میں آتے تھے کہیں پینے کو پانی نہ ملتا تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر کے مکانوں کی تلاشی لی جائے کہ کوئی شخص چھپا ہوا نہ ہو۔

دیکھا تو ایک بوڑھا شخص چارپائی پر بیٹھا کھانس رہا تھا۔

بادشاہ کے کارندے اسے کھینچ لائے۔

بادشاہ نے پوچھا۔ارے بڈھے تم کیوں نہیں دیوگری میں گئے۔یہاں بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔کون تمہیں روٹی پکا کے دے گا۔

اس نے عرض کیا۔حضور! اتنا لمبا سفر مجھ سے کیسے ہو گا۔قبر کے کنارے بیٹھا ہوں۔آج نہیں تو کل مر جاؤں گا۔عزیزوں کی قبروں کے قریب شاید قبر مل جائے۔

بادشاہ نے کہا۔آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ہم آپ کو دیوگری میں پہنچانے کا انتظام کرتے ہیں۔

اب اس کی دونوں ٹانگوں سے ایک ایک رسہ باندھا گیا پھر ان رسوں کے سرے ایک ایک گھوڑے کی زین سے باندھے گئے اور گھوڑوں کو دیوگری کی طرف بھگا دیا گیا۔

بوڑھے کی موت نے اس کے ساتھ اتنا لمبا سفر نہیں کیا۔اس کی چند چیخوں کے بعد جلدی

Marfat.com

سے اسے فارغ کر دیا۔ بیچارہ بوڑھا باباچر کر دو حصوں میں بٹ گیا۔ پھر نہ جانے ہر حصے کے کتنے کتنے حصے ہوتے رہے۔ جب یہ گھوڑے دیوگری پہنچے تو رسوں کے ساتھ اس بوڑھے بابے کی پنڈلیوں کی ہڈیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان پر گوشت کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا۔

اف! اشرف مخلوق کے ساتھ یہ زیادتی

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

موت کی تمنا

اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے بیٹے بہادر شاہ ظفر 1775ء میں قلعہ معلیٰ دہلی میں پیدا ہوئے۔ پورا نام سراج الدین محمد بہادر تھا۔ خوبصورت شہزادے تھے۔ شہزادگی کا زمانہ تعلیم حاصل کرنے، شکار کھیلنے، خوش نویسی میں مہارت حاصل کرنے اور شاعری میں گزرا۔ علی الترتیب شاہ نصیر، کاظم حسین بیقرار، شیخ محمد ابراہیم ذوق اور غالب کے شاگرد ہوئے۔ اسلامی ذہن رکھنے والے تھے اور نہایت شریف النفس تھے۔ 1837ء میں تخت دہلی پر بیٹھے اس وقت ان کی عمر 62 سال کی تھی۔ مگر تخت شاہی انہیں راس نہ آیا اور مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار ثابت ہوئے۔ ابھی بیس سال حکومت کی تھی کہ جنگ آزادی 1857ء کا آغاز ہوا۔ جس میں مسلمانوں کی ناکامی بے پناہ مظالم کا پیش خیمہ بنی۔ ایسے مظالم جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مغلیہ خاندان کے افراد قلعہ سے بھاگ کر ہمایوں کے مقبرے میں جا چھپے۔ ان افراد میں مستورات، شہزادیاں، شہزادے بھی تھے اور 82 سالہ بوڑھا بہادر شاہ بھی تھا۔

جب ان افراد کی تلاش شروع ہوئی تو غداروں نے ڈھونڈنے والوں کو بتا دیا کہ وہ سب ہمایوں کے مقبرے میں ہیں۔

انگریزوں نے ہمایوں کی قبر کا تعویذ توڑا اور نیچے کی منزل سے ان سب افراد کو کھینچ کر نکالا۔ شہزادوں کی قمیصیں اتروا کر انہیں تپتی ہوئی دھوپ میں ننگے پاؤں پیدل چلایا۔ بوڑھے بادشاہ کو بھی ان کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کیا گیا۔ پھر میجر ہڈسن نے شہزادوں کو بادشاہ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل کر دیا۔

Marfat.com

بہادر شاہ ظفر کو قیدی بنا کر رنگون (برما) بھیج دیا گیا۔ بیچارہ بادشاہ گیارہ سال تک یہاں نظر بند رہا۔ دن رات بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں کی بے بسی کی موت کے منظر یاد کر کے روتا رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا۔ موت کی خود تمنا کرتا رہا۔ آخر 1869ء کو مغل بادشاہوں کی آخری نشانی بے نشان ہو گئی۔

کریسنٹ تاریخ ہند و پاکستان
از مستنصر باللہ ایم۔اے

Marfat.com

بردرِ گستاخان

Marfat.com

ہلاکت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے والوں میں ایک شخص ابی بن خلف بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک بار فرمایا:

ابی! تم عنقریب میرے ہاتھوں سے قتل ہو جاؤ گے۔

ابی کو اس بات پر کب یقین آتا۔ ان لوگوں کی ایذائیں روز بروز اس قدر زیادہ ہوتی جا رہی تھیں کہ انہیں صاف دکھائی دینے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو ہمارے ہاتھوں سے قتل کرا کے اکیلے رہ جائیں گے۔ اور پھر وہ بھی (نعوذ باللہ) ہماری تلواروں کی باڑھ پر رکھ لئے جائیں گے۔

مگر ان کے سارے عزائم اور منصوبے انہیں اپنی کامیابی کی منزل تک نہ لے جا سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے اور 3 ہجری میں جب جنگ احد لڑی گئی تو ابی بن خلف بھی کفار مکہ کے ہمراہ آیا تھا۔ شروع کی کامیابی کے بعد جب جنگ نے پانسہ پلٹا اور کفار مکہ کی جیت ان کے پلڑے میں آ گئی تو ابی ابن خلف گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے لشکر کے قریب آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا' کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ لیا جنگ کا نتیجہ۔ ہمارے بہادروں نے تمہارے دوستوں کو چن چن کر مار دیا ہے۔ اب میری باری ہے۔ پھر نہ کہنا پتہ نہیں تھا۔ میرا حملہ صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات کی خاطر ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور میں لات و عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں اگر آپ آج بچ گئے تو مجھے کسی معاملے میں بھی کبھی نجات نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حارث بن صمہ اور سہیل بن حنیف کے درمیان کھڑے تھے۔ قریب ہی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے تھے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی لاف و گزاف کا کوئی جواب اسے نہیں ملا تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلدی سے آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بن گئے۔ تلوار کے کئی وار آپ کے جسم پر ہوئے۔ زخم پر زخم آئے۔ خون کے

Marfat.com

فوارے چھوٹ نکلے۔ وہ لڑکھڑا کر گرے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان نچھاور کر دی۔

حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں اس وقت ایک نیزہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا اور ابی بن خلف کی زرہ کے نیچے چبھو دیا۔ ایک معمولی سی خراش آئی مگر اس خراش میں نہ جانے کتنی تکلیفیں پوشیدہ تھیں۔ ابی بن خلف نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان سے بھاگ گیا اور بیلوں کی طرح چلانے لگا۔

ابوسفیان بھاگ کر اس کے پاس گیا۔ دیکھا تو معمولی سی خراش تھی۔ اسے شرم دلائی، تم اس طرح چلاؤ گے تو اہل مکہ کی ناک کٹ جائے گی۔ حوصلہ کرو۔ بالکل معمولی زخم ہے۔ اتنا شور تو وہ نہیں مچاتے جن کے جسم زخموں سے چور چور ہیں۔

ابی بن خلف نے کہا ابوسفیان! تو ہلاک ہو جائے۔ میری جان نکلی جا رہی ہے اور تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ تجھے کیا خبر یہ زخم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نیزے کا ہے وہ مکہ میں مجھے کہا کرتے تھے کہ تو عنقریب میرے ہاتھوں مرے گا۔

ابوسفیان! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات کو اللہ رد نہیں کرے گا۔ میرے ہلاک ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ نیزہ جس کے ہاتھ سے لگا ہے وہ اول تو کسی پر ہتھیار اٹھاتا نہیں اور اگر کسی پر ہتھیار اٹھا لے تو اس کا وار خالی نہیں گیا ہے۔

قسم ہے مجھے لات و عزیٰ کی اس زخم کا درد اس قدر شدید ہے کہ اگر اسے سارے حجاز میں تقسیم کر دیا جائے تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

وہ واویلا کرتا ہوا دائیں بائیں، آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ آخر گرا اور جہنم تک جانے کا رستہ اس کے لئے آسان ہو گیا۔

شواہد النبوت
از ترجمہ بشیر حسین ناظم

Marfat.com

نکاح

فتح مکہ کے بعد جو وفود قبائل کی طرف سے آنحضور ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ان میں مسیلمہ بن حبیب بھی بنو حنیفہ کے وفد میں شامل تھا۔ جب وہ اپنے وطن یمامہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو حضور ﷺ کی ناسازی طبع کی خبر مشہور ہوئی۔ وہیں مسیلمہ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ نبوت میں آپ اور میں دونوں شریک ہیں۔ لہٰذا نصف ملک قریش کا اور نصف میرا رہے گا۔

حضور ﷺ نے بنو حنیفہ کے ایک معزز شخص رجال بن عنفوہ کو مسیلمہ کے پاس بھیجا کہ اس کو نصیحت کرے کہ اسلام پر قائم رہے..... مگر رجال نے یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کی تائید کی اور اس کا متبع ہو گیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیلمہ کی خوب گرم بازاری ہوئی۔

اس دوران میں حضور ﷺ کی وفات ہوگئی۔ حضور ﷺ کی وفات کی خبر سن کر سجاح بنت الحرث نے جو قبیلہ تغلب سے تعلق رکھتی تھی نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ جسے مختلف قبائل کے سرداروں نے قبول کر لیا۔اور سجاح کے پاس چار ہزار کے قریب لشکر جمع ہو گیا۔ وہ لشکر لے کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوئی۔

سجاع کے امتیوں نے پوچھا کہ ہمیں بتایا جائے کہ ہماری نبیہ نے کون سی شریعت نافذ کرنی ہے۔

سجاح نے کہا کہ پنج وقتہ نماز تو پڑھیں گے تاہم سور کا گوشت کھانے کی اجازت ہے۔شراب بھی آپ پی سکتے ہیں۔ زنا پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ باتیں سن کے بے شمار عیسائی اس کے مذہب میں شامل ہو گئے۔

مسیلمہ نے سجاح کو خط لکھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔سجاح نے جواب دیا کہ میں مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں۔ میں نبی ہوں۔اور سنا ہے کہ آپ بھی نبی ہیں۔لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں مل کر مدینہ پر حملہ کریں۔

مسیلمہ نے فوراً پیغام بھیجا کہ جب تک حضرت محمد (ﷺ) زندہ تھے اس وقت تو میں نے آدھا ملک ان کے لئے چھوڑ دیا تھا۔اور آدھے ملک کو اپنا علاقہ سمجھتا تھا۔اب ان کی وفات کے

Marfat.com

بعد تمام ملک میرا ہے۔لیکن چونکہ تم بھی نبوت کی مدعی ہو لہٰذا میں آدھی پیغمبری تم کو دیدوں گا۔بہتر یہ ہے کہ اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ کر تنہا میرے پاس چلی آؤ۔تا کہ تقسیم پیغمبری اور مدینہ پر حملہ آوری کے متعلق تم سے گفتگو اور مشورہ ہو جائے۔

سجاح پیغام پاتے ہی مسیلمہ کی طرف روانہ ہوگئی۔اس نے اپنے قلعہ کے سامنے ایک خیمہ کھڑا کیا۔سجاح کو اس میں اتارا گیا۔دونوں کی بات چیت ہوئی سجاح نے مسیلمہ کی پیغمبری کو تسلیم کرلیا۔اس پر ایمان لائی۔

اب دونوں میں اس خیمہ میں معاشقہ کی گفتگو ہوئی۔بوس و کنار ہوا۔باہمی بغلگیر ہوئے۔ اور بالآخر دونوں نے نکاح کرلیا۔نکاح کے بعد تین دن تک سجاح مسیلمہ کے پاس رہی۔وہاں سے رخصت ہو کر لشکر میں آئی اور نکاح کی خبر سنائی۔

لشکر والوں نے کہا نکاح کا مہر کہاں ہے۔یہ بے مہر تو نے کیسا نکاح کیا ہے۔

وہ پھر مسیلمہ کے پاس گئی تو مسیلمہ نے کہا میں نے ترے مہر میں تیری جماعت کے لئے دو نمازیں یعنی عشا اور فجر کی معاف کردیں۔

سجاح وہاں سے رخصت ہو کر واپس آئی تو نمازوں کی معافی کی خوشخبری سنائی۔

سجاح اور مسیلمہ شادی کی رنگ رلیوں میں مصروف تھے کہ ادھر حضرت خالد بن ولید ایک عظیم لشکر لئے آ گئے۔جنہیں دیکھ کر سجاح کے سارے ساتھی بھاگ گئے اور سجاح کہیں گمنام مقام میں چھپ گئی۔مسیلمہ کذاب کے چالیس ہزار کے لشکر نے مقابلہ کیا۔مگر اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لشکریوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی فتح کا وعدہ کب پورا ہوگا۔جو تیرا خدا تجھ سے کر چکا ہے۔ اس نے جواب دیا یہ وقت ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے لڑے۔لوگوں نے بلند آواز سے پکارا کہ مسیلمہ جھوٹا ہے۔وہ جان بچانے کے لئے بھاگا مگر وحشی (قاتل حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رستے میں کھڑا تھا۔اس نے اپنا حربہ پھینکا جو مسیلمہ کی دوہری زرہ کو کاٹ کر اس کے پیٹ سے باہر نکل گیا۔وہ گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

یوں یہ جھوٹا نبی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

تاریخ اسلام
مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

پس پردہ

مختار بن ابوعبیدہ بن مسعود ثقفی 64ھ میں کوفہ میں اس لئے آیا کہ وہ خون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بدلہ لینے کے لئے ایک جماعت تیار کر سکے۔ اس وقت کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری تھے انہوں نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اس دوران شامی فوجوں اور توابین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں توابین نے بالاخر ہزیمت اٹھائی۔ اسے مختار نے جیل سے تعزیت کے طور پر ایک خط لکھا۔ کہ تم لوگ بالکل غم نہ کرو۔ اور مطمئن رہو۔ اگر میں زندہ رہا تو ضرور تمہارے سامنے شہدا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا عوض قاتلین سے لوں گا کہ لوگوں کو بخت نصر کا زمانہ یاد آ جائے گا۔ پھر مزید لکھا تھا کہ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی ہے جو خون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصاص لینا چاہتا ہو اور وہ اس کام کے لئے مجھ سے عہد کرے۔

اس خط کو پڑھ کر لوگ بہت خوش ہوئے کہ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ایک شخص ایسا موجود ہے جو خون حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اپنے دل میں جوش و جذبہ اور اولوالعزمی رکھتا ہے۔

کچھ لوگ مختار کے پاس گئے اور جیل توڑ کر اسے آزاد کرانے کا جذبہ دکھایا۔ مگر مختار نے کہا نہیں تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ میں جب چاہوں گا خود رہا ہو جاؤں گا۔

توابین کی اس ملاقات سے قبل مختار نے ایک خط عبداللہ بن عمر کو بھی لکھا تھا کہ میں مظلوم ہوں مجھے ناحق عبداللہ بن یزید نے قید کر رکھا ہے آپ اس کو میری رہائی کی سفارش لکھیں۔ انہوں نے واقعتہً ایسا خط عبداللہ بن یزید کو لکھا۔ جس کے نتیجے میں انہیں رہا کر دیا۔

اب مختار نے اس سفارشی خط والی بات تو چھپا لی صرف اس بات کو مشہور کیا کہ یہ میری کرامت ہے کہ میں نے جب چاہا رہائی حاصل کر لی ہے۔ لوگوں نے بھی اس بات کو کرامت سمجھا اور اس کا خوب چرچا کیا..... اب لوگ اس کے پاس عقیدت اور نیازمندی کے ساتھ آنے جانے لگے۔

انہیں دنوں ایک واقعہ رونما ہوا کہ عبداللہ بن زبیر نے کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید کو معزول کر کے عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ اس تبدیلی کو بھی مختار کی کرامت سمجھا گیا..... لوگوں کا اعتقاد اور پختہ ہو گیا اس کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ آخر سرکاری فوجوں کے ساتھ جنگ

Marfat.com

ہوئی جس کے نتیجہ میں مختار کامیاب ہوااور یوں کوفہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی قلمرو سے نکل گیا۔

مختار ثقفی کو اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا ایک اور طریقہ ہاتھ آ گیا۔ وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خلافت کے دور میں جس کرسی پر بیٹھ کر احکام جاری فرمایا کرتے تھے۔ وہ جعدہ بن ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس تھی۔ (جعدہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے تھے) مختار نے کوفہ میں اپنا سکہ بٹھا کر اس کرسی کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔

جعدہ کی نظر میں مختار اس کرسی پر بیٹھنے کے قابل نہ تھا..... علاوہ ازیں چونکہ مختار نے اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ وہ ان سے یہ کرسی زبردستی بھی لے سکتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ایک ہفتہ کی مہلت مانگی کہ وہ اسے تلاش کر کے دیدیں گے۔ مگر مختار نے تین دن سے زیادہ کی مہلت نہ دی۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر تم نے تین دن تک وہ کرسی نہ دی تو تم پر سختی اور تشدد کیا جائے گا۔

جعدہ کے محلہ میں ایک روغن فروش رہتا تھا اس کے پاس بھی اس قسم کی کرسی تھی۔ جعدہ نے وہ کرسی اس کے پاس سے خریدی اور پوشیدہ طور پر اپنے گھر لے آیا۔ اس کو خوب صاف کیا۔ اور بڑے تکلف و احتیاط کے ساتھ غلافوں میں لپیٹ کر مختار کے پاس لے گیا۔

مختار نے کرسی لے کر جعدہ کو خوب انعام و اکرام سے نوازا کرسی کو بوسہ دیا۔ اس کو سامنے رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے مریدوں کو جمع کر کے کہا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اسرائیل کے لئے تابوت سکینہ کی موجب نصرت و برکت بنایا تھا۔ اسی طرح شیعان علی کیلئے اس کرسی کو نشانی قرار دیا ہے اب ہم کو ہر جگہ فتح و نصرت ہوگی۔

اس کے مریدوں نے اس کرسی پر آنکھیں ملیں۔ بوسے دیئے۔ اور اس کے آگے سر جھکائے پھر مختار نے حکم دیا کہ ایک تابوت بنایا جائے۔ چنانچہ نہایت خوبصورت تابوت تیار ہوا۔ اس کے اندر وہ کرسی رکھی گئی۔ چاندی کا قفل لگایا۔ اور پھر اس تابوت کی حفاظت کے لئے آدمی متعین کئے جامع مسجد کوفہ میں وہ تابوت رکھا گیا۔ ہر شخص نماز پڑھنے کے بعد اس تابوت کو بوسہ دیتا تھا۔

پھر یکدم مختار نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے مریدین اس کے امتی کہلانے لگے۔ وہ خدا کے فرشتے کی آمد کے نئے نئے افسانے گھڑنے لگا۔

عبداللہ بن یزید کو نہ تو اس کا سیاسی اقتدار پسند تھا اور نہ ہی اس کا روحانی شہرہ۔ اب جو اس

Marfat.com

نے نبوت کا دعویٰ کیا۔تو اس کے خلاف فوج کشی کی گئی۔مختار بھی فوج لے کر آ گیا۔دونوں فوجوں کا آمنا سامنا مدآزا نامی گاؤں کے قریب ہوا جس میں مختار کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔اور کوفہ میں جا کر قصر الامارات میں محصور ہوگیا۔

محمد بن اشعث نے اس کا تعاقب کیا۔اور دارالامارات کا محاصرہ کرلیا۔جو کئی روز تک جاری رہا۔محصورین کے پاس جب سامان رسد ختم ہوگیا تو دروازہ کھولنے پر مجبور ہوئے۔پھر جنگ ہوئی۔مختار مارا گیا۔مختار کے دونوں ہاتھ کٹوا کر جامع مسجد کوفہ کے دروازے پر لٹکا دیئے گئے۔جو حجاج کے عہد امارت تک وہاں لٹکے رہے۔

تاریخ اسلام

ازمولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

دعویٰ خدائی

حکیم مقنع مرو کا باشندہ تھا وہ ایک نئے انداز سے 159ھ میں فساد فی الارض کے لئے نمودار ہوا۔اس نے سونے کا چہرہ بنوایا اور اپنے چہرے پر لگالیا۔اس کا چمکتا دمکتا چہرہ لوگوں نے دیکھا تو اس کے گرد جمع ہوگئے کہ سنیں وہ کیا کہتا ہے اور کس امر کی تبلیغ کرتا ہے۔

وہ دائیں بائیں پھدکتا پھرا۔آخر لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اے چمکتے چہرے والے تیرا تعلق کس مخلوق سے ہے۔تو ہم میں کس مقصد کے لئے آیا ہے۔ہمارے لئے تیرا کیا پیغام ہے۔

مقنع بولا۔لوگو میں مخلوق نہیں ہوں میں تو مخلوق کو پیدا کرنے والا ہوں۔میں تمہارا خدا ہوں۔تمہارا کارخانہ حیات میرے دم سے چل رہا ہے۔آج تک تم نے زمین پر بڑے بڑے فساد پھیلائے، بڑی خونریزیاں کیں، میرے بندوں کو مارا، پیٹا، جلایا اور قید کیا۔آخر مجھے خود تمہارے پاس آنا پڑا۔

سنو! خدا نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کے جسم میں خود حلول کیا۔اس کے بعد نوح میں۔پھر ابو مسلم اور ہاشم میں۔اب تم سمجھو میرے اندر بھی اس خدا کی روح ہے یعنی مجھ میں خدا نے حلول کیا ہے۔آؤ میرے گرد جمع ہو جاؤ ہم سب مل کر اس زمین کو ظلم وستم سے پاک کردیں۔

مقنع کی اس دعوت پر خراسانی اس کے متبع ہوگئے۔اسے سجدہ کرنے لگے۔مقنع نے قلعہ

Marfat.com

بسام و شجردہ (علاقہ، ماوراالنہر) میں قیام کیا۔ اہل بخارا۔ اہل صغد اور ترک بھی اس کی جماعت میں آ گئے۔ اس طرح ایک لاکھ کی جمعیت اس نے جمع کر لی۔

پھر جس مقنع کا قتال فی الارض کو روکنے کا دعویٰ تھا اس نے ہی تلوار اٹھانے اور چلانے کا حکم دیدیا مسلمانوں کے سر کٹنے لگے۔

اس وقت خلیفہ مہدی کی حکومت تھی۔ اسے جب اس نئے فتنے کی خبر ہوئی۔ تو اس نے بخارا اور صغد پر فوج کشی کی۔ چار ماہ تک جنگ رہی۔ آخر بڑی مشکل سے اس نئے فتنہ کو ختم کرنے میں مسلمان کامیاب ہوئے۔ مقنع بھاگ گیا۔ مگر سعید حریشی، عقبہ بن مسلم نے مزید قتال کیا۔ مقنع اپنے قلعہ میں محصور تھا۔ سامان رسد ختم ہوا تو اس کے لشکری بغاوت پر اتر آئے۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔

مقنع نے جب دیکھا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے۔ تو اس نے آگ جلا کر اپنے تمام اہل و عیال کو اول آگ میں دھکا دے کر جلا دیا۔ پھر آپ بھی آگ میں کود پڑا۔ اور مر گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کی جلی ہوئی لاش آگ میں سے نکالی۔ اور اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس بھیج دیا۔

مقنع کا چہرہ بری طرح مسخ ہو چکا تھا وہ دانت نکالے اپنے دعویٰ خدائی پر یا رو رہا تھا یا ہنس رہا تھا۔

تاریخ اسلام

ازمولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

جادو

مغیرہ بن سعید عجمی خالد بن عبداللہ قسری والیٔ کوفہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے حضرت امام محمد باقر کی وفات کے بعد امامت کا اور پھر نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ لوگوں سے کہنے لگا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس کی مدد سے مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اور لشکروں (دشمن کے لشکروں) کو شکست سے دوچار ہونے والا بنا دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ قوم عاد و ثمود کے لوگوں کو بھی زندہ کر کے ان سے گفتگو کروا سکتا ہوں۔

Marfat.com

حقیقت یوں ہے کہ مغیرہ بن سعید نے جادو اور آسیب کا علم سیکھا ہوا تھا۔ وہ لوگوں کے ہمراہ قبرستانوں میں جا کر ساحرانہ کلمات پڑھتا تھا تو ٹڈیوں کی طرز کے چھوٹے چھوٹے جانور قبروں پر اڑتے دکھائی دیتے تھے۔

مغیرہ کی ان محیر العقول باتوں کے جال میں بہت سے لوگ پھنس گئے اور اس کی نبوت کا اقرار کرنے لگے۔

جب خالد بن عبداللہ قسری کو جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی طرف سے عراق (کوفہ) کا امیر تھا' کو معلوم ہوا کہ مغیرہ مدعی نبوت ہے اور اس نے طرح طرح کی بدعتیں جاری کر رکھی ہیں تو اس نے 119ھ میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس کے چھ مرید بھی پکڑے گئے۔

خالد نے مغیرہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں نبوت کا دعویٰ ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس کے مریدوں سے پوچھا گیا کہ کیا تم بھی اس کے نبی ہونے کا اقرار کرتے ہو۔ انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ خالد نے مغیرہ کو اس ارتداد کی کڑی سے کڑی سزا دینا چاہی جو اس کے خیال میں سما سکی۔

اس نے سرکنڈوں کے گٹھے اور تیل منگوایا۔ خالد نے مغیرہ کو حکم دیا کہ ایک گٹھے کو پکڑ کر بغل میں دباؤ۔ مغیرہ ہچکچایا۔ خالد نے جلاد سے کہا اسے کوڑے مارو۔ چنانچہ اس نے ایک گٹھا اٹھا کر بغل میں لے لیا۔ خالد نے کہا اس گٹھے کو اس کے ساتھ باندھ دو۔ اب ایک دوسرا گٹھا اس کی دوسری بغل میں دے کر باندھ دیا گیا۔ اب گٹھوں پر تیل چھڑکا اور آگ لگا دی۔

مغیرہ چلانے لگا۔ مگر بڑی جلدی اس کے چیخنے چلانے کی آواز آگ کے تڑاخوں کی آواز میں گم ہو گئی اور مغیرہ راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

اپنے نبی کا حشر دیکھ کر اس کے پیروکار خالد کے پاؤں چاٹنے لگے کہ انہیں معاف کر دیا جائے۔ مگر خالد نے انہیں معاف نہیں کیا۔ جلاد کو حکم دیا گیا کہ ان کے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں۔ پھر جلاد کی تلوار نے آن واحد میں چھ سر ان کے جسموں سے الگ کر دیئے۔

آئمہ تلبیس

از ابوالقاسم رفیق دلداری

Marfat.com

دعویٰ ربوبیت

ابوعلی منصور ملقب بہ الحاکم بامراللہ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ شخص شاہان بنوعبید کا چھٹا فرمانروا تھا جو 386ھ سے 411ھ تک برسر حکومت رہا۔ علم نجوم میں اسے دخل تھا۔ اس کے احکام وتاثیرات کو دل سے مانتا تھا۔ ظلم وجور کا خوگر تھا۔ سخت گیر اس درجہ کا تھا کہ ارکان سلطنت اس کی ہیبت وجلال سے لرزتے رہتے تھے۔ اس کے عہد سلطنت میں بہت سے شرفا واعیان بخوف جان وآبرو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ امام سیوطی نے اس کو تاج زندیقاں کا خطاب دیا ہے اور بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے بعد مصر کے تخت سلطنت پر حاکم سے بدتر کوئی فرمانروا نہیں بیٹھا۔

الحاکم نے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے اپنے تئیں سجدے کروائے۔ اس نے حکم دیا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ بسم الحاکم الرحمٰن الرحیم لکھا کریں۔

چونکہ وہ وقت کا حکمران تھا۔ دربار حکومت سے فائدہ اٹھانے والے سب اس کے حلقہ میں داخل ہوگئے۔ 396ھ میں اس نے حکم دیا کہ جب میں کسی بازار یا گلی میں سے گزروں تو مجھے ملنے والے سب میرے آگے سجدہ ریزی کریں۔ جب مسجد میں خطیب منبر میرا نام لے تو سب لوگ کھڑے ہو جایا کریں۔

الحاکم کے دعوائے ربوبیت اور دعوائے نبوت پر اگرچہ بہت سے علماء تلملائے مگر اس کے قتل کرنے میں اس کی اپنی بہن آگے نکل گئی۔ اس نے ابن دواس سپہ سالار کو بلا بھیجا اور اس سے کہنے لگی کہ میرا بھائی بدعقیدہ ہوگیا ہے اور اس کی بداعتقادی سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے ٹھکانے لگا دو۔ لیکن خبردار یہ راز افشا نہ ہونے پائے ورنہ تیری اور میری دونوں کی خیر نہیں۔ اگر تم اس خدمت کو حسن سلوک سے انجام دو گے تو تمہیں بڑا عروج نصیب ہوگا اور ایک بڑی جاگیر کا مالک بنا دوں گی۔

ابن دواس جس کے دل میں پہلے ہی کھٹکا پیدا ہو چکا تھا' بے تامل اس کام پر مستعد ہوگیا اور دو شخصوں کو الحاکم کی جان لینے پر متعین کر دیا۔

حاکم عموماً رات کے وقت گدھے پر سوار ہو کر شہر کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس نے کوہ مقطم پر ایک

Marfat.com

مکان بنوار کھا تھا جہاں جا کر کواکب کی روحانیت جذب کرنے کے لئے تنہا رہا کرتا تھا۔

چنانچہ 17 شوال 411ھ کو حسب معمول رات کے وقت اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا۔ دو سوار اس کے ساتھ تھے۔ مکان کے قریب پہنچ کر اس نے دونوں سواروں کو یکے بعد دیگرے واپس بھیج دیا اور خود مکان میں داخل ہو گیا۔ پھر اچانک اس نے دروازے پر دستک سنی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کے ساتھ آنے والے سوار دوبارہ واپس آئے ہیں۔ اس نے دروازہ کھولا تو ابن دواس کے دونوں آدمی جلدی سے اندر داخل ہو گئے اور الحاکم کو قتل کر دیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

چند روز تک اراکین سلطنت اس کی آمد کے منتظر رہے بالآخر قاضی مظفر صقلی اور بعض دوسرے مصاحب تلاش کو نکلے اور جب کوہ مقطم پر چڑھے تو اس کے گدھے کو دیکھا کہ مرا پڑا ہے۔ اس کی ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں۔ آگے بڑھے تو حاکم کا پھٹا ہوا کپڑا ملا جس سے ثابت ہو گیا کہ چھریوں کے زخم لگائے گئے ہیں۔

جب اس کے قتل میں کوئی شک و شبہ نہ رہا تو ارکان دولت جمع ہو کر اس کی بہن بنت الملک کے پاس گئے جو امور سلطنت میں بہت کچھ دخیل تھی۔

پھر ابن دواس حاضر ہوا۔ بنت الملک کی رائے سے حاکم کے خورد سال بیٹے علی نام کو سر بر سلطنت پر متمکن کیا گیا۔

دوسرے دن وہ ابن دواس اور دوسرے قوی سرداروں کے ہمراہ پھوپھی بنت الملک کے پاس حاضر ہوا مگر بنت الملک کے اشارے پر قتل کر دیا گیا۔ بنت الملک بار بار یہ کہتی رہی کہ یہ الحاکم کے قتل کا بدلہ ہے۔

آئمہ تلبیس

از ابوالقاسم رفیق دلداری

نقب

سلطان نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ سلطان عمادالدین زنگی کی وفات کے بعد 1146ء میں شام کے تخت پر بیٹھا اور 1173ء تک بڑی کامیاب حکومت کی۔ بڑا نیک دل اور بہادر بادشاہ تھا۔

Marfat.com

اس کا نام سن کر آج بھی یورپ کے سورمے اپنی قبروں میں بے چین ہو جاتے ہیں۔

نورالدین زنگی 1162ء کے مارچ کی ایک رات اپنے محل میں سویا ہوا تھا۔ کہ اسے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ حضور نبی پاک ﷺ دو آدمیوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ آپ سخت غصے میں ہیں اور فرما رہے ہیں نورالدین انہیں دیکھو۔ مجھے یہ تکلیف دے رہے ہیں۔

نورالدین زنگی اٹھے وضو کیا۔ نفل پڑھے اور لیٹ گئے پھر حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ اب بھی وہ دونوں شخص دکھائے گئے اور حضور ﷺ نے فرمایا نورالدین مجھے ان دونوں سے خلاصی دلاؤ۔

نورالدین زنگی پھر اٹھے۔ وضو کیا اور نفل پڑھے اور سوئے..... اب تیسری بار پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔ نورالدین اٹھے کہا اب نیند کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین اصفہانی کو بلایا۔ اور واقعہ بیان کیا۔ وزیر نے کہا تاخیر نہ کیجئے فوراً مدینہ چلئے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے۔ یقیناً مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہئے۔

نورالدین زنگی، اس کا وزیر جمال الدین اصفہانی اور بیس دوسرے ارکان سلطنت کے ہمراہ تیز رفتار اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی جانب چل دیئے اور دن رات سفر کر کے شام سے مدینہ پہنچے۔

امیر مدینہ نے اچانک آنے کی وجہ دریافت کی۔ سلطان نے سارا واقعہ سنایا۔

امیر مدینہ نے کہا۔ میں سارے لوگوں کو آپ کے سامنے لاتا ہوں اور ان شخصوں کو پہچانیں جو آپ کو خواب میں دکھائے گئے ہیں۔

گورنر نے پورے شہر میں منادی کروادی کہ سلطان اہل مدینہ کو انعام و اکرام سے نوازنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آئیں اور اپنا انعام لے جائیں۔

پورے مدینہ کے لوگ قطار در قطار آنے لگے اور انعام پانے لگے۔ لیکن جن شخصوں کو خواب میں دکھایا گیا تھا وہ دکھائی نہ دیئے۔ لوگوں سے پوچھا گیا۔ کیا کوئی اور شخص ہے جو انعام لینے نہ آیا ہو۔

لوگوں نے کہا دو درویش ہیں جو ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اہل

Marfat.com

مغرب میں سے ہیں۔ بڑے صالح ،سخی ،متدین ،عفیف اور گوشہ نشین ہیں۔نہایت خدا پرست ہیں جنت البقیع میں پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

سلطان نے ان کو بھی طلب کیا۔

جونہی وہ سلطان کے سامنے آئے فوراً پہچان لئے گئے۔مگر تفتیش سے قبل کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ان سے مصافحہ کیا۔عزت سے بٹھایا اور ان سے باتیں کیں۔پھر گفتگو کرتے ہوئے ان کے حجرہ تک چلے گئے۔

حجرہ کے فرش پر ایک معمولی چٹائی بچھی تھی۔طاق پر قرآن پاک کا ایک نسخہ اور کچھ کتابیں رکھی تھیں۔اور کچھ فقرائے مدینہ کو صدقہ کرنے کا سامان رکھا تھا۔بس حجرہ میں ان کی یہ کل کائنات تھی۔

سلطان بڑا حیران ہوا.....ظاہری طور پر وہ لوگ بڑے شریف النفس اور فقیر تھے۔عبادت اور شب بیداریوں کے باعث ان کے چہروں کے رنگ پیلے تھے۔وہ کوئی ایسا خطرناک کام کرنے والے دکھائی نہ دیتے تھے۔سلطان نے کہا یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ہم ان لوگوں سے کس بنا پر پوچھ گچھ کریں۔

جب یہ لوگ واپس آنے لگے تو ایک جگہ پر تھرتھراہٹ محسوس کی گئی۔ چٹائی کو اٹھایا تو اس کے نیچے پھٹے رکھے تھے۔ پھٹوں کو ہٹایا گیا تو ایک گڑھا تھا جس کی تہہ میں ایک سرنگ کا پتہ ملتا تھا۔سرنگ حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس تک جارہی تھی۔

اسی وقت ان دونوں لعنتیوں کو گرفتار کرلیا گیا اور ان سے ساری کیفیت دریافت کی۔تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ رومی عیسائی ہیں۔ہم کو عیسائی بادشاہوں نے بہت سا مال دیا ہے اور بہت کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ہم مغربی حجاج کا بھیس بدل کر یہاں آئے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جسد مبارک نکال کر روم میں لے جائیں تا کہ مسلمانوں کا مرکز ختم ہو جائے اور ان کا شیرازہ بکھر جائے.....ہم چند سالوں سے سرنگ لگانے کے کام میں مشغول ہیں جو مٹی ہم نکالتے تھے اسے چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر لے جاتے اور بقیع کے میدان میں بکھیر دیتے۔ابھی چند دن کی بات ہے بڑا سخت طوفان باد و باراں آیا جس سے مدینہ کی زمین کانپ گئی۔ہم خود بھی ڈر گئے کہ ہمارے کام کا راز افشا نہ ہو جائے۔ہمارا اندازہ درست نکلا ہے۔حضور (ﷺ) نے مسلمانوں

Marfat.com

کو بتا دیا اور ہم پکڑے گئے۔ کاش ہمیں مسلمانوں کے نبی کے زندہ ہونے کا یقین ہوتا تو ہم ایسے برے کام کے لئے آمادہ نہ ہوتے۔

ان باتوں کو سن کر سلطان آتش غضب سے بھڑک اٹھا اور ساتھ ہی رقت طاری ہو گئی۔ وہ بہت رویا۔ پھر روضہ کی جالی کے نیچے ان کی گردن ماردی۔ ان کی لاشوں کو جلایا۔ اور ان کی راکھ کو سمندر اور ہوا میں بکھیر دیا۔

روضہ شریف کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی کہ پانی نکل آیا۔ پھر سیسہ پگھلوا کر اس خندق میں بھروایا گیا تا کہ کل کوئی مفسد اور ملعون دوبارہ ایسا کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

سیرت النبی بعد از وصال نبی ﷺ

از محمد عبدالمجید صدیقی

پندرہ روزہ آواز نقشبند چوک پھلروں

یکم نومبر 2000ء

قسم

صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبی کے مقابل ایک شخص ریجی نالڈ بھی تھا۔ اس کا تعلق شام کے فرماں رواؤں سے تھا اور کرک کا حکمران تھا۔ اسے پرنس ارطاۃ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ یہ سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ شر و فساد اس کی ذات میں داخل تھا۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کو بھڑکاتا رہتا تھا۔ تاریخ میں اسے مکار اور قزاق کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک عہد و پیمان کی کوئی وقعت نہ تھی۔ معاہدہ کو توڑنے میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اس کو اس بات میں بڑی مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کارروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے لوٹ لیتا تھا۔

آخر ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا فیصلہ کیا تا کہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے مزار پاک اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کر دے۔ وہ ایک بحری بیڑہ لے کر خلیج عقبہ کے ساحل پر آ گیا اور بحری راستہ بند کر دیا۔

مسلمانوں کی فوجوں نے اس بیڑے کا تعاقب کیا۔ فرنگیوں کو جونہی مسلمانوں کی آمد کی خبر

Marfat.com

ہوئی وہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے بدوؤں کے گھوڑوں سے کام لیا اور غاروں تک ان کا پیچھا کیا۔ اور ان فرنگیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ مگر ریجی نالڈ بچ کر بھاگ گیا۔

اس نے مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹنے کا مشغلہ اب بھی جاری رکھا۔

574ھ بمطابق 1179ء میں ایک کارواں جو اس کے قلعے کے نیچے اترا تھا لوٹ لیا گیا۔ کارواں کے تمام آدمی گرفتار کر لئے گئے۔

حکومت یروشلم نے اس کی اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ کارواں کو رہا کیا جائے اور لوٹا ہوا مال بھی واپس کر دیا جائے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو قسطنطنیہ پر صلاح الدین ایوبی فوج کشی کر سکتا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ قسطنطنیہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔

اتفاق کی بات کہ اس قافلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی بہن بھی تھی۔

ریجی نالڈ نے اس کے گلے پر سنگین رکھتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے تیرا بھائی؟ جو صلیبیوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔ آج اس کی بہن کی عزت و عصمت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہوں تو اسے لوٹ سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تاہم قید ضرور رکھوں گا اور اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک صلاح الدین صلیبیوں پر لشکر کشی ختم نہیں کرے گا۔

قافلہ کے لوگوں نے جب قافلہ کی رہائی کے لئے کہا تو ریجی نالڈ نے طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑائیں۔

اس تمسخر اور استہزا کی خبر صلاح الدین ایوبی کو پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا، خدا نے چاہا تو اس گستاخ کو میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔

محرم 583ھ میں صلاح الدین ایوبی دمشق سے روانہ ہوا۔ اور یروشلم کی جانب بڑھا۔ دونوں طرف سے خوب تلواریں چمکیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آخر صلیبیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور 90 سال کے بعد یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ابن کثیر کے مطابق جنگ میں اتنے صلیبی قتل ہوئے کہ اندازہ ہوتا تھا کہ ساری صلیبی فوج قتل ہوئی ہے اور قیدیوں کو دیکھ کر خیال ہوتا کہ کل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی ہے۔

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ یروشلم کا بادشاہ

Marfat.com

گائی بھی اِن میں شامل تھا۔ ریجی نالڈ بھی ان میں کھڑا تھا۔ جسے سلطان نے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا ہوا تھا۔

گائی اسے بچانا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لئے پانی مانگا..... سلطان نے ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ اس نے خود تھوڑا سا پانی پی کر باقی ریجی نالڈ کو دیدیا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب جس قیدی کو کھانا پانی دے دیتے ہیں اسے قتل نہیں کرتے۔ گویا وہ مامون ہو جاتا ہے۔

اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا۔ اس لئے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھ سے مانگا ہوا پانی تم نے اسے دیا ہے اگر تمہارے مذہب میں ایسے شخص کی حفاظت کرنا ہے تو تم اس کی حفاظت کرنے میں ہتھیار بند ہو سکتے ہو اس صورت میں مجھے تم سے جنگ کرنا ہوگی۔

اب تمام قیدیوں کو کھانے کے لئے رخصت کیا گیا۔ صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا گیا۔ ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گزشتہ بداعمالیوں کو گنا گیا۔ اور کہا۔ اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں۔

یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا۔ انہوں نے رہائی کی درخواست کی تھی تو اس ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا کہ تم اس وقت محمد ﷺ کو چھڑانے کے لئے کیوں نہیں کہتے۔

گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا تاہم اس نے اسلامی اصول کے مطابق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا مگر اس نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔

اب سلطان اٹھا۔ تلوار میان سے باہر نکالی۔ کہا

ریجی نالڈ کو میں حکم دیتا ہوں کہ اپنا سر کٹوانے کے لئے تین قدم آگے آجائے۔

ریجی نالڈ کو موت دکھائی دینے لگی۔ اس کے تو ایک ایک رونگٹے سے جان نکل چکی تھی۔ وہ آگے کیا بڑھتا۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے اسلام قبول کرنے کی دعوت کیوں ٹھکرا دی ہے۔

سلطان فوراً آگے بڑھا بازو سے پکڑا اور کھلی جگہ پر لے آیا۔ پھر اس کی تلوار ہوا میں لہرائی اور ریجی نالڈ کا سر قلم کر کے اس کی قسم پوری کر دی۔

تاریخ اسلام
از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

بے راہ روی

شیخ مبارک کا بڑا بیٹا ملا فیضی 1547ء میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ بڑا ذہین تھا۔ اتنا ذہین کہ ایک بار کتاب پڑھنے سے زبانی یاد ہو جاتی تھی۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور دیگر کئی زبانوں کی لغت پر اس کی گرفت تھی۔ علم طب، شاعری، ریاضی، تاریخ، تفسیر اور حدیث جیسے علوم میں خصوصی ادراک حاصل تھا۔ اس نے تفسیر سواطع الالہام لکھی جس میں کوئی لفظ بھی نقطے والا نہ تھا۔ اسی لئے اسے بے نقطہ تفسیر بھی کہتے ہیں۔

1568ء میں جب اکبر نے قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کیا تو فیضی کے علم کی شہرت سنی وہ اسے اور اس کے چھوٹے بھائی ابوالفضل کو ساتھ لیتا آیا اور مغل شہزادوں کی اتالیقی اس کے سپرد کی..... جوہر قابل تھا بڑی جلدی ترقی کے زینے طے کرنے لگا۔ اور اکبر کے نورتنوں میں شامل ہو گیا۔

اکبر کو بے راہ کرنے والا یہی شخص ہے۔ اس کا رجحان دہریت کی طرف تھا۔ اکبر کو بھی اس نے دہریہ بنا دیا۔ یہاں تک کہ اکبر آگ اور سورج کی پوجا کرنے لگا۔ اس نے ایک نئے مذہب دین الٰہی کا نفاذ کیا کلمہ طیبہ کے الفاظ بدل دیئے۔ مساجد کی جگہ مندر بنائے جوئے اور شراب کو خوب رواج دیا۔

غرضیکہ ہر وہ کام اکبر کرنے لگا جو اسلامی تعلیمات کے خلاف تھا۔ گویا کہ اکبر کو مکمل طور پر گمراہ کر دیا۔

آخر جب فیضی کی زندگی کے دروازے پر موت نے دستک دی تو اس کی زبان پر کفریہ کلمات تھے۔ جو سنتا اس پر لعنت بھیجتا۔ گھر گھر میں اس کی کفریہ باتوں کا ذکر ہونے گا۔ ہر شخص کانوں پر ہاتھ رکھ کے توبہ توبہ کہنے لگتا..... پھر لوگ یہ کہنے لگے کہ اللہ اس کی زبان کو جلدی بند کرے۔ ہم میں ایسے الفاظ سننے کی تاب نہیں ہے..... یہ شخص واجب القتل ہے۔ مگر اسے قتل کون کرے؟ وہ تو بادشاہ کا محبوب نظر ہے۔

پھر اچانک یہ خبریں سننے میں آئیں کہ فیضی کتے کی طرح بھونکنے لگا ہے۔ جو اس کے قریب آتا ہے اسے کاٹنے کو آگے بڑھتا ہے۔ زبان بھی اس کی باہر نکل آئی ہے اور رال بھی ٹپکنے گی ہے۔ اور بعض اوقات اپنے ہی بازوؤں کو کاٹنے لگتا ہے۔

Marfat.com

فیضی کی اس حالت پر اکبر کو بھی نفرت ہونے لگی۔ اسے ایک کمرے میں مقید کر دیا گیا۔ وہ باہر نکلنے کو دروازہ توڑتا رہتا۔ اور کتے کی طرح بھونکتا رہا پھر جب اس کی آواز بند ہوئی تو دروازہ کھول کے دیکھا گیا۔ فیضی کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ مرا پڑا تھا۔

کریسنٹ تاریخ ہندو پاکستان
از مستنصر باللہ ایم اے

نبوت کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی جماعت احمدیہ کے بانی ہیں قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں 13 فروری 1839ء پیدا ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق 37ء، 1840 سن بھی لکھا گیا ہے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں 1864ء میں اہلمد کی حیثیت سے -/15 روپے ماہانہ پر ملازم ہوئے لیکن چند سال کے بعد 1863ء میں نوکری چھوڑ دی۔ سیالکوٹ میں قیام کے دوران مذہبی امور میں ان کی دلچسپی بڑھی مختلف مذاہب اسلام، عیسائیت اور ہندو مذہب کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا۔ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں مہارت پیدا کی۔ پھر عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں سے مباحثے اور مناظرے کرنے لگے۔ ضدی اور ہٹ دھرم قسم کا انسان تھا۔

بحث مباحثے میں بے باکانہ گفتگو کرتا اور مناظرہ جیت جانے کا دعویٰ کرتا۔ اس فتح مندی میں اپنی معلومات پر اسے ناز ہونے لگا اور خودسری کی راہ پر اتر آیا چنانچہ 1891ء میں اس نے مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق احمدیہ جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں نہ آسمان پر اٹھایا گیا اور نہ ہی وہ مصلوب ہوئے بلکہ کشمیر میں آ کر اپنی موت مرے۔

1892ء کے بعد ان کا زیادہ وقت مباحثوں، مباہلوں، پیشین گوئیوں اور تصنیف کتب میں صرف ہونے لگا۔ انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ اور پھر 1901ء میں نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔

مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ان کے

Marfat.com

پیش نظر تو حضور ﷺ کی یہ حدیث ہر وقت رہتی ہے کہ

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)

مسلمان بھلا اس کے دعویٰ کو کب تسلیم کرنے والے تھے۔ دن رات مرزا صاحب پر لعنتوں کی بارش ہونے لگی۔ اس نبی کا حال تو یہ ہوا کہ جیب میں گڑ کے ڈھیلے اور استنجا کرنے کے مٹی کے ڈھیلے رکھتا تھا۔ اس نبی کو یہ تک ہوش نہ تھا کہ وہ گڑ کے ڈھیلوں سے استنجا کر لیتا اور مٹی کے ڈھیلے کھا لیتا۔

آخر اس فتنہ پرور نبی کو بھی موت کا ذائقہ چکھنا تھا۔ اور اس کی موت کے منظر نے دنیا والوں کے لئے عبرت کے ثبوت چھوڑنے تھے۔

ادھر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ادھر انہیں بیماریوں نے جکڑ یا۔ انہیں ہسٹیریا یا مراق (مالیخولیا) ذیابیطس دردسر، تشنج قلب، مرگی، بواسیر، خارش، کثرت پیشاب، لکنت، داڑھوں کا کیڑا پیچش ہو گئی۔

اور موت کے وقت انہیں ہیضہ ہو گیا۔

مرزا بشیر احمد کے مطابق 25 مئی 1908ء تک مرزا کی حالت ٹھیک تھی۔ رات کے پچھلے پہر خراب ہو گئی۔ قادیانیوں نے دبے دبے اور ڈھکے چھپے الفاظ میں مرزا کے ہیضہ کی تفصیلات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں بڑا خوفناک ہیضہ ہوا۔ منہ اور مقعد دونوں راستوں سے غلاظت بہنے لگی۔ اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ لیٹرین تک جا سکتا۔ اس لئے چارپائی کے پاس اینٹیں رکھ دی گئیں۔ وہیں یہ نجاست انڈیلتا رہا۔ مسلسل پاخانوں اور الٹیوں سے اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ جب آخری دست کیا تو اٹھا نہ گیا۔ زندگی کا آخری چکر آیا اور چکرا کے اپنی ہی غلاظت پر گر کر 26 مئی 1908ء بروز منگل ساڑھے دس بجے رات جہنم واصل ہو گیا۔ گویا کہ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

جامی بی اے (علی گڑھ) نے ان کی موت پر یوں کہا

؎ موت پاخانے میں پائی حشر دوزخ میں ہوا
عہد نو کے مہدی موعود کی کیا شان ہے

مرزا کی لاش کو گاڑی میں رکھ کر قادیان روانہ کیا گیا۔ تابوت میں جو بھس رکھا گیا تھا اس سے

Marfat.com

بھی سخت بدبو آ رہی تھی۔ جسے حکومت نے آگ لگا کر خاکستر کر دیا کہ کہیں علاقے میں ہیضے کی وبا نہ پھیل جائے۔

1۔عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت
از صادق علی زاہد

2۔عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت
از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نعرہ رسالت

اہلسنت و جماعت کے مایہ ناز رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی جب 1952ء کی تحریک ختم نبوت میں شامل ہوئے۔ تو ایک پر جوش اور پر عزم قائد کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ اور مسجد وزیر خان کو مرکز بنا کر سارے پنجاب میں تحریک کو چلایا۔ تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ 1953ء میں حکومت کو مارشل لا لگانا پڑا۔

نیازی صاحب نے ان دنوں ایسی ولولہ انگیز اور شعلہ بار تقریریں کیں کہ پولیس کے ظلم وستم سے نڈھال لوگوں کو نئی زندگی مل گئی۔ اب ان لوگوں نے آستینیں چڑھالیں اور پولیس کے سامنے آ گئے۔ پولیس کے ڈنڈوں اور گولیوں کی کچھ پروا نہیں کی۔ بلکہ لاٹھیاں اور بندوقیں چھین لیں اور ان کی وردیاں پھاڑ کر برہنہ کر دیا۔ اس طرح لاہور پولیس کی حکومت سے آزاد ہو گیا۔

پولیس مسجد وزیر خان کی طرف منہ نہ کرتی تھی بلکہ انہوں نے بھی تحریک ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

فردوس شاہ ڈی ایس پی سٹی نے سوچا کہ جب تک مولانا عبدالستار خاں نیازی کو گرفتار نہ کیا جائے گا شہر میں سکون بحال نہیں ہو سکے گا۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا کہ نعرہ رسالت بلند ہوا۔ ایک بے پناہ ہجوم نے یا رسول اللہ کہا۔ ڈی ایس پی ہجوم میں گھر گیا۔ لوگوں نے اس کی وردی بھی پھاڑ دی اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب ان ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے اس کی لاش خون میں لت پت تھانہ کوتوالی میں پہنچی تو اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ جو گستاخان رسول کے لئے ایک عبرت کا سامان لئے ہوئے تھا۔

Marfat.com

اس کے خون اور مٹی کو دھونے کے لئے جب ماشکی پانی ڈال رہا تھا تو تھانے کے سپاہی بھی اس کے قریب نہ جاتے تھے کہ یہ ختم نبوت کا مخالف ہے۔

تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ایم اے

Marfat.com

غلاظت

پاکستان کے ممتاز قانون دان چودھری سر محمد ظفر اللہ خان 1893ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کنگز کالج لندن میں تعلیم پائی۔ لنکن ان سے بیرسٹری کی ڈگری لی۔ 1914ء تا 1935ء تک سیالکوٹ اور لاہور (ہائیکورٹ) میں وکالت کی۔ 1926ء تا 1938ء تک پنجاب مسلم لیگ کے صدر رہے۔ 1935ء تا 1941ء تک گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے۔ 1941ء تا 1942ء چین میں وائسرائے ہند کے ایجنٹ جنرل رہے۔ 1942ء تا جون 1947ء تک فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ ستمبر تا نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ دسمبر 1947ء میں پاکستانی کابینہ میں وزیر برائے امور خارجہ دولت مشترکہ مقرر ہوئے۔ 1948ء تا 1954ء تک اقوام متحدہ میں تصفیہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستانی موقف کی وکالت کی۔ 1954ء میں مستعفی ہوئے۔ 1954ء تا 1961ء، 1964ء تا 1973ء میں بین الاقوامی عدالت انصاف (ہیگ) کے جج رہے۔

اتنا عظیم شخص قوم کا ہیرو بن سکتا تھا مگر مذہب کے معاملے میں پھسل گیا اس نے قادیانی مذہب اختیار کیا۔ جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کا پیروکار بن گیا۔ اس کی علمی صلاحیتیں اس کی درست رہنمائی نہ کر سکیں۔ وہ زندگی بھر بڑے بڑے عظیم فیصلے کرتا رہا مگر اپنی زندگی کے لئے درست فیصلہ نہ کر سکا۔ اس نے سچے نبی کو چھوڑ کر جھوٹے نبی کی پیروی اختیار کی۔ اور پھر اس نبی کی تعلیمات کی تبلیغ کرتا رہا۔

قدرت نے اسے ڈھیل دیئے رکھی۔ اس کی رسی اس کے کندھے پر رکھدی۔ اور 92 سال تک یعنی اس عمر تک جبکہ وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیز گار آزادر کھا۔

لیکن اس شخص نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ اگر میں غلط راہ پر ہوں تو میری گرفت ہوتی۔ چونکہ مجھ پر دنیوی انعامات کی بارش ہے۔ لہٰذا مذہبی اعتبار سے جو رستہ میں نے منتخب کیا ہے وہ درست ہی ہے۔ آخر اس کا وقت آخر آ گیا۔

اللہ نے اس کے ہاتھ سے رزق کے لقمے چھین لئے۔ فتنہ قادیانیت کا یہ پوپ بستر مرگ پر

Marfat.com

بے ہوش پڑا رہا کبھی کبھی معمولی سی آنکھیں کھولتا اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو ہلکی سی نظر دیکھ لیتا۔ کھانے پینے سے عاجز اور غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے گلوکوز کی بوتلیں چڑھا رکھی تھیں۔ لیکن گلوکوز کا پانی پیلے رنگ کا محلول بن کر منہ کے راستے باہر نکل جاتا۔ اور اس پیلے رنگ کے محلول سے پاخانے جیسی بدبو اٹھتی۔ ڈاکٹر ٹشو پیپر سے بار بار اس غلاظت کو صاف کرتے لیکن غلاظت رکنے کا نام نہ لیتی۔

سر ظفر اللہ بستر پر پیشاب کرتا۔ کمرے میں اس شدت کی بدبو اٹھتی کہ ٹھہرنا مشکل ہوتا۔ بدبو اور دیگر حفاظتی تدابیر کو مدنظر رکھتے ہوئے قادیانی ڈاکٹروں نے اپنے مونہوں پر ماسک چڑھا رکھے تھے۔ عام ملاقات پر سخت پابندی تھی کیونکہ سر ظفر اللہ کا یہ ہولناک انجام دیکھ کر کوئی بھی قادیانی قادیانیت سے تائب ہو سکتا تھا۔

اس حالت میں سر ظفر اللہ خان ایڑیاں رگڑ رگڑ کر 1985ء میں مر گیا۔ لیکن مرنے کے بعد بھی اس کے منہ سے غلاظت جاری رہی۔ جس سے بچنے کے لئے قادیانی ڈاکٹر اس کا منہ کھول کر گلے میں روئی کا گولہ ٹھونس دیتے۔ لیکن یہ خدائی عذاب ان روئی کے گولوں سے کب رکتا تھا۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

مرگ مرزائیت
از طاہر رزاق

قادیانی خلیفہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود 1889ء میں پیدا ہوئے۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد چونکہ حکیم نور الدین خلیفہ بنے تھے لہٰذا حکیم نور الدین کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود دوسرے خلیفہ 1914ء میں بنے۔

انہوں نے قادیانیت سٹیج پر اسی کام کو سنبھالا دیا۔ جس کام کا آغاز ان کے باپ نے کیا تھا۔ اس کی عقل اور سمجھ نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا اور 1965ء تک وہ احمدیت کی تبلیغ کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک طویل مدت یعنی نصف صدی تک ڈھیل دیئے رکھی اس نے ایک دنیا اپنے

Marfat.com

پیچھے کر لی۔

ان پیچھے لگنے والوں نے ذرا بھی آنکھ کھول کے نہ دیکھا کہ ان کا خلیفہ عورتوں کے حسن پر فریفتہ ہے۔ شراب میں مست رہتا ہے اور شغلِ زن کی خاطر عورتوں کے ساتھ خلوت میں رہتا ہے۔

شراب اور زن نے اس کے دماغ کے انجر پنجر کو ہلا کے رکھ دیا۔ وہ فاتر العقل ہو گیا آخر اس کے انجام کا وقت آ گیا اسے فالج ہو گیا یہ فالج لاعلاج اور مہلک ثابت ہوا۔ وہ چارپائی پر جکڑ دیا گیا۔ جہاں اس نے سسکیاں لینی اور ایڑیاں رگڑنیاں شروع کر دیں۔ وہ چلنے پھرنے سے عاجز ہو گیا تھا۔ وہ نیم جان لاشے کی طرح چارپائی پر پڑا رہتا لیکن کبھی کبھی وہ اچانک کروٹیں لینے لگتا اور دھڑام سے بستر کے نیچے آ گرتا۔ جس سے اس کو چوٹیں بھی آتیں۔ اسے گرنے سے بچانے کیلئے اس کی چارپائی کے گرد لکڑی کی دیواریں لگا کر جنازے والی چارپائی بنا دی گئی۔

قادیانیوں نے اپنے خلفیہ کو بچانے کیلئے کروڑوں روپے خرچ کئے' ہوائی جہاز کے ذریعے بیرونی ملکوں سے بہترین سے بہترین دوائیں منگوائی گئیں' بڑے بڑے ڈاکٹر آئے۔

آخر ڈاکٹروں کو کہنا پڑا کہ

''بیماری کا علاج تو ہو سکتا ہے لیکن خدائی پکڑ کا علاج ناممکن ہے''

کہا جاتا ہے کہ آخری وقت بھی وہ کتے کی طرح بھونکنے لگا تھا۔ وہ شام کے سات بجے مرا لیکن اس کی موت کا اعلان رات کے 2 بجے کیا گیا۔ موت کا اعلان سات گھنٹے کے بعد کیوں کیا گیا؟ سات گھنٹے تک یہ خبر قصر خلافت سے باہر کیوں نہ آئی' وجہ اس کی یہ تھی کہ بشیر الدین محمود کئی مہینوں سے نہایا نہیں تھا۔ ناخن' داڑھی اور سر کے بال بے تہاشا بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر غلاظت کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔

قادیانی جب انہیں ان امور کے بارے میں کہتے تو وہ انہیں ننگی گالیاں دینے لگتا تھا۔ مرنے کے بعد رگڑ رگڑ کر بشیر الدین کے جسم کو دھویا گیا۔ ناخن کاٹے گئے' سر اور داڑھی کے بالوں کو کاٹ کر آراستہ کیا گیا۔ جسم کی بدبو ختم کرنے کیلئے خوشبویات چھڑکی گئیں' چہرے پر پوڈر لگایا گیا' ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سرخی سجائی گئی' اس کے علاوہ منہ پر چمک پیدا کرنے والے کیمیکلز لگائے گئے اور اس کی چارپائی باہر رکھ دی گئی' مرکری کا ایک بلب اس کے سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف

Marfat.com

روشن کیا گیا۔ جب مرکری کے بلب کی روشن شعاعیں اس کے چمکیلے کیمیکلز لگے منہ پر پڑتیں تو اس کا بدبودار منہ چمکتا اور قادیانی شکاری سادہ لوح قادیانیوں سے کہتے کہ دیکھو جی حضرت صاحب کو کیا روپ چڑھا ہے۔

جانباز مرزا مرحوم نے کہا تھا۔

باطل کی نبوت باطل ہے یہ زہر ہے ابن آدم کو
یہ ٹولہ ہے ابلیسوں کا کہہ دو سارے عالم کو

Marfat.com

بردِ سازش

Marfat.com

زہر

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نواسے رسول ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں 3ھ میں ہوئی۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ آپ کو اکثر نانا جان کے کندھوں پر سوار دیکھا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا الٰہی میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔ آپ نے بغیر سواری کے پچیس حج ادا فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ تخت خلافت پر بیٹھے مگر 6 ماہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہو کر کوفہ سے مدینہ پاک میں تشریف لے آئے۔ مدینہ پاک میں جبیر بن نفیر نے ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پھر خلافت کے خواستگار ہیں۔

یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھ میں تھے یا عرب میری بیعت کر چکے تھے اس وقت یہ بات میرے اختیار میں تھی کہ میں جس سے چاہتا ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صلح کرا دیتا۔ اس وقت میں نے صرف اللہ کی رضامندی کے حصول کیلئے حلف سے دست برداری دیدی اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کو بہنے نہیں دیا۔

باوجود اس وضاحت کے یہ خطرہ بہر حال رہا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے خواستگار ہیں کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو شرائط طے پائی تھیں ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ اس بات کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محسوس کرتے تھے اور یزید بن معاویہ بھی۔

جب یہ احساس ذہنی طور پر ایک خطرہ بن گیا تو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جان سے ہی مار دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مؤرخین نے اس منصوبے کی تکمیل دو طرح سے لکھی ہے۔

1۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کو مدینہ شریف میں

Marfat.com

یزید نے خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ اگر تم امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے کر مار دو تو میں تم سے نکاح کرلوں گا۔

اس فریب میں آ کر جعدہ بدنصیب نے زہر دیدیا۔ جس کے اثر سے آپ شہید ہو گئے۔

اب جو جعدہ نے یزید سے نکاح کیلئے کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہا کہ جب تم شہزادہ اہل بیت کی جان لے سکتی ہو تو مجھے کب زندہ چھوڑو گی۔

2۔ مروان بن الحکم مدینہ کا گورنر تھا۔ وہ ظاہری طور پر گو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت رکھتا تھا مگر باطنی طور پر جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان کا دشمن تھا۔ اس نے ایسونیہ دلالہ کو جو بڑی زبردست کتنی تھی بلایا اور کہا کہ اگر تم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے کر شہید کر دو تو میں تمہیں ایک ہزار دینار اور پچاس دق مصری دوں گا۔ ایسونیہ لالچ میں آ گئی اس نے موقعہ پا کر اس صراحی میں زہر ڈال دیا جس میں سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو پانی پیتے تھے۔ رات کو جونہی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیاس کی شدت محسوس ہوئی اور پانی پیا۔ پانی پیتے ہی ایک آہ سرد دل پر درد سے کھینچی اور فرمایا۔ یہ پانی تھا یا کیا بلا کہ حلق سے زیر ناف تک ٹکڑے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں درد ہو کر قے شروع ہو گئی قے ایک طشت میں کروائی گئی تو جگر کٹ کٹ کر آنے لگا۔

ایک روایت کے مطابق 70 ٹکڑے جگر کے کٹ کے آئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ بھائی کا چہرہ سبز ہوا جا رہا ہے زندگی کی امیدیں ختم ہوئی جا رہی ہیں تو پوچھا۔ بھائی جان! مجھے بتا دیجئے کہ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ آپ نے فرمایا بھائی میں کسی پر الزام لگا کر خون ناحق اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ اس کا بدلہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

آپ کا انتقال ہو گیا اور جنت البقیع میں آپ کو والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

تاریخ الخلفا از امام جلال الدین سیوطیؒ

اوراق غم۔ از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

Marfat.com

اشتعال

جس طرح ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برآمکہ حکومت کے سیاہ وسفید پر چھا گئے تھے۔ایسے ہی مامون الرشید کے زمانہ میں وزیراعظم فضل بن سہل اوراس کے بھائی حسن بن سہل اپنی کارگزاریوں کے باعث مامون کے اقتدار پر چھا گئے تھے۔حکومت کا سب سیاہ وسفیدان کے ہاتھ میں تھا۔وہ ملک کی خبریں تک مامون کے کانوں تک نہ پہنچنے دیتے تھے۔

یہ دونوں عجمی تھے۔ ہرثمہ بن اعین عرب تھا۔ ہرثمہ کو فضل اور حسن کا اقتدار پسند نہ تھا۔ وہ مامون کو وقت سے پہلے ان کے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ جب ابوالسرایا کا فتنہ ہرثمہ نے دبالیا تو اس نے پورا پروگرام بنایا کہ اس خوشی کے جشن میں وہ مامون کو فضل اور حسن کے فتنہ سے ضرور آگاہ کرے گا۔ مگر اسے راستہ ہی میں مامون کا حکم ملا کہ ہم آپ کے کارناموں پر بڑے خوش ہیں آپ کی خدمات کے صلے میں حجاز وشام میں سے جس کو آپ پسند کریں وہاں کا حاکم بنایا جاتا ہے۔لہٰذا حکم ملتے ہی فوراً روانہ ہو جایئے۔مگر ہرثمہ کے نزدیک اس عہدہ کی قبولیت کی نسبت فضل کے استبداد کی جانب اسے متوجہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔اس نے اس حکم کی فوری تعمیل نہ کی۔

فضل بن سہل کو ہرثمہ کے اس ارادہ کا پتہ تھا۔وہ اس سے انتقام لینے پر تل گیا۔اس نے مامون کو بھڑکا دیا کہ ہرثمہ ابوالسرایا کا خاص آدمی ہے اوراس کی بغاوت میں اس کا ہاتھ بھی ہے۔ اس کی سرکشی کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اس نے امیرالمومنین کے حکم پر عمل نہیں کیا۔اگر حضور نے درگذر سے کام لیا تو دوسروں پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ مامون فضل کے بھڑکانے میں آ گیا اور ہرثمہ ابوالسرایا کے فتنہ کو دبانے کی خوشی کی خبر لے کر آ رہا تھا۔وہ جونہی دربار کے قریب پہنچا اس نے اس خیال سے کہ فضل اس کی آمد کو مامون سے چھپا نہ سکے طبل ودمامہ بجاتا ہوا داخل ہوا۔

مامون نے آواز سنی تو پوچھا یہ کیا ہے۔

فضل کے آدمیوں نے کہا کہ ہرثمہ کڑکتا اور چمکتا ہوا آ رہا ہے۔

مامون پہلے ہی اس سے برگشتہ تھا۔اس واقعہ نے اسے اور برہم کر دیا۔جونہی اس نے ہرثمہ کو دیکھا یہ گرجنے لگا۔

کیا تم نے کوفہ میں علویوں کو بڑھنے کا موقعہ دیا ہے ابوالسرایا کو بھڑکایا ہے۔

Marfat.com

اگر تم چاہتے تو ان سب کو پکڑ سکتے تھے۔

ہرثمہ نے ہر چند معذرت کی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ اس کو چھڑیوں سے پٹوایا گیا اور پھر قید میں ڈال دیا گیا اور قید میں ہی سازشی قیدی بھیج کر قتل کروا دیا گیا۔

یوں مامون ایک خیر خواہ عرب سردار سے محروم ہو گیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

حمام

خلیفہ مستنجد باللہ 555ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اور 566ھ تک حکومت کی۔ یہ مقتفی کا بیٹا تھا۔ باپ نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کر رکھا تھا لیکن مقتفی کی ایک لونڈی چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا ابو علی تخت خلافت پر بیٹھے۔ چنانچہ مقتفی کے مرض الموت میں اس نے امرا و عمائدین سلطنت کو رشوتیں دے کر ساتھ ملا لیا اور یوسف بہ ملقب مستنجد باللہ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اسے باپ کے آخری دیدار کے بہانے بلا بھیجا۔ جیسے ہی وہ قصر خلافت میں داخل ہوا مسلح لونڈیوں نے جو پہلے سے متعین تھیں اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا لیکن یوسف کی آواز پر داروغہ محل اور فراش پہنچ گئے۔ جنہیں دیکھ کر لونڈیاں بھاگ گئیں۔ اب ابو علی اور اس کی ماں کو گرفتار کر لیا گیا اور سب لونڈیاں قتل کر دی گئیں۔ اس طرح ربیع الاول 555ھ میں یوسف بن مقتفی مستنجد باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ یہ مستنجد باللہ ایک عدل پرور انسان تھا۔ رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا۔ اس نے رعایا پر سے تمام ٹیکس معاف کر دیئے۔ مستنجد کا وزیر ابو جعفر بن بلدی پر خلیفہ کو بڑا اعتماد تھا۔ اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔ مگر استاد الامرا امیر عضد الدین ابو الفرج اور امیر قطب الدین قائماز میں باہم مخالفت تھی۔ اس مخالفت کی بناء پر خلیفہ کو ابو جعفر کے متعلق غلط رپورٹیں دیتے تھے۔ جن کی تحقیق پر وہ رپورٹیں غلط ہوتیں تھیں۔ خلیفہ سمجھ گیا کہ ان کی غیبت محض مخالفت کی بنا پر ہے۔ لہٰذا خلیفہ نے ابو جعفر کو حکم دیا کہ ان دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس حکم کی خبر عضد الدین اور قطب الدین کو ہو گئی۔ انہوں نے خلیفہ کو ہی قتل کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ اتفاق کی بات کہ ان دنوں خلیفہ مستنجد باللہ بیمار تھا۔ جو شاہی طبیب اس کا علاج کر رہا تھا اسے ان دونوں نے اپنے ساتھ ملا لیا اور بہت سی رقم بطور رشوت دینے

Marfat.com

کا وعدہ کیا۔ طبیب لالچ میں آ گیا اور خلیفہ کو مار دینے کا منصوبہ بنایا۔

طبیب نے کہا اے امیر المومنین آپ کی بیماری طول کھینچے جا رہی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ حمام کریں (نہائیں) تو آپ کے لئے زیادہ سود مند ہوگا۔ خلیفہ اس قدر کمزور تھا کہ اس میں حمام کرنے کی طاقت نہ تھی مگر قطب الدین اور عضد الدین اسے زبردستی اٹھا کر لے گئے اور حمام میں بند کر دیا۔ حمام کا پانی اس قدر گرم تھا کہ اس کا سارا جسم جل گیا۔ خلیفہ نے شور مچایا مگر انہوں نے کچھ پروانہ کی حمام کا دروازہ بند رکھا۔ جس کی وجہ سے خلیفہ دم گھٹنے سے مر گیا۔

اس وقت اس کی عمر 56 سال تھی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

بیڑا

بیجاپور میں عادل شاہی خاندان کے بانی ابوالمظفر سلطان یوسف عادل کا جب انتقال ہوا تو اس کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ ابھی کمسن تھا۔ وہ بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ حکومت کا نظام اور سلطنت کا کاروبار اس کے بس کی بات نہ تھی۔ لہٰذا اس کے سن شعور تک پہنچنے تک کمال خان کو مالی و سیاسی اختیارات سونپ دیئے گئے اور اس سے یہ وعدہ بھی لیا گیا کہ شہزادہ اسماعیل عادل شاہ کے جوان ہونے پر وہ خود بخود اس کی امانت اس کے سپرد کر دے گا۔

مگر اقتدار کا نشہ بھی بڑا عجیب ہے کہ سارے قول و قرار اور وعدے فراموش کرا دیتا ہے۔ کمال خان پر خود مختار ہونے کا نشہ چڑھ گیا۔ اب وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا کہ کسی نہ کسی طرح ملک کے تمام مال و زر پر قابض ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اس نے اولاً تمام امرا کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ ایسے امرا کا تقرر کیا جن پر اسے پورا پورا بھروسہ تھا۔

اب اس نے اپنے ہمنوا اور ہمدرد قسم کے لوگ اکٹھے کئے ان کی دعوت کی اور پھر تخت نشینی کا مشورہ کیا۔

ادھر سے بھلا کب انکار ہو سکتا تھا۔ سب نے سر جھکا دیئے اور پوری مدد کرنے اور رستے کی رکاوٹیں دور کرنے کا وعدہ کیا۔

Marfat.com

اب نجومیوں کو طلب کیا گیا اور تخت نشینی کا وقت معلوم کیا گیا۔

نجومیوں نے کہا کہ اس مہینہ کی ابتدائی پندرہ تاریخ تک کے دن بڑے سخت ہیں۔ کمال خان کو اپنا تحفظ کرنا چاہئے کیونکہ ستاروں کی گردش کمال خان کے حق میں مفید نہیں ہے اور مزید مشورہ بھی دیا گیا کہ سولہویں دن تخت پر بیٹھیں اور جلوس نکالیں۔

نجومیوں کی پیشن گوئی نے کمال خان کو بری طرح پریشان کر دیا اور زیادہ خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا۔ لہٰذا اس نے قلعہ ارک کو اپنی جان کی حفاظت کیلئے منتخب کیا اور دوسری تمام جگہوں سے اسے بہتر سمجھا۔ اس نے تہیہ کیا کہ وہ اپنے خراب ایام اس قلعہ میں بسر کرے گا۔ اس نے بیجاپور کے تمام معاملات ان لوگوں کے حوالے کئے جن پر اسے پورا پورا اعتماد تھا اور خود بیماری کا بہانہ بنا کر قلعہ میں چلا گیا اور کہہ دیا گیا کہ اس کی صحت یابی تک اس کے پاس کوئی بھی شخص ملنے کیلئے نہ آئے۔

کمال خان کے سولہویں دن تخت نشین ہو جانے کی خبر عادل شاہی محل میں پہنچی تو بیگمات کو بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اس معزز خاندان کے چراغ کو ابھی روشن رکھنا تھا۔

اسماعیل عادل شاہ کی والدہ پونجی خاتون کو ایک ترکیب سوجھی اس نے ایک ترک نوجوان یوسف ترک کو بلایا اور دنیا کی بے ثباتی کا سبق پڑھایا۔ اس نے یوسف ترک کو بتایا کہ انسان بہر حال خدا کا بندہ ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہے۔ تم بھی اپنی عزیز جان کی پروانہ کرتے ہوئے اس موذی کمال خان کو موت کے گھاٹ اتار دو۔

یوسف ترک نے قسم کھائی اور اس کام کی تکمیل کو اپنے حق میں باعث صد افتخار سمجھا۔ اس نے کہا اگر وہ تنہا کسی کے کام آسکتا ہے اور اس سے ہزاروں کا فائدہ ہو سکتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے ساتھ ہی اس نے مسماۃ پونجی خاتون سے استفسار کیا کہ وہ تنہا بیس ہزار دکنی حبشی فوجوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے اور کس طرح ان پر قابو پا سکتا ہے۔

پونجی خاتون نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ دل لگا کر اور ڈٹ کر مقابلہ کرے اور اپنی جان کو خدا کے حضور پیش کرنے میں ہمت کرے تو یقیناً وہ بڑی آسانی کے ساتھ اور بہت اچھی طرح سے کمال خان کی جان لے سکتا ہے۔ پونجی خاتون کی باتیں سن کر یوسف ترک یوں گویا ہوا کہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ کمال خان جب بادشاہ بنے گا تو مجھے مروا دے گا۔ لہٰذا کیوں نہ میں اپنے

Marfat.com

خدا کے حضور میں جان کا نذرانہ پیش کر کے وفاداروں میں اپنا نام لکھوالوں اور حیات جاوید پاؤں۔

پونجی خاتون سے مزید کہا تم مجھے دشمن کی پسپائی کی راہ بتاؤ تا کہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کردوں اور شہزادہ اسماعیل عادل کی بجائے اپنا سر کٹوادوں۔

مسماۃ پونجی خاتون نے یوسف ترک کو بتایا کہ وہ شاہی محل کی ایک عورت کے ہمراہ جائے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق کام کرے گا۔

یادرہے یہ عورت شاہی محل کے تمام پوشیدہ راز معلوم کرنے کی غرض سے متعین تھی۔

یوسف ترک سے کہا یہ عورت کمال خان کی خیر خواہ ہے اسے میں کمال خان کی خیریت دریافت کرنے کو بھیجوں گی کیونکہ اسے کمال خان کے پاس جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اب یوسف ترک کی موجودگی میں اس عورت کو پونجی خاتون نے بلایا۔کمال خان کی تعریف وتوصیف کی اور کہا جب سے یوسف عادل شاہ کا انتقال ہوا ہے اسے ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اس کا فرزند اسماعیل ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا ہے۔دنیا کے اونچ نیچ سے نابلد ہے۔کہیں ملک پر احمد شاہ کا قبضہ نہ ہو جائے لیکن خدا کا شکر ہے کہ عنان حکومت کمال خان نے سنبھال لی ہے اور اب کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ورنہ عادل شاہی امرا میں سے کسی امیر میں اتنی جرات نہیں تھی کہ حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر دولت خانہ شاہی کا تحفظ کرتا۔ مجھے دو تین روز سے کمال خان کی علالت کی خبر سن کر از حد فکر ہے کیونکہ کمال خان پونجی خاتون کو اپنے فرزند سے زیادہ پیارا ہے۔پونجی خاتون نے اسے 12 ہزار روپیہ دے کر کہا کہ اسے کمال خان کے سر سے اتار کر فقرا میں تقسیم کردو۔

بوڑھی عورت تھوڑی دور جانے ہی پائی تھی کہ پونجی خاتون نے اسے بلا کر کہا کہ اس یوسف ترک کو ہمراہ لیتی جاؤ کیونکہ یہ حج کا ارادہ کر چکا ہے مگر اسے ڈر ہے کہ اس کا حج اس وقت قبول نہ ہو گا جب تک کہ کمال خان اس کو خوشی کے ساتھ اجازت نہ دیدیں۔تمہیں چاہئے کہ اس بات کی کوشش کرو کہ کمال خان اس کو اپنے ہاتھ سے بیڑا کھلا کر اسے رخصت ہونے کی اجازت دیں اور اپنے دست مبارک سے ایک رقعہ تحریر فرما کر اس کے حوالے کردیں تا کہ اس رقعہ کی موجودگی میں بندر مصطفٰے کا حاکم روک نہ سکے گا اور اس کے مقاصد کی تکمیل آسان ہو جائے گی اور پھر انعام کے طور پر ایک بیش بہا رقم بوڑھی عورت کے سپرد کی۔

Marfat.com

اس طرح یوسف ترک کمال خان کے پاس پہنچ گیا۔اس بوڑھی عورت نے کمال خوبی کے ساتھ پونجی خاتون کی گفتگو سنائی۔

رواج تھا کہ جب بادشاہ کسی کو بیڑا دیتا تھا تو چادر میں لیا جاتا تھا۔ یہاں جب یوسف ترک نے بیڑا لینے کیلئے چادر پھیلائی تو اپنے ہاتھ نیچے رکھے۔ ہاتھوں میں ایک تیز دھار والا خنجر بھی تھا۔ کمال خان بیڑا چادر میں رکھ کر جونہی اسے پیار دینے کو آگے جھکا تو یوسف ترک نے خنجر نہایت جرات کے ساتھ اس کے سینہ میں گھونپ دیا جو دوسری طرف پار نکل گیا۔

اس طرح سولہ تاریخ آنے سے پہلے کمال خان کا کام تمام ہو گیا۔

اس حادثہ کی خبر جب کمال خان کی والدہ کو ملی تو اس نے بوڑھی عورت کو قتل کا سبب گردان کر اسے اور یوسف ترک کو فوراً قتل کروا دیا اور اپنے متعلقین کو رونے دھونے اور شور و شغف سے روکا۔ روزن محل پر ایک تخت تھا اس پر کمال خان کی لاش کو زندہ آدمی کی طرح بٹھا دیا گیا اور مقامی رسم کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام فوج اور دوسرے نوکروں کو محل کے نچلے حصے میں بلایا نیز ایک راز دار کے ذریعے صفدر خان کو طلب کیا جو وہاں پہنچتے ہی باپ کے مردہ جسم کو دیکھ کر شور کرنا چاہتا تھا کہ والدہ کمال خان نے اسے روک دیا اور سمجھایا کہ اس وقت چیخنے چلانے یا رونے دھونے کی بجائے بازوؤں میں قوت پیدا کرو اور دل میں عزم پیدا کرو۔ ہاتھ میں شمشیر لے کر عادل شاہ اور اس کی والدہ سے اپنے باپ کا انتقام لو تا کہ بعد ازاں شاہی تخت پر بیٹھ سکو اور قلعہ خارزان کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔

اب کیا تھا سرکاری فوجوں کی قیادت کمال خان کی والدہ کے ہاتھ میں تھی اور عادل شاہی لشکر کی قیادت پونجی خاتون کے ہاتھ میں تھی دو طرفہ تلواریں خون آلود ہوئیں اور عزرائیل کو کئی بہادر سپوتوں کی جان لینی پڑی۔ آخر میدان اسماعیل عادل شاہی کے ہاتھوں میں رہا۔

تاریخ فرشتہ

از محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

انارکلی

انارکلی ایک تاریخی کردار ہے یا افسانوی؟ اس سلسلہ میں ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ جو لوگ اکبر کو اس کے قتل سے بری کرنا چاہتے ہیں وہ اس واقعہ کو محض افسانہ کہتے ہیں اور جو لوگ مغل شہزادوں کے رومانوی ادب سے آشنا ہیں وہ اسے تاریخی روپ میں پیش کرتے ہیں تاہم یہ بات ضرور ہے کہ بغیر کچھ صداقت کے افسانہ بھی معرض وجود میں نہیں آتا

ایم۔اے قمر

شہنشاہ اکبر واقعتہً ہندوستانی بادشاہوں میں اکبر تھا جس نے نصف صدی تک ہندوستان میں نہایت کامیاب حکومت کی۔ اس کے خدام میں ایک شخص قلی بیگ تھا۔ اس کی بیوی کا نام نگار خانم تھا جو شاہی محل میں ایک باندی کی حیثیت سے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قلی بیگ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ قلعہ معلّٰی میں رہتا تھا۔ اس کی کئی اولادیں اس محل میں پیدا ہوئیں اور پروان چڑھیں۔ انہیں اولادوں میں سے اس کی ایک بیٹی نادرہ بیگم تھی۔

نادرہ بیگم جب پروان چڑھ رہی تھی تو اکبر نے اسے دیکھا۔ اس کا پتلا جسم، نہایت تیکھے نقوش اور سرخی مائل رنگت والے رخساروں کی مناسبت سے اس کا نام انارکلی رکھا۔ انارکلی حسن و خوبصورتی کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی رقاصہ اور گائن بھی تھی۔

یہی وجہ تھی جب مہرالنساء (نور جہان) کی شادی شیر افگن سے ہوئی اور شہزادہ سلیم جو اس کے حسن کا پرستار تھا نیم پاگل سا ہو گیا تو اس انارکلی کو اس کے دل کو بہلانے کی غرض سے اس کے کمرہ خاص میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

انارکلی شہزادہ سلیم کے سامنے اچھی اچھی غزلیں گاتی اور رقص کر کے اس کے غم کو کم کرنے کا سامان فراہم کرتی۔ پھر واقعتہً ایسا ہی ہوا کہ شہزادہ نور جہاں کو بھول گیا اور انارکلی اس کے اعصاب پر حکومت کرنے لگی۔

مگر حکیم حمام اور سنبل (جن میں معاشقہ تھا) کی سازش رنگ لائی۔ اس سازش میں خان اعظم کوکلتاش اور شاہ قلی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ان لوگوں نے اکبر کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی

Marfat.com

کہ باپ کے خلاف بیٹے (شہزادہ سلیم) کی بغاوت میں انارکلی کا ہاتھ ہے۔

خان اعظم نے کہا کہ انارکلی شہزادے کو اتنا دور لے گئی ہے کہ اس کا واپس آنا بڑا مشکل ہے۔ اس کے ایما پر شہزادے نے اب بہت بڑا جال پھیلا دیا ہے جس میں اکبر کا تاج وتخت آسانی سے چھینا جا سکتا ہے۔

اکبر ان باتوں کو ماننے پر تیار نہ تھا۔ اس نے کہا شاہ عالم کنجشک و کبوتر کیوں بن گئے وہ شاہین کیوں نہ بنے۔

خان اعظم نے کہا ظل الٰہی اس بات سے تو اتفاق فرمائیں گے کہ جب تک دانہ نظر نہ آئے پرندہ نہیں گرتا۔ اکبر نے اس کے جواب میں کہا خان اعظم سنو! پرندے نے گرنے سے پہلے اپنے شعور کو اتنا بے بس کیوں کر لیا کہ دام و دانہ میں تمیز نہ کر سکا۔

شاہ قلی فوراً بولا طلب شعور کی آنکھ پر پٹی باندھ دیا کرتی ہے اور پھر طلب۔ اللہ پناہ.....!

اکبر جھٹ سے بولا تمہارے خیال ہمارے خیال کی ترجمانی نہیں کرتے ہیں۔ تم سب نے ایک گناہ کے پلو میں الزام باندھ دیئے ہیں۔

خان اعظم نے ایک تجویز پیش کی کہ ظل الٰہی! انارکلی کو کہیں دور بھیج دیں اور شہزادہ سلیم کو کسی محاذ پر۔

اکبر نے کہا ہاں آپ کی یہ تجویز بہتر ہے۔ میرا خیال ہے کہ شیخو شہزادہ (سلیم) کو مان سنگھ کی قیادت میں گجرات کے علاقہ میں بھیج دیں اور انارکلی کا معاملہ حکیم حمام کے سپرد کر دیتے ہیں۔

حکیم حمام تو پہلے ہی یہی چاہتا تھا۔ اب اسے اپنی مرضی کرنے کا موقعہ دیا جانے والا تھا۔ اس نے کہا ہمیں آپ کی دور اندیشی اور فراست پر اعتماد ہے کہ آپ ہمارے اعتماد کے وقار کا خیال رکھتے ہیں۔ اور مزید کہا ہم اس اعتماد کا بھاؤ نہیں گرنے دیں گے۔

انارکلی کو اس کے والد کے ہمراہ کسی دور گاؤں میں بھیج دیا جائے گا اور یہ بھی تاکید کر دی جائے گی کہ اس کی والدہ جلد از جلد انارکلی کی شادی کر دے۔

اگلے دن انارکلی اور اس کی والدہ کو الگ الگ اونٹوں پر بٹھا کر لاہور کے صوبیدار کے پاس بھیج دیا اور اس کے ساتھ ایک جعلی دستاویز تیار کی جس میں لاہور کے صوبیدار کو تاکید کی گئی کہ فرمان ملتے ہی انارکلی کو دیوار میں زندہ چنوا دو۔ اس فرمان پر شہنشاہ کے جعلی دستخط بھی کر دیئے اور

Marfat.com

شاہی مہر بھی ثبت کردی۔

لاہور لیجا کر انارکلی کو شاہی قلعہ کے تہہ خانہ میں قید کر دیا گیا اور پہرہ بٹھا دیا۔ جب صوبیدار نے شاہی فرمان پڑھا تو فوراً حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گیا۔

اس کام کے لئے صوبیدار نے بے تحاشہ مزدور لگائے اور دیواریں اونچی ہونے لگیں۔ انارکلی ان دیواروں کے درمیان بے بسی کے عالم میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ چاروں طرف سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ صوبیدار اونچی آواز سے مزدوروں پر چلا رہا تھا کہ کام جلدی ختم کرو۔ انارکلی بار بار آسمان کی طرف دیکھتی رہی مگر اف! آج تو آسمان بھی اس پر مہربان نہیں ہو رہا تھا۔ اس چاردیواری کے درمیان صرف اس قدر فاصلہ تھا کہ انارکلی بمشکل اپنے بازو پھیلا سکتی تھی۔

آخر ان دیواروں پر چھت ڈال دی گئی اور انارکلی کی کسی بھی فریاد کی آواز باہر نہیں آ رہی تھی۔ شاید یہ حسن و خوبی کی پیکر اس اندھیری چاردیواری میں مر گئی تھی۔ ہاں ہاں یقیناً مر گئی تھی۔

شہزادہ سلیم کو جب پتہ چلا کہ اس کی انارکلی لاہور کے صوبیدار کے پاس قتل کر دینے کی غرض سے بھیج دی گئی ہے وہ بھاگم بھاگ لاہور آیا۔ اس کے پہنچنے سے پہلے انارکلی دوسرے جہان میں جا چکی تھی۔

شہزادہ بڑے غصے میں تھا۔ اس نے حکیم حمام کو پکڑ لیا۔ پوچھا بتاؤ انارکلی کہاں ہے۔

حکیم نے بتایا ان دیواروں کے بیچ میں زندہ دفن کر دی گئی ہے۔

شہزادہ دیواروں کے ساتھ سر پیٹتا رہا۔ پھر اس نے حمام کا سر اپنے ہاتھوں سے فوراً کاٹ دیا۔ خان اعظم کو بھی گرفتار کر لیا اور لاہور پر اپنے قبضے کا اعلان کر دیا۔ پھر دہلی کی طرف کوچ کیا مگر اکبر اس وقت موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ بس باپ بیٹے میں ملاقات ہوئی اور اکبر مر گیا۔ شہزادے نے جلدی سے باپ کا تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

انارکلی

از ڈاکٹر عارف بٹالوی

Marfat.com

کبوتر

جہانگیر بادشاہ کے دل و دماغ پر حکومت کرنے والی ملکہ نور جہاں تھی جس کا اصل نام مہرالنساء تھا۔ وہ نہایت بے بسی کے عالم میں دوران سفر اس وقت پیدا ہوئی جب اس کے والدین ایران سے ہندوستان کا سفر کر رہے تھے۔ وہ اس کی کفالت کا بوجھ نہ اٹھا سکتے تھے لہٰذا انہوں نے اس نومولود بچی کا بوجھ ہی اتار پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اسے جنگل میں چھوڑ کر چلتے بنے تاکہ وہ کسی جنگلی درندے کی خوراک بن سکے۔ مگر نہیں جسے زندہ رہنا ہو وہ زندہ رہ جاتا ہے۔

ابھی یہ قافلہ زیادہ دور نہ گیا تھا کہ اچانک ملک مسعود کا قافلہ ادھر آ گیا۔ ملک مسعود نے اس بچی کو دیکھا اسے بڑی پیاری لگی۔ اسے سینے سے لگا لیا اور پھر ایک عورت کے سپرد کر دیا۔ اس طرح یہ بچی اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئی۔ مہرالنساء کے والدین کو بھی اکبری دربار میں ملازمت مل گئی جس کے باعث یہ بچی بھی انہیں کے ہاں رہنے لگی۔

جب مہرالنساء کی عمر 18 سال کی ہوئی تو اس کی شخصیت نہایت پرکشش بن گئی۔ امراء و وزراء کے گھروں میں اس کے حسن و جمال کی تعریفیں ہونے لگیں اور ان گھروں کے جوان شہزادے اسے دیکھنے کے آرزومند رہنے لگے۔

ایک دن مہرالنساء چھت والی کشتی میں بیٹھ کر دریائے جمنا کی سیر کر رہی تھی اور خود ہی کشتی چلا رہی تھی کہ اتفاق سے ولی عہد شہزادہ سلیم (جہانگیر) نے اسے دیکھ لیا۔ وہ اس کے پاس چلا گیا۔

مہرالنساء نے بتایا کہ وہ مرزا غیاث کی بیٹی ہے۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں' دل دھڑکنے لگے' محبت نے جنم لیا اور پیار مسکرا دیا۔

پھر ایک دن مہرالنساء باغ کی سیر کر رہی تھی کہ شہزادہ سلیم بھی ادھر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دو کبوتر تھے۔ مہرالنساء کے قریب گیا' کہا کہ ذرا یہ کبوتر تھامنا مجھے ایک دو پھول باغ سے توڑنے ہیں۔

مہرالنساء نے دونوں کبوتر لے لئے۔ شہزادہ پھولوں کی دنیا میں کھو گیا۔ ادھر مہرالنساء سوچ کی دنیا میں جا چکی تھی کہ اس کے ہاتھ سے ایک کبوتر اڑ گیا۔ جب شہزادہ پھول لے کر واپس آیا تو دیکھا کہ مہرالنساء کے ہاتھ میں صرف ایک کبوتر ہے۔

Marfat.com

پوچھا: ہمارا دوسرا کبوتر کیا ہوا؟

مہرالنساء نے کمال ادا کے ساتھ کہا وہ تو اڑ گیا۔

شہزادے نے پوچھا: ہیں.....اڑ گیا! کیسے اڑ گیا؟

مہرالنساء نے دوسرا کبوتر بھی چھوڑ دیا اور کہا جیسے یہ اڑ کے جا رہا ہے۔

کبوتر تو دونوں اڑ گئے لیکن ساتھ ہی شہزادے کے ہوش و حواس بھی اڑ گئے۔ وہ اپنے جذبات کے طوفان پر قابو نہ پا سکا۔ سینے میں ایک ہلچل مچ گئی۔ خون کی گردش بہت تیز ہو گئی۔ اس نے دونوں بازو پھیلا کر بے ساختہ مہرالنساء کو سینے سے لگا لیا۔ مہرالنساء نے بھی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور جذبات میں ڈوب گئی۔

شہزادے نے کہا مہرو! (مہرالنساء) جب میں بادشاہ بنوں گا تو تو میری ملکہ عالیہ بنے گی۔

اس کے بعد شہزادہ سلیم مہرو کے خیالات میں گم رہنے لگا۔ حکیم حمام اور سنبل کنیز (دونوں میں معاشقہ تھا) نے دونوں میں جدائی پیدا کرنے کے لئے سازش کے جال پھیلانے شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں شہزادہ سلیم کو شہنشاہ اکبر نے ایک یلغار میں بھیج دیا۔ سلیم بحیثیت ولی عہد سلطنت انکار کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اکبر کی فوج میں سب سے بہادر دستہ راجپوت سپاہیوں کا تھا۔ وہی دستہ سلیم کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

ادھر مہرالنساء کی شادی شیر افگن سے کر دی گئی۔ اس شادی کی خبر شہزادہ سلیم کو اس وقت ہوئی جب وہ اپنے محاذ میں کامیاب و کامران ہو چکا تھا۔

اب شہزادہ سلیم جلدی سے گھر واپس آ گیا اور مہرالنساء کے فراق و غم میں بیمار ہو گیا۔

اکبر نے بڑا علاج کیا مگر اس کی صحت بحال نہ ہوتی تھی۔ آخر اس کی زندگی میں ایک دوسری خوبرو دوشیزہ انارکلی شامل کر دی گئی۔ مگر سازشوں کے جال اب بھی اثر انداز ہوئے اور انارکلی لاہور میں لا کر دیوار میں چن دی گئی۔

پھر اچانک اکبر بادشاہ مر گیا اور شہزادہ سلیم نورالدین جہانگیر کے نام سے تخت پر بیٹھا۔

تخت پر بیٹھتے ہی اسے اپنی محبت کا وعدہ یاد آ گیا کہ اس نے مہرالنساء کے سامنے کہا تھا کہ جب ہم ہندوستان کے بادشاہ بنیں گے تو سب سے پہلے مہرو کو ملکہ ہندوستان بنائیں گے۔

مہرالنساء شیر افگن کے گھر میں بڑی خوش و خرم زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے بطن سے ایک

Marfat.com

لڑکی بھی جنم لے چکی تھی۔

شہنشاہ جہانگیر نے مہرالنساء کے حقیقی بڑے بھائی آصف جاہ کو بلایا اور اس سے بات کی۔

کہا: آصف جاہ! ہم نے آپ کو ایک بہت بڑے کام کے لئے بلایا ہے۔

آصف جاہ نے کہا یہ غلام کی خوش بختی کی دلیل ہے عالم پناہ!

ہم چاہتے ہیں کہ آصف جاہ کو اپنی سلطنت میں وزیراعظم کا مرتبہ عطا فرمائیں۔ ہمیں درباری معاملات میں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ مزید کہا تمہیں معلوم ہے کہ ابا حضور نے مہرالنساء کے خاندان پر کس قدر ظلم و ستم کیا تھا۔ اس کی چوٹ تو آپ پر بھی پڑی ہوگی۔ اس کا درد بھی آپ نے محسوس کیا ہوگا۔

آصف جاہ نے کہا بے شک ہم نے محسوس کیا تھا مگر بے بس' اقتدار کے سامنے بے بس ہی ہوتا ہے۔ اسی بے بسی سے تو صاحب عالم بھی گزر چکے ہیں۔ جب صاحب عالم کی بے بسی ظلم کی کلائی نہ پکڑ سکی تو ہم لوگ کس گنتی میں ہیں۔

جہانگیر نے کہا ہم نے آپ کی بہن کے ساتھ ایک وعدہ کر رکھا ہے کہ جب ہم ہندوستان کے شہنشاہ ہوں گے تو سب سے پہلے مہرالنساء کو ملکہ ہندوستان بنائیں گے۔ اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو ہم آپ کو ہندوستان کا وزیراعظم بنا دیں گے۔

آصف جاہ نے کہا مگر وہ تو شیر افگن کی ملکہ بن چکی ہے۔ وہ اس سے خوش ہے۔ وہ تو اس کے بال بال کی خیریت کی دعا مانگتی ہے۔

ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ ایسا ہی ہے۔ مگر وعدہ کا ایفا بھی کرنا ہے۔

مگر کیسے؟

کہا شیر افگن کو ہٹا کر میرے لئے جگہ خالی کر دو۔

یعنی

یعنی شیر افگن کو قتل کر کے اسے بیوہ کر دو۔ اور پھر میں اس سے شادی کر کے اپنا وعدہ پورا کر سکوں گا۔ اور دیکھو! میں کسی ریاست کے راجہ سے مل کر ساز باز کروں گا۔ وہاں مصنوعی بغاوت پھیلاؤں گا۔ پھر شیر افگن کو امداد کے لئے کہوں گا وہ میرے ساتھ مل کر ریاست کی بغاوت کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھے گا۔ میں راجہ کو سمجھا دوں گا کہ مقصد صرف شیر افگن کا قتل ہے۔ اس طرح

Marfat.com

میدان جنگ میں اسے ختم کر دیا جائے گا۔ شبہ کی کوئی آنکھ بھی اس طرف نہ اٹھ سکے گی۔

آپ اس موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار فرمائیں گے اور سلطنت کی طرف سے بھی سوگ منانے کا اعلان ہوگا۔

آصف جاہ نے وعدہ کر لیا اور اپنی تدبیر کا جال پھیلا دیا۔

ایک راجہ سے مل کر پروگرام مرتب کر لیا گیا۔ پھر شیر افگن کی کمان میں ریاست پر حملہ کر دیا گیا۔ چونکہ سپاہیوں کو سمجھا دیا گیا تھا کہ احتیاط سے کام لیں۔

شیر افگن کی تلوار بجلی کی طرح چمکنے لگی۔ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق آصف جاہ کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ریاست کے لشکر نے شیر افگن کو گھیرے میں لے لیا اور گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کی خبر طوفان کی طرح ملک بھر میں پھیلا دی گئی۔

یوں ایک حسن کو حاصل کرنے کے لئے اس حسن کی مانگ میں بیوگی کی خاک ڈالی گئی۔

انارکلی

از ڈاکٹر عارف بٹالوی

جامِ مئے

اودھ کے دوسرے حکمران نصیر الدین حیدر تھے۔ انہوں نے 1827ء سے 1837ء تک اودھ میں حکومت کی۔ وہ طاؤس و رباب اور شراب و کباب کے بڑے دلدادہ تھے۔ وہ جام مئے کسی حسینہ عالم کے ہاتھ سے لیا کرتے تھے۔ اس کام کے لئے وہ ہمیشہ ایسی حسین عورتوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس جستجو کے نتیجے میں ان کے ہاں ایک ہندو عورت (دوشیزہ) دھنیا مہری آئیں۔ وہ ذات کی کہارن تھی مگر نہایت خوبصورت تھی۔ نصیر الدین حیدر کو وہ اس قدر پسند آئی کہ وہ سابقہ ساری دوشیزاؤں کو بھول گیا۔

اولاً اس کے سپرد محض ساقی گری کا کام ہوا پھر اس کے ذمے یہ ڈیوٹی بھی لگا دی گئی کہ وہ صبح کے وقت نصیر الدین حیدر کو بیدار کیا کرے۔ مگر اسے بیدار کرنے میں آواز یا دستک نہیں دی جاتی تھی بلکہ دھنیا مہری چند رقاصاؤں کے ہمراہ اس کی خواب گاہ میں آتی اور ہلکی موسیقی کے ساتھ رقص کرنے لگتی جس سے نصیر الدین حیدر بیدار ہو جایا کرتا۔

Marfat.com

پھر تو دھنیا مہری اس کی زندگی میں اس قدر دخیل ہوگئی کہ لکھنؤ کا پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ ہلتا تھا۔

اس بات کا اندازہ آپ اس امر سے لگائیں کہ لکھنؤ کے سعادت گنج کے علاقہ میں بادشاہ نے ایک پرستان بنا رکھا تھا جہاں سے تربیت یافتہ خوبصورت اور سلیقہ مند لڑکیاں محل کو فراہم کی جاتی تھیں۔ اس پرستان کے منتظم اعلیٰ بادشاہ کے دیوان راجہ غالب جنگ تھے لیکن راجہ غالب جنگ پر بھی دھنیا مہری کا حکم چلتا تھا۔ اسے افضل النساء کا خطاب دیا گیا تھا۔ شاہی بیگمات بھی اس کے حکم کے تابع تھیں۔ گویا کہ دھنیا مہری کی زندگی میں ٹھاٹھ ہی ٹھاٹھ جمع ہو گئے تھے۔

بعض اوقات نصیر الدین حیدر اسے چندن کی چھڑی کے ساتھ آہستہ آہستہ مارا بھی کرتا تھا۔ اور پھر یہ چھڑی دھنیا مہری کو دے دی جاتی۔ چندن کی لکڑی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ ایک دن دھنیا مہری نے بادشاہ سے کہا صاحب عالم یہ چھڑی آپ کے ہاتھ میں ایسی لگتی ہے جیسے مخمل کے لہنگے میں ٹاٹ کے پیوند۔ اگر یہ چھڑی موتیوں سے جڑی ہوئی ہو تو آپ کے ہاتھوں کی زینت بن سکے۔

بادشاہ کو دھنیا کی یہ بات پسند آئی۔ اور اسی دن حکم ہوا کہ جڑاؤ دار چھڑیاں بنائی جائیں۔ حکم کی دیر تھی چھڑیوں میں ہزاروں روپے کے موتی اور جواہرات ٹنکنے لگے۔ لیکن بادشاہ کا طریقہ وہی رہا جو چھڑی دھنیا کے جسم کو چھوتی وہ اسے دے دی جاتی۔

چونکہ بادشاہ کی اس عیش پرستی سے ملکی نظام درہم برہم ہو گیا تھا' امراء چاہتے تھے کہ تاج و تخت ایسے بادشاہ سے چھین لینا چاہئے۔ مگر یہ کام بادشاہ کی زندگی ختم کئے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس کام کے لئے بھی دھنیا مہری کا انتخاب کیا گیا۔ روپوں کی ریل پیل والی زندگی مزید روپے حاصل کرنے کے لالچ میں آ گئی۔ اور اس نے وعدہ کر لیا کہ بادشاہ کی زندگی ختم کرنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

چنانچہ جب مقررہ رقم اسے مل گئی تو اسی شب اس نے شراب میں زہر ملا دیا اور نہایت اعتماد کے ساتھ یہ جام بادشاہ کے ہاتھوں میں دے دیا۔

بادشاہ نے جام رکھ دیا اور اٹھ کر دھنیا مہری سے لپٹ گیا۔ اس نے کئی بار اس کا ماتھا چوما۔ بادشاہ کی اس محبت بھری حرکتوں کو دیکھ کر دھنیا مہری شرمندہ سی ہو گئی کہ جس بادشاہ کو اس کے ساتھ

Marfat.com

اس قدر محبت ہے اس نے اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے لئے سودا کر لیا ہے اور اس کیلئے شراب میں زہر ملا دیا ہے۔

مگر لالچ کی اندھی دھنیا اس جام کو تبدیل نہ کر سکی۔ پھر بادشاہ نے اس زہر ملے جام کو حلق میں اتار لیا۔

بڑی جلدی اس زہر نے کام کر دکھایا۔ بادشاہ کو الٹیاں آنے لگیں اور اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ نڈھال ہو کر گر پڑا اور سورج طلوع ہونے سے پہلے نصیر الدین حیدر موت کی اندھیری وادیوں میں کھو چکا تھا۔ بادشاہ کی وفات 7 جولائی 1837ء میں ہوئی۔

بادشاہ کی موت کی سازش میں نواب زادے، شہزادے، امرا اور انگریز اہلکار سب شامل تھے۔ تیسرے بادشاہ محمد علی شاہ جب گدی نشین ہوئے تو دھنیا مہری کو دریائے جمنا کے دوسرے کنارے گم کر دیا گیا۔ یہ گمشدگی کیسے عمل میں آئی تاریخ خاموش ہے۔ گمان یہی ہے کہ اسے بھی مار کر بوری میں بند کر کے بھاری پتھر باندھا گیا اور پھر پانی کی گہرائیوں میں دفن کر دیا گیا اور اس کی جمع شدہ دولت اس کے کسی کام نہ آ سکی۔

ماہ نامہ تفاخر لاہور

ستمبر 2000ء

Marfat.com

برادرِ حسد ولالچ

Marfat.com

پہلی قبر

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ جن کا ذکر بائبل کی کتاب پیدائش کے علاوہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق ان دونوں میں ایک لڑکی سے متعلق جھگڑا ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ اس قتل کی دوسری وجہ کھیتی باڑی کے متعلق نا اتفاقی بتائی جاتی ہے۔

بہر حال قتل ہو گیا۔ مگر ہابیل کی لاش کا کیا بنے۔ قابیل کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ اسے کہاں ٹھکانے لگائے۔ وہ اسے اٹھائے پھرتا تھا قتل کا بوجھ اس کے لئے وبال جان بن گیا۔ وہ اسے پانی میں بہا دینا چاہتا تھا تا کہ دریا کی مچھلیاں اور مگر مچھ اسے کھا جائیں۔ مگر جب وہ پانی کے قریب پہنچتا تو اسے کوئی دیکھنے والی آنکھ دیکھ رہی ہوتی۔ وہ اسے کسی غار میں چھپا دینا چاہتا تھا مگر جب وہ غار کے پاس جاتا تو اندر سے آنے والی کوئی انسانی آواز اس کے کان میں پڑتی وہاں سے وہ بھاگ کر جلدی سے چھپ جانا چاہتا۔ اب وہ اسے جلا دینا چاہتا تھا۔ مگر اسے خیال آتا کہ آگ کا دھواں اس کے قتل کو چھپا نہ رہنے دے گا۔

یوں اسے کئی دن گذر گئے۔ وہ لاش کو ٹھکانے نہ لگا سکا۔ اسے پچھتاوا لگ گیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ہاں ہاں کسی کی جان ضائع کر دینا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ وہ تو زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ میرے بعد میں آنے والے لوگو قتل سے بچتے رہنا۔ یہ چھپائے بھی چھپا نہیں رہتا۔ یہ اپنی بے شمار نشانیوں کے باعث تشہیر کرتا ہے۔

اب قابیل بیچارہ تھکا ہوا ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ بھائی کی لاش اس کے سامنے پڑی تھی وہ کئی دن سے بھوکا بھی تھا وہ چاہتا تھا کہ اس مصیبت سے بچنے اور جان چھڑانے کے لئے اپنے گلے پر چھری رکھ دے۔

اب باوجود اس کے کہ قابیل اپنے بھائی کا قاتل تھا مگر اللہ نے اسے ایک اور قتل (خودکشی) سے بچانے کیلئے دو کوے بھیجے۔ وہ اس کے سامنے آ کر لڑنے لگے۔ ایک کوے نے دوسرے کوے کو ٹھونگیں مار مار کر ہلاک کر دیا۔ اب کوے نے زمین کھودی۔ ایک گڑھا سا بنایا۔ اس میں کوے کو رکھ کر اوپر مٹی ڈال کر ڈھانپ دیا قابیل نے بھی ایسا ہی کیا ایک لمبا گڑھا کھودا اور بھائی کو دفن کر کے پہلی قبر زمین کے سینے پر بنا دی۔

مطالعہ نقوش شرقپور
از محمد انور قمر شرقپوری

Marfat.com

آگ کا شعلہ

خیبر کے مشہور معرکہ میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاندار کامیابی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر بیٹھے ہیں اور صحابہ کرام مال غنیمت لالا کر ایک جگہ ڈھیر کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام لاعم نامی بھی اس کام میں مشغول تھا۔ مگر مال غنیمت میں سے ایک چادر اسے نہ صرف پسند آ گئی بلکہ اس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ اس نے ارد گرد دیکھا کوئی انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔ اس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور وہ چادر اس نے ایک طرف کر کے چھپالی اور پھر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گیا۔ کسی کو اس چادر کی بھنک نہ تھی کہ وہ اس کے پاس ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے گائے' اونٹ' اسباب اور باغ وغیرہ مجاہدین میں تقسیم فرما دیئے۔ لاعم کو بھی اس کے حصے کا مال مل گیا۔ ازاں بعد جب آپ ﷺ وادی القریٰ میں پہنچے۔ یہاں پڑاؤ کرنا تھا۔ سامان اتارا جا رہا تھا کہ ایک تیر ہوا میں سنسناتا ہوا آیا اور لاعم کے لگ گیا۔ وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا۔ تیر مارنے والے کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ تیر شاید زہر میں بجھا ہوا تھا اس کا زخم بھی کاری تھی۔ لاعم زمین پر گر گیا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے بڑھے۔ اس کا تیر کھینچ نکالا اور زخم پر ہاتھ رکھا کہ زیادہ خون نہ بہہ سکے۔ مگر کیا ہو سکتا تھا جس کی زندگی کے دن ختم ہو جائیں وہ دم توڑ ہی دیتا ہے۔ لاعم اپنے دوستوں کے دیکھتے دیکھتے ان کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے چپ ہو گیا۔

لوگوں نے کہا لاعم کو شہادت مبارک ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز پر آگے بڑھے' فرمایا نہیں نہیں اسے شہید نہ کہو یہ شہید نہیں ہے۔ اس کے لئے اس چادر کے بدلے میں آگ کا ایک شعلہ مقرر کر دیا گیا ہے جو اس پر مسلط رہے گا۔ جو اس نے خیبر کے مال غنیمت سے مال تقسیم ہونے سے پہلے چرا لی تھی۔ نہ جانے وہ شعلہ کب تک اسے قابو میں رکھے۔

بخاری شریف

Marfat.com

شراب اور سرود

ابراہیم عادل شاہ ثانی جب بیجاپور کے تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف دس سال کی تھی اور اس کا ایک چھوٹا بھائی شہزادہ اسماعیل بھی تھا جو اس وقت صرف 3 سال کا تھا۔ بھائی ہونے کے ناطے سے ابراہیم عادل شاہ کو شہزادہ اسماعیل سے محبت تھی مگر اس کے دل میں یہ خدشہ ضرور تھا کہ جب شہزادہ اسماعیل جوان ہوگا تو بغاوت کا فتنہ برپا کر سکتا ہے۔ ابراہیم یہ بات بھول گیا کہ اپنے بھائی کی تربیت اس نہج پر کرے کہ وہ عمر بھر اس کا مطیع و فرمانبردار بن کر رہے۔ اس نے اسے نکما اور آوارہ اور عیش پرست بنا کر حکومت کی خواہش اس کے دل سے نکال دینے کی کوشش کی۔

شہزادہ اسماعیل کو قلعہ ہلگوان میں بھیج دیا۔ وہ ظاہری طور پر آزاد تھا مگر حقیقت میں اسے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ شہزادہ جب سن بلوغ کو پہنچا تو بادشاہ نے اسے ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ

بھائی اگرچہ تمہیں دیکھنے کی تمنا میرے دل میں ہر وقت چٹکیاں لیتی رہتی ہے مگر میں امور حکومت میں اس قدر مصروف رہا ہوں کہ اپنی یہ تمنا پوری نہ کر سکا۔ تم اصل حالات سے پوری طرح آگاہ ہو۔ اس لئے مجھے زیادہ کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اس وقت تم یہ کرو کہ اس قلعے میں تم عیش و عشرت سے زندگی گزارو۔ ساقی کے احسان اٹھاؤ اور شراب کے جام حلق میں انڈیلتے رہو۔ مختلف علوم کی کتابیں بھی دیکھا کرو اور فن شاعری کا مطالعہ بھی کرو اور خوب وسعت پیدا کرو۔ گھوڑے کی سواری بھی کیا کرو۔ مطلب یہ کہ غم والم کو اپنے پاس نہ آنے دو۔

بادشاہ ایک ہزار ہون شہزادے کے اخراجات کیلئے بھی ہر مہینے بھیجا کرتا تھا۔ عیدوں اور دوسرے تہواروں کے موقعہ پر پرمسرت و شادمانی کی تقریبیں بھی قلعہ میں منعقد کروائی جاتی تھیں۔ مطلب یہ کہ شہزادے کی زندگی میں دنیا کی ہر لذت کا دخول تھا اور وہ بھائی پر دل و جان سے خوش تھا۔

مگر بادشاہ کے دشمنوں نے شہزادہ اسماعیل کو مخالفت کی تربیت دینی شروع کر دی۔ پھر کیا ہوا شہزادے کے دل سے بڑے بھائی کی ساری محبت نکل گئی۔ جب مفسدوں اور ہنگامہ پروروں کی ترغیب سے بادشاہ کی مخالفت پر اتر آیا اور 7 رمضان 1002ھ کو بادشاہ کیخلاف سرکشی کا پرچم بلند کیا اور کھلم کھلا کارروائی کرنے لگا۔

Marfat.com

جب ابراہیم عادل کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے شہزادے کو ایک خط لکھا کہ
مجھے تمہاری مخالفانہ کارروائیوں کا علم ہوا ہے تم اگر یہ روش چھوڑ دو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ یاد رکھو خداوند تعالیٰ جس کو سلطنت و تخت سے سرفراز کرتا ہے اسے ایسے ہنگاموں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیتیں بھی دیتا ہے۔

بھائی کا خط پڑھ کر شہزادے کو اپنی روش بدل لینے کا احساس پیدا ہوا مگر برہان نظام شاہ عین الملک نے اس کی خوب پیٹھ ٹھونکی اور مخالفانہ روش پر ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے رہے۔

آخر بھائی کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ آنکس خان 20 ہزار کے لشکر کے ساتھ شہزادے کی مدد کو آیا۔ قلعے کے باہر جنگ ہونے لگی اور قلعے کے اندر شہزادہ فرش اور قالین بچھا کر مجلس کو سجائے بیٹھا تھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ ناچ اور گانا ہو رہا تھا۔ عین الملک قتل ہو گیا۔ اس کا سر کاٹ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جسے رسی سے باندھ کر بیجاپور میں لٹکا دیا گیا۔

پھر ابراہیم عادل شاہ کی فوجیں قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔ شہزادہ اسماعیل گرفتار ہوا اور شجاعت خان نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔

قلعہ ہلگوان کی تسخیر کے بعد جب امرا بیجاپور میں پہنچے اور بادشاہ کو بھی اطلاع دی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔

اب اس نے امرا سے کہا عین الملک نمک حرام کا یہ لٹکا ہوا سر اتارو اور اسے توپ کے دھانے پر رکھ کر اڑا دو۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور بڑی جلدی ایک گرجدار آواز پیدا ہوئی دھواں اور گرد و غبار اٹھا اور عین الملک کے سر کے ٹکڑے فضا میں بکھر گئے۔

تاریخ فرشتہ
از محمد قاسم فرشتہ

ماں اور بیٹا

ملکہ خیزراں جو خلیفہ مہدی کی زندگی میں دخیل ہونے کے باوجود ملکہ نہ تھی۔ وہ ایک بربری عورت تھی۔ رنگ، قد کاٹھ اور چہرے کے نقش پسندیدہ تھے۔ مہدی نے اسے دیکھا تو لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اسے خرید کر محل میں لے آیا۔ گفتگو کی تو انداز کلام دیکھ کر اور گرویدہ ہو گیا۔ اصولاً خیزراں کو

Marfat.com

اس کا پرستار ہونا چاہیے تھا مگر خیزراں اس کے اعصاب پر یوں غالب آئی کہ مہدی اس کا پرستار بن گیا۔

اس خیزراں سے ہادی اور ہارون الرشید پیدا ہوئے۔ اب مہدی نے 159ھ میں خیزراں سے شادی کر لی اور یوں ایک مملوکہ باندی ملکہ عالیہ بن گئی اور ملکہ عالیہ بھی ایسی کہ امور سلطنت میں مہدی کی دخیل ہو گئی۔

یوں تو یہ دونوں شہزادے (ہادی۔ ہارون الرشید) والدین کی آنکھوں کے تارے تھے مگر ہارون الرشید میں انتظامی صلاحیتیں نسبتاً زیادہ تھیں۔ خلیفہ مہدی چاہتا تھا کہ وہ ہارون الرشید کو اپنا ولی عہد بنائے اور چھوٹا بیٹا ہونے کے سبب سے خیزراں کو ہارون سے ہی زیادہ انس تھا۔ وہ بھی اس کی ولی عہدی کے حق میں تھی۔ مگر ہادی کو یہ بات ناپسند تھی۔ بہر حال مہدی نے اپنی طبعی انسیت کے خلاف ہادی کو ولی عہد نامزد کر دیا لیکن ذاتی طور پر وہ اس فیصلے پر مطمئن نہ تھا۔ آخر 169ھ میں اس نے پھر ارادہ کیا کہ ولی عہد ہارون کو بنا دے اور ہادی کو ولی عہدی سے خارج کر دے۔ مہدی نے اس مقصد کیلئے دونوں شہزادوں کو بلایا۔ ہارون ان دنوں جرجان میں تھا۔ اس نے قاصد کو پٹوا کر نکلوا دیا اور باپ کے حکم کی مخالفت میں دمشق کی جانب چل دیا۔

عین ممکن تھا کہ دمشق میں باپ بیٹے کے درمیان جھگڑا ہو جائے مہدی خود ایک مختصر سپاہ کے ساتھ جرجان روانہ ہوا مگر رستے میں مر گیا۔

باپ کے بعد ہادی تخت نشین ہوا اب اصولی طور پر اس کا ولی عہد ہارون کو بننا تھا مگر ہادی اب اس ولی عہدی کے بھی خلاف تھا۔ وہ اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا جو کہ کمسن تھا۔

یہ بات خیزراں کو بھی ناپسند تھی۔ پھر ایک دن ہادی نے ہارون پر تشدد بھی کیا علاوہ ازیں ماں کو امور سلطنت میں دخل دینے سے بالکل روک دیا اور اس کے اختیارات جو اسے مہدی کے زمانے سے حاصل تھے بالکل ضبط کر لئے۔

ماں بیٹوں کی اس کشیدگی نے ایسی ناگوار صورت اختیار کر لی کہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے خیزراں کو بتایا کہ ہادی ہارون کو جان سے مار دینا چاہتا ہے لہٰذا اسے کہیں باہر بھیج دے۔

Marfat.com

یہ بات سن کر خیزراں تلملا اٹھی۔اس نے سوتے ہوئے ہادی کے منہ پر سرہانہ رکھا اور دبا دیا اور سانس رکنے سے وہ مر گیا۔

دوسری روایت کے مطابق خیزراں نے ایک لونڈی کے ذریعے زہر دلوا کر مار دیا۔ یوں ہادی صرف ایک سال تک حکومت کر سکا۔

تاریخ اسلام

ازمولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

امرائے سلطنت

نویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں گجراتی حکمران محض نام کے حکمران رہ گئے تھے بس امرا ہی حکمران گر تھے۔ جسے چاہا مروا دیا جسے چاہا تخت پر بٹھا دیا۔

جب سلطان محمود شاہ گجراتی سلطان محمود بیگ کے لقب سے تخت پر بیٹھا تو اسے بھی ایسے ہی امرا سے واسطہ پڑا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ وہ اگر چہ ایک روشن دماغ تھا اور ملک کا خیر خواہ تھا مگر امرا اس کے وزیر اعظم بننے پر محض اس لئے ناخوش تھے کہ بادشاہ نے ان سے مشورہ نہیں لیا تھا۔

یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے کہنے لگے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عماد الملک اپنے بیٹے شہاب الدین کو بادشاہ بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے اور ملک مغیث کی پیروی کر کے مالوہ کی طرح گجرات میں بھی شاہی خاندان کو حکومت سے محروم کرنا چاہتا ہے اور مظفر شاہی خاندان کی بجائے عماد شاہی خاندان میں حکومت منتقل کرنا چاہتا ہے۔ عماد الملک کا یہ منصوبہ انتہائی خطرناک ہے اگر وہ اس منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو مظفر شاہی خاندان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ عماد الملک کے قدم جلد از جلد درمیان سے ہٹا دیئے جائیں۔

بادشاہ مظفر شاہ نے امرا کی باتیں بڑے غور سے سنیں اگر چہ وہ کمسن تھا اور ناتجربہ کار بھی مگر اپنی عقل پر اسے بھروسہ تھا۔ وہ بڑی جلدی فیصلہ کرنے والا نہ تھا۔ وہ حالات کے رخ کا اندازہ بھی کرنیوالا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں کا بیان سراسر جھوٹ ہے اور عماد الملک پر جو الزام یہ لگا رہے ہیں بے بنیاد ہیں مگر حالات کا تقاضا امرا کی مخالفت کا نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا تم لوگوں نے جو کچھ کہا

Marfat.com

ہے میں خود بھی اس کو محسوس کر رہا ہوں۔ عماد الملک کے تیور آج کل کچھ اور ہی ہیں۔ اس کے اعمال واقوال سے بغاوت و سرکشی کی بو آتی ہے۔

میں اب تک محض اس خیال سے خاموش رہا کہ اگر میں نے عماد الملک کو سزا دی تو تم لوگ مجھے بے مروت اور بد اخلاق سمجھو گے ورنہ میں اس مردود کو کب کا ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تم کو اصل حقائق سے آگاہی ہو گئی ہے۔ لہٰذا اب اگر میں عماد الملک کو قید کروں گا تو لوگ مجھے برا نہیں کہیں گے۔

میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ اس سلسلے میں تم جو کرنا چاہتے ہو کر گذرو۔ امرا نے عماد الملک کو پابہ زنجیر کر کے قید کرنے کی رائے دی۔

بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ عماد الملک کو قلعہ احمد آباد میں نظر بند کر دیا گیا۔

اب بادشاہ کو موقعہ مل گیا کہ وہ کس طرح ان غدار امرا سے جان چھڑائے اور بے گناہ عماد الملک کو رہا کر سکے۔ اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان امرا سے مشورہ لینا ترک کر دیا اور دوسرے اپنے راز کی حفاظت کرنے لگا۔ تیسرے یہ کہ ان امرا کی زیادتیوں کا نوٹس لینے لگا۔

ایک دن بادشاہ نے امرا (ملک اشرف' ملک حاجی' ملک بہاؤ الدین' ملک کافور ملک عین الدین) کو بلایا کہا کہ آج رات میں بالکل نہیں سویا۔ بس ساری رات عماد الملک کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ میں اس معاملے میں بے حد پریشان ہوں میں چاہتا ہوں کہ اسے جلد از جلد میرے حضور پیش کرو تا کہ اپنے ہاتھ سے اسے موت کے گھاٹ اتاروں۔

ملک اشرف فوراً اٹھا اور عماد الملک کو بادشاہ کے حضور پیش کرنے کیلئے اسے لینے چلا گیا۔ مگر قید خانے کے نگہبانوں نے عماد الملک کو ملک اشرف کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عنصر الملک کی اجازت کے بغیر مجرم کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ ملک اشرف واپس آیا اور ساری صورت حال بتائی۔

اب بادشاہ اٹھا اور برج کے اوپر آ کر اس نے بلند آواز سے نگہبانوں سے کہا کہ مجرم کو جلد از جلد میرے حضور پیش کیا جائے تا کہ اسے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا دوں۔

اب نگہبانوں کو کیا تامل ہو سکتا تھا۔ انہوں نے فوراً عماد الملک کو بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔

Marfat.com

بادشاہ نے عمادالملک کو دیکھتے ہی اسے رہا کر دیا۔

یہ صورتحال دیکھ کر امرا ٹپٹائے۔ جو نگہبان اس پر مقرر تھے وہ ایسے پریشان اور خوفزدہ ہوئے کہ کوٹھوں سے گر کر خودکشی کر لی۔

اب یہ امرا بادشاہ کیخلاف تحریک چلانا چاہتے تھے مگر بادشاہ کے فوجی افسروں نے ایک ایک کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اکثر امرا تتر بتر ہو گئے۔ برہان الملک بہت بھاری جسم کا آدمی تھا اس سے بھاگا نہیں جاتا تھا۔ وہ گندے پانی والے نالے کی پلی کے نیچے چھپ گیا۔ جسے ایک خواجہ سرا نے پکڑ کر بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ جسے ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے کچل دیا گیا۔

ایسے ہی عضدالملک بھاگا اور اپنے نوکروں کے ہاں پناہ لی مگر چونکہ نوکروں کے ساتھ اس کا رویہ اچھا نہ تھا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر بادشاہ کے پاس تحفہ کے طور پر بھیج دیا۔ بادشاہ نے اس سر کو محل کے دروازے پر لٹکا دیا۔

تاریخ فرشتہ

ازمحمد قاسم فرشتہ

مے نوشی

قطب الدین مبارک شاہ خلجی 8 محرم 717ھ میں تخت پر بیٹھا امرا اور ارا کین سلطنت کو اپنا بنانے کے لئے ہر امیر کو اس کی حیثیت کے مطابق خلعت وانعام سے سرفراز کیا اور بہت سوں کو طبل وعلم سے بھی نوازا اور جاگیریں بھی دیں اور ستر ہزار قیدیوں کو رہا کیا۔

مگر بادشاہ چونکہ معشوق پرست اور مے نوش تھا۔ وہ جی بھر کے شراب پیتا اور جان و مال سے بے خبر ہو کر مستی و کیف کی زندگی گذارا کرتا۔ شراب کی مستی میں وہ وہ کام کر جاتا جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتے اور وہ وہ کام نہ کرتا جو اس کی حکومت کو اسے کام دینے والے ہوتے۔

بعض اوقات وہ دشمنوں کو چھوڑ دیتا اور دوستوں اور خیر خواہوں کو قتل کرا دیتا۔ وہ کسی ہمدرد اور بہی خواہ کے کسی مشورے پر عمل نہ کرتا اور نہ ہی کسی وفادار امیر کی کوئی گذارش سنتا۔ اگر کوئی امیر بادشاہ کی خیر خواہی میں کوئی بات بادشاہ کی رائے کے خلاف کہتا تو مبارک شاہ نہ صرف اس کی رائے کو رد کر دیتا بلکہ اسے خوب جی بھر کے گالیاں بھی دیتا۔ اس بنا پر کسی حاشیہ نشین کو یہ جرات نہ

Marfat.com

ہوتی تھی کہ وہ محض اشارے کنائے سے ہی بادشاہ کی خیر خواہی کا دم بھر سکے۔

الغرض بادشاہ نے ایک دم اپنی تمام اچھی عادتوں کو ترک کر دیا اور ان کی جگہ قبیح عادات اختیار کر لیں اس کا غصہ اور ظلم پسند سرشت اپنے شباب پر آ گئی اور بے گناہوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے کہ گجرات کا حاکم ظفر خان جو حکومت کا ایک اہم ستون تھا بے گناہ مارا گیا۔ اس کے بعد ملک شاہین کے برے دن آئے اور قتل کر دیا گیا۔

مختصر یہ کہ بادشاہ کا ہر عمل اس کے زوال کا پیش خیمہ نظر آنے لگا۔ علاوہ ازیں بادشاہ عورتوں کی طرح زیور پہن لیتا تھا اور اسی عالم میں مجمع میں آ کر لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں بازاری اور گھٹیا عورتیں ہر وقت جمع رہتی تھیں یہ عورتیں ارا کین سلطنت سے مذاق کر کے ان کی بے عزتی کر دیتی تھیں۔

خسرو خان ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ بادشاہ امرد پرستی کے جذبہ کے تحت اس کے ناز و نخرے برداشت کرتا تھا۔ اسے فوجوں کا سپہ سالار بھی بنا دیا گیا۔ اب اس کے دل میں بادشاہت کی خواہشیں جنم لے کر پروان چڑھنے لگیں۔ اس نے قمرہ تمار اور یوسف صوفی جیسے دہلی کے بدمعاشوں اور مفسدوں کو اپنے ساتھ ملا کر مبارک شاہ کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا۔ خسرو خان نے دوستوں سے کہا جب بادشاہ شکار کھیل رہا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔

لیکن یوسف صوفی نے کہا اگر بادشاہ کو شکار گاہ میں قتل کیا گیا تو ہم سب بھی قتل ہو جائیں گے۔ بادشاہ کو شاہی محل میں قتل کرنا چاہئے اور اس سے قبل امرا کو اپنے پاس بلا کر نظر بند کریں۔ اگر یہ امرا بادشاہ کے خون کا انتقام نہ لیں اور ہماری اطاعت کے دائرے میں داخل ہو جائیں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے ورنہ انہیں بھی بادشاہ کی طرح قتل کر دیا جائے۔

ایک دن بادشاہ شکار سے واپس آیا اور جب عادات عیش پرستی اور لہو و لعب میں مشغول ہو گیا اور خسرو خان سے بھی چھیڑ چھاڑ ہونے لگی تو خسرو خان نے کہا۔

حضور! میں اکثر اوقات بہت رات گئے تک آپ کی خدمت میں رہتا ہوں۔ جب رخصت ملتی ہے تو اس وقت اپنے مکان میں جانا مشکل ہوتا ہے اس لئے مجبور ہو کر یہیں حضور کے محل کے کسی کونے میں پڑا رہتا ہوں اور رات کا باقی حصہ بسر کر لیتا ہوں۔ میرے عزیز اور رشتہ دار مجھ سے ملاقات کرنے اور مجھے دیکھنے کیلئے دور دراز سے آتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں کہ میرے

Marfat.com

ملاقاتی رات کے وقت بغیر کسی روک ٹوک کے شاہی قصر میں آیا کریں تو بڑی نوازش ہوگی۔ اگر ایسا ہوگیا تو پھر میں بھی تمام رات حضور کی خدمت میں حاضر رہا کروں گا۔

بادشاہ نے بلا حیل و حجت اس درخواست کو منظور کرلیا اور حرم سرا کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں اور کہا بھلا تجھ سے اور تیرے ہم قوم جوانوں سے بڑھ کر میرے لئے کون صاحب اعتبار ہوسکتا ہے۔ میں آج ہی شاہی دولت خانے کے تمام انتظام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

شاہی حرم سرا کی چابیاں حاصل کرتے ہی خسرو خان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ اب شاہی تخت پر بیٹھنے کے دن قریب آ گئے ہیں۔ اب اس کے ہمنوا اسلحہ سے آراستہ ہو کر گروہ در گروہ آنے جانے لگے۔

خسرو خان کی سازش کا علم قاضی خان جو کہ مبارک شاہ کا استاد تھا کو ہو گیا۔ اس نے اس خطرے کا اظہار بادشاہ سے کیا مگر شراب اور خسرو خان کے عشق کے نشے میں مست بادشاہ نے اس اطلاع کی کوئی پروانہ کی۔

خسرو خان بڑی جلدی اپنے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ مبادا بادشاہ باخبر ہو جائے۔ آخر ایک دن خسرو خان کے بندوں نے بادشاہ کا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔

بادشاہ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور جان بچانے کی غرض سے حرم سرا کی طرف بھاگا۔ نمک حرام خسرو خان نے جلدی سے آگے بڑھ کر بادشاہ کو بالوں سے پکڑ لیا۔ بادشاہ نے جب خسرو خان کی یہ حرکت دیکھی تو اسے بغل میں دبوچ لیا۔ تاہم اس نے بادشاہ کے بال نہیں چھوڑے۔ اتنے میں خسرو خان کے آدمی آ گئے انہوں نے بادشاہ پر حملہ کر کے ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا۔

اب بادشاہ کو بالوں سے گھسیٹ کر زمین پر پٹخ دیا اور پھر سر تن سے جدا کر کے باہر پھینک دیا۔

جب چوکیداروں نے بادشاہ کا سر دیکھا تو خوف کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ادھر محل والے بدمعاشوں نے بادشاہ کے بیٹوں، بیٹیوں اور دیگر نوجوانوں کو چن چن کر ہلاک کر دیا اور اہل حرم کی بے عزتی اور توہین کی۔

تاریخ فرشتہ
از محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

علیحدگی

مولانا عبداللہ چکڑالوی کا نام والدین نے غلام نبی رکھا تھا مگر جب انہوں نے اہل حدیث مذہب کو اپنایا تو انہیں غلام نبی نام اچھا نہ لگا اس نام میں انہیں شرک کی بو آنے لگی۔ تو انہوں نے اپنا نام بدل کر عبداللہ رکھا' چونکہ چکڑالہ ضلع کیمبل پور کے رہنے والے تھے اس لئے عبداللہ چکڑالوی کے نام سے شہرت پائی۔

دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ لاہور ان دنوں اعتقادی کشمکش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ انگریز کے پھیلائے ہوئے فکری اور نظریاتی فرقے بڑی آزادی کے ساتھ اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

عبداللہ چکڑالوی نے اس شہر کی فضاء کو اپنے مشن کے لئے موافق پا کر عوام الناس کو معمولی کوتاہیوں پر مشرک' بدعتی اور کافر قرار دینا شروع کر دیا۔ جس سے ان کے خلاف مخالفت کی زبانیں استعمال ہونے لگیں۔

لاہور میں چیدیانوالی مسجد میں جب مولوی رحیم بخش وفات پا گئے تو انہیں امامت ملی' کچھ عرصہ تک درس حدیث دے کر اہل حدیث کو خوش کیا' مگر اس کے بعد اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی دلیل دے کر بخاری شریف کے علاوہ تمام کتب احادیث کو مشکوک قرار دیدیا۔ یوں ایک عرصہ تک بخاری شریف کا درس جاری رکھا مگر طبعی اضطراب نے بخاری اور قرآن کا توازن شروع کر دیا۔ بعض احادیث خلاف آیات قرآن دے کر اعلان کر دیا کہ جب قرآن ایک کتاب ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے۔

اس قرآن شریف سے احکام کا استنباط ہونے لگا اور ایک تفسیر بھی لکھی' جس میں اپنے خیالات کا پرزور پرچار کیا۔

چیدیانوالی مسجد کے اہل حدیث مقتدی کچھ عرصہ تک تو برداشت کرتے رہے مگر ایک وقت آیا کہ اس ایک ہی مسجد میں دو امام مقرر کر لئے گئے' دونوں اماموں کے مقتدی روزانہ بحث و تکرار میں رہتے' ہر نماز دو امام پڑھاتے۔

جب حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا میرا اصل مطلب تو قرآن ہی تھا' مدت سے ان

Marfat.com

کتوں کے آگے ہڈی ڈالتا رہا ہوں۔

اس پر اہل حدیث بڑے برہم ہوئے اور جناب کو مسجد سے نکال باہر کیا' آپ کے معتقد و مقتدی محمد بخش عرف چٹو پٹولی آپ کو سریانوالے بازار میں اپنے مکان میں لے گیا' جہاں ایک احاطے میں اپنی مسجد بنا کر اہل قرآن کے مسائل کی تشہیر شروع کر دی۔

چٹو پٹولی نے آپ کا لکھا ہوا پنجابی ترجمہ چھپوا کر تقسیم کیا جو اہل قرآن کے لئے بڑا عملی سرمایہ تھا۔ اس مسجد میں ہر حصہ شہر سے نمازی آتے اور جب مولوی صاحب جماعت کروانے لگتے تو سینکڑوں نمازی اپنی اپنی علیحدہ نماز ادا کرنا شروع کر دیتے۔ جس پر مولوی صاحب نے اکثر نمازیوں کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی' جس میں مولوی صاحب کو شکست ہوئی۔

ایک عرصہ کے بعد چٹو پٹولی بھی علیحدہ ہو گیا اور مولوی صاحب ایک نواب صاحب کے پاس ملتان میں چلے گئے۔ جہاں ایک واقعہ پر لوگوں نے آپ کو سنگ سار کیا اور آپ نیم مردہ ہو گئے۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ہر ایک کے آگے جھکنے والے بن گئے۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا اور اسی تکلیف کے باعث چکڑالہ میں جا کر فوت ہو گئے۔

گویا اس منکر حدیث کی اولاً کمر ٹوٹی اور اب موت نے اس کی گردن توڑ دی۔

تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت

از علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

Marfat.com

بردرِ انتقام

Marfat.com

باپ اور بیٹے

یزید کی خلافت کی بیعت سلطنت اسلامی کے نزدیک غیر آئینی تھی۔ لہٰذا بیعت کے مسئلہ میں اختلاف پایا گیا۔ حضرت امام حسین بن علی' عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت نہیں کی۔

جب یزید تخت پر بیٹھا تو عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسین بن علی سے بیعت کیلئے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو تاکیدی حکم بھیجا۔

یہ دونوں بزرگ مکہ پاک میں تشریف لے آئے' حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کوفہ والوں نے خطوط اور وفود بھیجنے شروع کر دیئے کہ آپ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالات کا جائزہ لینے کیلئے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ میں بھیجا۔ آپ نے مختار بن ابی عبید کے گھر میں قیام کیا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس شیعان علی کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔

کوفہ کے حکام نعمان بن بشیر بڑے دین دار و نیک فطرت اور امن پسند آدمی تھے' انہوں نے کسی قسم کی کوئی سختی نہیں کی۔

یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے عبیداللہ ابن زیادہ کو نعمان بن بشیر کی جگہ یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ جاتے ہی مسلم بن عقیل کو کوفہ سے نکال دیں یا انہیں قتل کر دیں۔

یہ حکم پا کر وہ کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کے سامنے تقریر کی۔

اے باشندگان کوفہ امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے۔ مظلوموں کے ساتھ التفات مطیع و فرمانبرداروں کے ساتھ اچھا سلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کو پورا کروں گا۔ مطیع و منقاد کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا لیکن مخالفین کے لئے سم قاتل ہوں۔

پھر ہر محلہ کے چودھری کو اس کے محلہ کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اپنے اپنے محلہ کے فتنہ پرور خوارج اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر اطلاع دے جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا اس کے دروازہ پر اس کو

Marfat.com

سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

اس کڑی نگرانی اور پہرے نے حضرت مسلم بن عقیل کا کوفہ میں رہنا مشکل کر دیا۔ وہ جس کے پاس بھی رہنے کو جاتے وہ انکار کر دیتا" یا اگر کوئی رکھتا تو ایک یا دو دن کیلئے۔

ہانی بن عروہ نے محبت اہل بیت کا حق ادا کیا انہیں اپنے ہاں چھپا کے رکھا لیکن سراغ رسانوں اور جاسوسوں نے پتہ لگالیا' جس پر ہانی گرفتار کر لئے گئے اور پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔

حضرت مسلم بن عقیل یہاں سے نکل کر ایک بڑھیا کے ہاں چلے گئے۔ یہاں ابن زیاد کے لوگوں سے مقابلہ بھی ہوا آخر گرفتار کر لئے گئے۔

حضرت مسلم بن عقیل نے عمرو بن سعد سے جو ان کا قریبی عزیز تھا کو وصیت فرمائی کہ میں نے سات سو روپیہ اہل کوفہ سے قرض لئے تھے انہیں ادا کر دینا' میری لاش کو دفن کر دینا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دیدینا کہ راستہ سے واپس چلے جائیں۔ ابھی وصیت مکمل ہوئی تھی کہ آپ کا سر جسم سے الگ کر دیا گیا۔

ابن زیادہ کو یہ بھی خبر مل چکی تھی کہ حضرت مسلم بن عقیل کے دو بچے بھی ان کے ہمراہ آئے تھے۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت ہوئی اس وقت یہ دونوں بچے قاضی شریع کے پاس بطور امانت تھے۔

ابن زیاد کے آدمیوں نے انہیں بھی ڈھونڈ نکالا اور دونوں کو شہید کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

والدہ کی نصیحت

نعمان بن بشیر (سابق گورنر کوفہ) کی جگہ جب عبید اللہ بن زیاد کا تقرر کیا گیا اور کوفہ میں جو سنگین صورت حال بنی اس کا تذکرہ جب اہل مکہ اور اہل مدینہ سے سنا تو حجاز میں انقلاب بپا ہو گیا۔ ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کے علاوہ کل اہل حجاز نے ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔

اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کر کے عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ میں

Marfat.com

جو اموی تھے انہیں گھیر لیا۔ اس انقلاب کی خبریں جب یزید تک پہنچیں تو 10 ہزار کا لشکر مسلم بن عقبہ مری کی کمان میں بھیجا۔ اس نے تین دن تک مدینہ کو لوٹا اور قتل عام کیا اور مدینہ کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

اب یہی فوج مکہ میں پہنچی لیکن فوج کے جس سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری نے مدینہ کی بے حرمتی کی تھی وہ رستہ میں ہی بیمار ہو کر مر گیا۔ اب اس فوج کی قیادت حصین بن نمیر کے سپرد ہوئی۔ یہ فوج محرم 64ھ کو مکہ میں پہنچی، چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر حرم کعبہ میں پناہ گزین تھے لہٰذا حصین نے کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی جس سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔

ابھی یہ سنگ باری ہو رہی تھی کہ یزید کے مر جانے کی خبر مل گئی، جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت رہی، تاہم شام میں مروان کی بیعت ہونے لگی، مروان تقریباً ایک سال کے بعد مر گیا، اب اس کی جگہ عبدالملک بن مروان تخت شام پر بیٹھا۔ اس نے 71ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بہت بڑی فوج دے کر ابن زبیر کے مقابلہ کیلئے بھیجا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر حرم میں قلعہ بند تھے، اب پھر دوبارہ کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور خانہ کعبہ کی عمارت کو زبردست نقصان پہنچا۔

محاصرے نے طول کھینچا تو سامان رسد بالکل ختم ہو گیا لوگوں نے گھوڑے ذبح کر کے کھانے شروع کر دیئے۔

ابن زبیر کی دس ہزار فوج عبدالملک بن مروان کی فوجوں سے مل گئی، یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اب آپ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن کے پاس گئے) عرض کیا۔

اماں! میرے تمام ساتھی مجھ سے الگ ہو گئے ہیں یہاں تک کہ میرے بیٹوں نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ہمارا دشمن صرف اسی ایک شرط پر ہمیں چھوڑ سکتا ہے کہ ہم عبدالملک بن مروان کی بیعت کریں آپ کا اس معاملے میں کیا حکم ہے۔

اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی نے آمادہ قتل بیٹے کو جو جواب دیا اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

Marfat.com

فرمایا' بیٹا! تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا اگر تم حق پر ہو اور حق کیلئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کیلئے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اسی حق کی خاطر جان دیدی ہے اور اگر دنیا طلبی کیلئے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہوگا۔ جس نے خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور ایسے ساتھیوں کو ہلاک کروایا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

یہ جواب سن کر ابن زبیر نے کہا اماں! مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔

بہادر ماں نے جواب دیا' ذبح ہو جانے کے بعد بکری کو کھال کھینچے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کردو۔

اس کے بعد ابن زبیر نے اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت اسماء نے فرمایا میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر سے کام لوں گی اور اگر کامیاب ہوئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔ پھر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا کہ جاؤ۔ بسم اللہ اپنا کام پورا کرو۔

ان سے رخصت ہو کر وہ سیدھے رزم گاہ میں پہنچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے ان کے صف شکن حملوں کو دیکھ کر شامیوں نے پورا زور صرف کر دیا اور بڑھتے ہوئے حرم کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر نے منہ نہ موڑا اور اسی بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوئے یہ واقعہ جمادی الثانی 73ھ میں پیش آیا۔

ابن زبیر کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ حجاج نے لاش سولی پر لٹکا دی۔ کئی دن کے بعد حضرت اسماء کا ادھر سے گزر ہوا انہوں نے دیکھ کر فرمایا ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا۔

ہو چکی دیر کہ منبر پر کھڑا ہے خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

پھر عبدالملک کے کہنے پر لاش اتار کر ان کی والدہ کے حوالے کی گئی' اسلام کا یہ نامور فرزند مقام حجون میں سپرد خاک کیا گیا۔

تاریخ اسلام
از شاہ معین الدین الاعدوی

Marfat.com

ولی عہد

بنی امیہ کی دو شاخیں چلیں، پہلی شاخ یزید بن معاویہ کے خاندان کی تھی، مملکت اسلامیہ کی حکمرانی اسی خاندان کے پاس تھی مگر جب یزید مر گیا اور اس کا بیٹا معاویہ ثانی 3 ماہ کے بعد تخت خلافت سے دست بردار ہو گیا تو حکومت دوسری شاخ میں منتقل ہو گئی۔ یعنی امیہ کے پڑپوتے مروان بن حکم کے تخت پر بیٹھنے سے۔

اس موقعہ پر اس نے یزید کے دوسرے بیٹے خالد بن یزید کو جو ابھی کمسن تھا اپنا ولی عہد اور اس کے بعد عمر بن سعید بن العاص کو بنایا۔ علاوہ ازیں اُمِ خالد یعنی یزید کی بیوہ سے شادی بھی کر لی۔

ام خالد اس اعتبار سے خوش تھی کہ مروان کے بعد اس کا بیٹا خالد تخت نشین ہو گا اور حکومت پھر معاویہ خاندان میں آ جائے گی۔

لیکن چند ہی مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر دیا اور اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنا دیا۔

یہ بات خالد بن یزید اور اُمِ خالد دونوں کیلئے تکلیف دہ ثابت ہوئی، بیگم نے اس کی بدعہدی پر ناراضگی کا اظہار کیا تو مروان نے خالد کو بھی اور اُمِ خالد کو بھی گالیاں دیں اور کردار پر بھی حرف گیری کی۔

خالد بن یزید نے مروان کے اس رویئے کا شکوہ ماں سے کیا اور اس کے خلاف علم بغاوت اٹھانے کی اجازت چاہی مگر ماں نے کہا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو قوت برداشت پیدا کرو۔ اس واقعہ کو بھول جاؤ، اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ ماں نے بیٹے کو کچھ بھی نہ کرنے کا مشورہ دے کر اس کے جذبات کو ٹھنڈا کر دیا مگر اس کے اپنے دل کے اندر نفرت کے جذبات کی آگ کے آلاؤ اٹھ رہے تھے، وہ مروان سے اس بدعہدی اور بے عزتی کا انتقام لینا چاہتی تھی، اس نے دودھ میں زہر ملا کر اسے دیا اور ہلاک کر دیا۔

جب وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا تو اُمِ خالد اس پر ہنس رہی تھی کہ تم جیسے بے وفا شخص کا یہی انجام ہونا چاہیے۔

Marfat.com

ایک دوسری روایت کے مطابق اُمِ خالد نے مروان کا گلا دبا کر مار دیا تھا اور وہ یوں کہ اس نے اپنی چار پانچ باندیوں کو تیار کیا جب مروان محل میں آ کر لیٹ گیا تو اُمِ خالد کے حکم کے مطابق عورتوں نے مروان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر کہ آواز بھی نہ نکال سکے اور قابو کر کے گلا گھونٹ دیا۔

مروان صرف 9 مہینے حکومت کر سکا جبکہ موت کے وقت اس کی عمر 63 سال تھی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

اشرفیوں کی بکھیر

بغداد کی حکومت معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد جب بنی امیہ کی دوسری شاخ میں منتقل ہوئی اور مروان بن الحکم تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے حضرت امیر معاویہ کے خاندان کی مداخلت کے خوف سے یزید کے دوسرے بیٹے خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید کو ولی عہد نامزد کیا۔ مگر تین مہینے کے بعد ان کے نام خارج کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد نامزد کر دیا۔

خالد بن یزید تو کمسن تھا مگر عمرو بن سعید میں جان تھی، وہ بنو امیہ کے اندر ہر دل عزیز اور بہت عزت والا بھی تھا۔ اس کے پاس حشم و خدم کی بھی کثرت تھی اور سرداری کی قابلیت بھی رکھتا تھا۔

جب عبدالملک خلیفہ بنے تو اسے عمرو بن سعید سے خطرہ ضرور تھا۔ لہٰذا وہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا تا کہ وہ مخالف قوتیں اپنے گرد جمع نہ کرے۔

جس وقت عبدالملک فوج لے کر قریش کی جانب روانہ ہوا تو عمرو بن سعید نے راستے میں کہا کہ آپ اپنے بعد میرے لئے تخت خلافت کی وصیت کر دیں اور مجھے اپنا ولی عہد مقرر فرما دیں۔

اس قسم کے وعدے عمرو بن سعید سے کئی بار کئے جا چکے تھے، وہ صرف ان کا باقاعدہ اعلان چاہتا تھا مگر اس موقعہ پر عبدالملک نے صاف انکار کر دیا کہ میرے بعد خلافت کا حق دار میرا بھائی عبدالعزیز ہے۔

عمرو بن سعید کی دل شکستگی ہوئی وہ یہیں سے موقعہ پا کر دمشق کی طرف واپس چلا گیا اور یہاں آتے ہی عبدالرحمان کو نکال دیا اور خود دمشق پر قابض ہو کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور وظائف مقرر کرنے اور حسن سلوک پیش کرنے کا وعدہ کیا۔

Marfat.com

عبدالملک کو جب اس کارروائی کا علم ہوا تو وہ واپس آیا اور شہر کا محاصرہ کرلیا اور پھر دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ بالآخر لوگوں نے دونوں میں صلح کروادی اور عمرو بن سعید نے دمشق عبدالملک کے سپرد کردیا۔

یہ صلح ہونے کے باوجود عبدالملک کے دل میں اس خدشہ کا میل تھا کہ عمر ابن سعید پھر کسی وقت اس کیلئے مصیبت بن سکتا ہے۔ اس نے دھوکے سے اسے دربار میں بلایا وہ آیا اور حسب دستور عبدالملک کے ساتھ تخت پر جا بیٹھا' عبدالملک نے اس کا کام تمام کرنے کیلئے پہلے ہی آدمی مقرر کرر کھے تھے۔ انہوں نے عمرو بن سعید کو پکڑا اور قتل کردیا۔

یہ قتل کوئی معمولی قتل نہ تھا' عمر ابن سعید کے پیچھے لڑنے بھڑنے والی ایک مضبوط قوت موجود تھی۔ عمر ابن سعید کے بھائی یحیٰی بن سعید کو خبر ہوئی تو وہ ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ فوراً چلا آیا اور دارالامارۃ کا محاصرہ کرلیا۔

عبدالملک نے عمرو بن سعید کا سر کاٹ کر اوپر سے ان لوگوں کی طرف پھینک دیا' یہ سر دیکھ کر لوگوں کے زیادہ مشتعل ہونے کا امکان تھا مگر عبدالملک نے روپوں اور اشرفیوں کی بکھیر شروع کردی۔ لوگ اس دولت کو اکٹھا کرنے میں مصروف ہوگئے اور یحیٰی بن سعید کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور پھر جلد ہی قتل کردیا۔ عمرو بن سعید کا قتل 69ھ میں ہوا۔

تاریخ اسلام

اکبر شاہ نجیب آبادی

جاسوس

حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ میں حاکم تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کے حسن بن محمد بن جندب ہذلی اور عمر بن سلام نے نبیذ نوش کی ہے۔ آپ نے انہیں بلایا اور اس جرم میں انہیں سزا دی اور پھر ان کی خوب تشہیر کی۔

اس پر حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب' عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے اور کہا کہ علمائے عراق نبیذ کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس لئے تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کا حق نہیں ہے۔

ان کے اس اعتراض پر عمر بن عبدالعزیز نے نبیذ پینے والوں کو قید کردیا۔ تاہم حسین بن علی

Marfat.com

کی ضمانت پر اس شرط کے ساتھ حسن بن محمد کو رہا کر دیا کہ وہ اطمینان کیلئے وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہیں گے مگر یہ شرط پوری نہ ہو سکی۔ جس پر باہمی جنگ ہوئی اور حسین بن علی شہید ہو گئے۔

ان کے ماموں ادریس بن عبداللہ بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ بھانجے کی شہادت کے بعد وہ مدینہ سے بھاگ کر مغرب میں چلے گئے۔ اہل فارس نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ یہیں مقیم ہو گئے اور چاہتے تھے کہ ایک لشکر تیار کر کے اپنے مقتولین کا بدلہ لیں۔

مگر خلیفہ مہدی کا ایک غلام ادریس شماخ جاسوس بن کے ان کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ اس نے محبت اور عقیدت دکھائی اور ادریس بن عبداللہ کی قربت میں جگہ حاصل کر لی۔ ایک دن ادریس عبداللہ کی داڑھ میں سخت درد ہونے لگا۔ ادریس شماخ بار باران کے پاس جاتا اور خیریت دریافت کرتا۔ آخر کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کوئی منجن آپ کو لا دوں۔

ادریس بن عبداللہ کو درد نے نڈھال کر رکھا تھا وہ کوئی بھی دوائی استعمال کرنے کو تیار تھے۔ انہوں نے فوراً کہا ہاں ضرور لاؤ۔ اب ادریس شماخ کو موقعہ ملا کہ وہ جس مقصد کیلئے اس کے لشکر میں شامل تھا وہ مقصد اب حاصل کر لے۔ اس نے منجن حاصل کر کے اس میں زہر شامل کر دیا۔

ادریس بن عبداللہ نے جونہی منجن ملا۔ زہر نے اثر دکھایا۔ زہر سارے جسم میں پھیل گیا۔ ان کی حالت غیر ہو گئی اور مر گئے۔ اس طرح خلیفہ کی یہ سازش کامیاب رہی اور اس لشکر کی تاخت و تاراج سے ملک بچ گیا جو ادریس بن عبداللہ تیار کر رہا تھا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

بے گور و کفن

بنی امیہ کے آخری دور میں عبدالرحمٰن بن مسلم نے مفلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اس کے آنے سے پہلے ایک شخص منصور بن جمہور نے سندھ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ مفلس عبدی نے اس قبضہ کو پسند نہیں کیا۔ اس نے اس پر فوج کشی کی مگر منصور بن جمہور کی سپاہ نے اپنے سردار کا بھرپور ساتھ دیا اس طرح مفلس عبدی قتل ہو گیا اور منصور کامیاب رہا۔

اب موسیٰ بن کعب کو سندھ روانہ کیا گیا۔ منصور بن جمہور نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست

Marfat.com

کھائی۔ چونکہ موسیٰ بن کعب کے نزدیک منصور ایک غاصب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سپہ سالار مفلس عبدی کا قاتل بھی تھا۔ کعب کو اس پر بڑا غصہ تھا وہ اس کی بوٹی بوٹی نوچ لینا چاہتا تھا۔

اس بات کا خدشہ منصور بن جمہور کے دل میں جاگزین تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ موسیٰ سے صلح کسی بھی سطح پر نہ ہوگی بلکہ اسے تو ہر قیمت پر میرا سر چاہیے ہے لہٰذا وہ بھاگ گیا۔ اس نے اپنی جان بچالی۔ ہاں ہاں صرف اپنی جان جبکہ اس کی سپاہ قیدی بنالی گئی۔

منصور اپنے آپ کو گھوڑے پر لادے اس میدان کارزار سے بھاگے جارہا تھا جہاں اس کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن تھے مگر اف! وہ موت سے بھاگا تھا جبکہ موت کا فرشتہ اس کا برابر پیچھا کررہا تھا۔ ہر طرف ویران ریگستان تھا نہ کوئی درخت کا سایہ تھا نہ کوئی پانی کا چشمہ۔ وہ اکیلا و تنہا تھا اگر اس کے ساتھ کوئی تھا تو وہ موت کا خوف تھا۔ نہ کھانے کو اس کے پاس درختوں کے پتے تھے نہ پینے کو کسی جوہڑ کا پانی۔ اس کی بھوک اور پیاس اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ وہ درختوں کے پتے کھانے اور گندے جوہڑ کا پانی بھی پینے کو تیار تھا۔

گرمی کی شدت نے اسے اس قدر نڈھال کردیا کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ سے جدا ہوکر نیچے آگرا۔ تپتی ہوئی ریت نے اسے جھلسا کے رکھ دیا۔ وہ اٹھا مگر لڑکھڑا کے پھر گر پڑا۔ ایسا گرا کہ پھر مزید بولنے اور ہلنے کی طاقت نہ رہی وہ مرگیا۔ وہ منہ کھولے پڑا تھا۔ کوئی اس کا منہ بند کرنے والا نہ تھا۔ وہ ٹیڑھا میڑھا ہوئے پڑا تھا۔ کوئی اسے سیدھا نہ کرسکا نہ اسے غسل دیا گیا نہ کفن میسر آسکا۔ یہاں تک کہ قبر میں اتارنے والا بھی اس کے پاس کوئی نہ تھا۔

بھلا ہو ریت کے ذروں کا جو ہوا کے کندھوں پر سوار ہوکر آئے اس کی بیچارگی پر ترس آیا اور ایک ٹیلا نما قبر بنادی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

مال ومتاع

ابو مسلم خراسانی ایک ایرانی جرنیل تھا۔ جس نے بنو امیہ کی خلافت کا خاتمہ کرنے اور بنو عباس کی خلافت قائم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور ابو العباس عبداللہ بن محمد المعروف سفاح

Marfat.com

کو تخت خلافت پر بٹھا کر اس کے ہاتھ مضبوط کئے۔ 136ھ میں وہ حج پر گیا کہ سفاح مر گیا۔ تو اس کا بھائی ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا مگر اس کا چچا عبداللہ بن علی جو شام میں تھا کو تاج و تخت کی طمع دامن گیر ہوئی۔ پھر اس نے خلافت کا اعلان کر دیا۔

ابو مسلم چاہتا تھا کہ دونوں چچا بھتیجا لڑیں گے تو ان کی قوت کمزور ہو گی تو شائد اسے کوئی فائدہ پہنچ جائے۔ مگر کہنے والوں نے اسے کہا کہ اس کے اس طرز عمل سے خراسان والوں کو طعنہ دینے کا موقعہ مل جائے گا کہ تم نے جس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بنایا پھر خود ہی اسے برباد کرنے پر تل گئے۔

یہ بات ابو مسلم کی سمجھ میں آ گئی لہٰذا وہ عبداللہ بن علی کے خلاف نبرد آزما ہوا، عبداللہ کو شکست ہوئی اور بہت سا مال و متاع ابو مسلم کے ہاتھ لگا۔

منصور نے یہ مال و متاع لینے کے لئے آدمی بھیجے ابو مسلم سخت برہم ہوا۔ کہا کہ خونریزیوں کے لئے تو مجھ پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور مال کے بارے میں یہ اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں خلیفہ منصور کی ماں کی نسبت گستاخانہ کلمات استعمال کئے۔ اب دونوں کے دل میلے ہو گئے۔ دونوں اس فکر میں رہنے لگے کہ موقعہ ملے تو اپنے اپنے رستے کی رکاوٹ دور کریں۔

ایک دن منصور نے ابو مسلم خراسانی کو بلا بھیجا۔ اس کی آمد سے قبل کچھ مسلح آدمی چھپا دیئے۔ مقررہ وقت پر جب ابو مسلم آیا تو اس کی تلوار بھی اس سے لے لی گئی۔ پہلے دونوں میں ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ کچھ شکوے ہوئے پھر یکدم منصور کے تیور بدل گئے کہا کہ تم اپنی حدود سے کتنا آگے بڑھتے جا رہے ہو۔ خطوط میں تم اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھتے ہو۔ اس کے علاوہ میری پھوپھی آمنہ کو تم نے شادی کا پیغام بھی دیا ہے۔ اور تم اپنے آپ کو سبط عبداللہ بن عباس کی اولاد بھی بتاتے ہو۔

ابو مسلم ہر جرم کی معذرت میں دست بوسی کرتا جاتا تھا۔ پھر اچانک اس نے تالی بجائی مسلح آدمی نکل آئے اور اس پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بیچارہ بے ہتھیار تھا۔ وہ بڑی جلدی زمین پر آ گرا اور دم توڑ گیا۔ اس طرح یہ عباسی حکومت کا بانی اعظم جس نے اس کی تاسیس میں 6 لاکھ آدمیوں کا خون کیا تھا۔ خود خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ منصور کے پاس آیا۔ پوچھا کہ ابو مسلم خراسانی آپ کے

Marfat.com

ہاں آیا تھا کہاں ہے۔

منصور بولا۔وہ ابدی نیند سو چکا ہے۔

پوچھا کیا قتل کر دیا گیا ہے۔

کہا گیا۔ہاں۔

عیسیٰ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔کہا۔کیا اس کے کارناموں کا یہی صلہ ہے۔

منصور نے کہا۔ہاں اب وہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ تھا۔کیونکہ اس کی تلوار اپنوں اور بیگانوں میں امتیاز کرنا بھول چکی تھی۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

لٹیرا

جب امین اور مامون میں جنگ ہوئی تو مامون کی فوج میں بہارد شخص سری بن منصور شیبانی المعروف ابوالسرایا بھی تھا۔امین کے قتل کے بعد مامون نے فوجی اخراجات کم کرنے کے سلسلہ میں ابوالسرایا کی تنخواہ کم کردی۔جس سے وہ حکومت کے خلاف ہوگیا۔وہ حج کے بہانے سے رخصت لے کر چلا گیا۔اب اس نے لٹیروں کا ایک جتھا بنایا اور ڈاکہ زنی کرنے لگا اور حکومت کے عمال پر بھی حملے کرنے لگا۔

انہیں دنوں محمد بن ابراہیم جو خاندان اہل بیت کے ایک بزرگ تھے۔جنہیں ابن طباطبا علوی کے نام سے شہرت ملی نے 199ھ میں عراق میں اپنی خلافت کا دعویٰ کیا انہیں عوام کی بہت زیادہ حمایت حاصل ہوگئی۔ان کی قوت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ کچھ دنوں تک اسلامی سلطنت کا بڑا حصہ حکومت سے کٹ گیا۔

ان کی قوت میں اضافہ کرنے والا یہ ابوالسرایا بھی تھا۔وہ اس کی فوجوں میں شامل ہوگیا۔اس طرح بڑی جلدی ان کا قبضہ کوفہ پر ہوگیا پھر کوفہ اور نواح کوفہ کے لوگوں کی مشترکہ حمایت انہیں حاصل ہوگئی۔

کوفہ کے عامل سلیمان بن منصور نے زہیر بن مصیب حنبی کو دس ہزار کی فوج کے ساتھ ابن طباطبا کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر شکست کھائی۔اب عبدوس بن محمد کو اس کے مقابلہ میں بھیجا

Marfat.com

گیا۔اسے بھی شکست ہوئی اوراس کی ساری فوج قتل ہوگئی ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچا۔

اس دوران میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا۔اس پر ابوالسرایا اکیلا قابض ہونا چاہتا تھا مگر ابن طبا طبا نے اسے پسند نہ کیا اس پر ابوالسرایا ان سے بگڑ گیا۔ایسا بگڑا کہ اس کی جان کا دشمن بن گیا۔وہ محمد بن ابراہیم کو راستے سے ہٹا کر عوام کی آنکھوں کا تارا بننا چاہتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ محمد بن ابراہیم کی نسبت عوام میں زیادہ مقبول ہے لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا۔عوام تو بس محمد بن ابراہیم کو چاہتے تھے اور وہ اس مقبولیت کا اندازہ نہ کر سکا تھا۔اس کے دل میں بھی نفرت پروان چڑھتی رہی وہ اسے اپنی راہ کا ایک روڑا سمجھتا تھا۔جسے وہ جلدی سے جلدی ہٹا دینا چاہتا تھا۔آخر ایک دن اس نے محمد بن ابراہیم کے کھانے میں زہر ملا دیا۔جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔وہ تو اپنے پروگرام کے مطابق ان کی لاش کی بے حرمتی بھی کرنا چاہتا تھا مگر عوام میں ان کی مقبولیت نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔

عوام محمد بن ابراہیم کے غم میں دھاڑیں مار مار کر روئے اور ابوالسرایا کی مخالفت میں باتیں کرنے لگے۔اب اس نے ایک نوعمر لڑکے محمد بن زید بن علی بن حسین کو محمد بن ابراہیم کا جانشین مقرر کر دیا۔

نہایت قلیل عرصہ کے بعد ابوالسرایا اور ہرثمہ کا مقابلہ کوفہ میں ہوا۔ابوالسرایا بھاگ گیا مگر عباس حاکم حسین بن علی سے مقابلہ ہوا۔ابوالسرایا پکڑا گیا پھر اس کا سر تن سے جدا کر کے مامون کے دربار میں بھیجا گیا اور اس کا جسم باغیوں کی عبرت کیلئے بغداد کے پل پر اویزاں کر دیا گیا۔

تاریخ اسلام

ازشاہ معین الدین ندوی

بدنیتی

سلیمان بن مخلد جس نے ابوایوب کے نام سے شہرت پائی۔ایک حسین ترین نوجوان تھا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ منصور کو خلیفہ ہونے سے قبل نہایت بھلا لگا اور خرید لیا۔اگرچہ خریداری محض اس کے حسن کے باعث تھی مگر چونکہ شاہی محلات میں اس کا رہنا سہنا ہوگیا تھا لہٰذا آداب شاہی سے واقفیت اس کے لئے ضروری تھی۔پس منصور نے اس کی اچھی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔یہی اچھی

Marfat.com

تربیت اس کی ترقیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ایک مرتبہ منصور نے اسے سفاح کے پاس ہدیہ دے کر بھیجا۔ سفاح کو اس کا طور طریقہ اور گفتگو بہت پسند آئی۔ اس نے پوچھا تم کس کے غلام ہو اس نے عرض کیا امیر المومنین کے بھائی کا۔

سفاح نے کہا سنو! آج کے بعد تم میرے غلام ہو اور منصور کو لکھ دیا کہ میں نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

اب سفاح نے اس کی مزید بہتر تربیت کی طرف دھیان دیا۔ وہ عقل و فہم' ذہانت' معاملہ فہمی اور فضل و کمال میں یگانہ روزگار بن گیا۔ فقہ کے علاوہ تمام علوم پر اس کی نظر تھی۔ کیمیا' طب' نجوم اور حساب میں زیادہ درک تھا۔

سفاح کے بعد جب منصور تخت خلافت پر بیٹھا تو ابوایوب دوبارہ اس کے پاس آ گیا۔ منصور کے مزاج میں اس کو اتنا رسوخ و اعتماد حاصل تھا کہ اس کو اس نے وزیر بنا کر مختار جز وکل بنا دیا۔ وزارت کے ساتھ دیوان کا عہدہ بھی اسکے متعلق تھا۔ وہ منصور پر اتنا زیادہ حاوی تھا کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ ابوایوب نے منصور پر سحر کر دیا ہے۔

آخر وقت آیا کہ ابوایوب کا ستارہ گردش میں آ گیا تو یہ سارا سحر ٹوٹ گیا اور منصور کے ہاتھوں ہی ابوایوب کا خاتمہ ہوا۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔

ایک مرتبہ منصور نے اس سے کہا کہ میرے لڑکے صالح کے پاس کوئی جاگیر نہیں ہے۔ ابوایوب نے عرض کیا امیر المومنین! اہواز میں بہت سی زمینیں بیکار پڑی ہیں۔ اگر تین لاکھ درہم خرچ کر کے ان کو کارآمد بنایا جائے تو کافی آمدنی ہو سکتی ہے۔

منصور نے تین لاکھ درہم دے کر اس کو آباد کرنے کا حکم دیا۔

اب ابوایوب کے دل میں کھوٹ آ گیا۔ اس نے ساری رقم اپنی جیب میں رکھ لی اور زمین پر ایک درہم تک خرچ نہ کیا۔ بیس ہزار سالانہ منصور کی آمدنی کے نام سے دے دیا کرتا تھا۔

ابوایوب کے دشمنوں نے منصور سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ منصور نے اس کی تحقیقات کی۔ اب ابوایوب نے سرکاری باغات دکھا کر دھوکہ دینا چاہا لیکن اس کے دشمن ساتھ تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

اصلی واقعہ بیان کر دیا۔

منصور نے اصل مقام کو جا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ منصور کو اس خیانت پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ابوایوب کی ساری خدمات کو یکسر بھلا دیا۔ اس کے ساتھ جو اسے عشق تھا۔ اس کا بھی کچھ پاس نہ کیا۔ بس حکم دیدیا کہ ابوایوب کو پابجولاں پیش کیا جائے۔

ابوایوب ایک قیدی اور بددیانت وزیر کی حیثیت سے بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پہلے اس کے دونوں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر اس کی دونوں آنکھیں نکلوا دیں۔ اب کہا اس کی گردن اڑا دی جائے۔

یہ سب کچھ ایک بھرے مجمع کے سامنے کیا گیا۔ اب خلیفہ چاہتا تھا کہ ابوایوب کی لاش پر بغداد کے کتے چھوڑ دیئے جائیں مگر نہ جانے اس کے کس خیال نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔ چند عام لوگوں نے اس کی لاش کو عام قبرستان میں گاڑ دیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

ولی عہد

مامون الرشید کو حضرت امام علی بن موسیٰ رضا سے اس قدر محبت تھی کہ اس نے اپنی ایک بیٹی ام حبیب ان کے عقد میں دے دی تھی اور پھر جب مامون الرشید خلفیہ بنا تو 201ھ میں انہیں اپنا ولی عہد بنا کر تمام ممالک میں اس کا اعلان کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ فوج میں عباسی حکومت کے سیاہ رنگ کے بجائے سبز فاطمی رنگ کی وردیاں استعمال کی جائیں اور فوج اور بنی ہاشم سے علی بن موسیٰ رضا کی بیعت لی جائے۔

اس حکم سے کچھ وابستگان دولت تو راضی ہو گئے لیکن اکثروں نے اسے بھی حسن بن سہل جو محبان اہل بیت میں سے تھا کا شعبدہ سمجھا' بنو عباس میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہو گئی' انہوں نے مامون کی بیعت توڑ کر اپنے خاندان میں سے کسی کو خلفیہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔

مہدی عباس کے لڑکوں منصور اور ابراہیم نے خاص طور پر اس کی مخالفت کی۔

جب بغداد میں علی رضا کی بیعت لی جانے لگی تو عباسیوں نے اعلان کر دیا کہ وہ مامون کی

Marfat.com

بیعت فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر چکے ہیں اور ایک شخص کو سکھا دیا کہ جب مؤذن صبح کی اذان دے تو وہ یہ کہے کہ ہم لوگ خطبہ میں مامون کے بعد ابراہیم کا نام چاہتے ہیں۔ بعضوں کو ہدایت کی کہ وہ صاف کہہ دیں کہ ہم مامون کو مطلق نہیں چاہتے۔ اس کی بجائے ابراہیم کی بیعت کی جائے اور ان کے بعد ان کا بھتیجا اسحٰق نامزد کیا جائے۔

غرض جمعہ کے دن عباسیوں نے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا۔

چونکہ امام علی بن موسیٰ رضا روافض میں تھے لہٰذا ان کی ولی عہدی کے حوالے سے مامون پر بھی رفض کا اتہام لگایا گیا۔

اس بات نے مامون کو سکون نہیں لینے دیا' اب مامون نے حضرت امام علی بن موسیٰ رضا کی زندگی ختم کرنے کی ٹھان لی۔

ایک دن انہیں اپنے ہاں بلایا اور خدمت میں انگور پیش کیے۔ یہ انگور وہ خود لے کر آیا۔ کسی ملازم سے اس معاملے میں مدد نہیں لی۔ انگوروں میں اس نے زہر ملا دیا اور کچھ انگور بغیر زہر کے رکھے جنہیں اس نے خود کھایا۔

زہر آمیز انگور جونہی حضرت امام صاحب کے حلق میں اترے زہر نے کام کر دکھایا اور چند لمحوں میں وقت کے وہ امام جن سے مامون کو محبت اور عقیدت بھی تھی اور ان کے داماد بھی تھے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئے۔

یہ محبت اور نفرت کا عجیب امتزاج ہے ولی عہد و داماد کی زندگی لے کر اپنے اقتدار کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔

تاریخ اسلام
از شاہ معین الدین ندوی

تاریکیاں

ہرثمہ بن اعین مامون کا بڑا وفادار اور مخلص جرنیل تھا اور اس کی سلطنت کا خیر خواہ تھا مگر مامون کا وزیر اعظم فضل بن سہل مامون کے اعصاب پر کلی طور پر چھایا ہوا تھا۔ ملک کی ہر بات وہ اندھیرے میں رکھے ہوئے تھا۔ مگر وزیر اعظم نے ہرثمہ کے خلاف سازش تیار کر کے اسے قتل کرا دیا چونکہ ہرثمہ بے گناہ قتل ہوا تھا۔ اب قدرت کی طرف سے فضل کی سازشوں سے پردے اٹھنے

Marfat.com

لگے مثلاً

(1) اہل بغداد نے محمد بن ابراہیم کی بیعت کر لی۔

(2) جمعہ کے دن بنی ہاشم اور افسران فوج نے بھی درجہ بدرجہ بیعت کر لی۔

(3) فوج کو دو درہم فی کس تقسیم کیے گئے۔

(4) محمد ابراہیم نے بغداد میں اپنے حکام مقرر کیے۔

گویا یہ ایک انقلاب عظیم تھا۔ ملک کا ایک بڑا حصہ مامون کی حکومت سے کٹ گیا۔ مگر فضل بن سہل نے اس کی ایک خبر بھی مامون تک نہیں جانے دی۔

اب حضرت امام علی بن موسیٰ رضا نے صحیح حالات مامون کے گوش گزار کیے اور بتایا کہ اہل بغداد نے آپ کی بیعت توڑ کر ابراہیم کو خلیفہ بنالیا ہے۔

اس پر مامون نے کہا کہ فضل کی اطلاع تو یہ ہے کہ خلیفہ نہیں بلکہ امیر بنایا ہے۔

امام موصوف نے اس کی تردید کی اور متعدد فوجی افسروں نے شہادت دی کہ فضل آپ سے اصل واقعات چھپاتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت کر لی ہے اور اس کو سنی خلیفہ کا لقب دیا ہے۔

لوگ آپ پر رفض کا الزام لگاتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ظاہر کی کہ گزشتہ انقلاب میں صرف ہرثمہ نے آپ کی حکومت بچائی اور آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دینے کیلئے آیا تھا مگر آپ نے اسے قتل کروادیا۔ آپ اپنے کان بھی کھولیں اور آنکھیں بھی۔

چونکہ مامون نے حضرت امام علی بن موسیٰ رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ جب ان کی زبانی یہ ساری باتیں سنیں تو فضل بن سہیل کے خلاف ہو گیا۔ اس نے چار آدمی مقرر کیے کہ میرے بغداد میں پہنچنے سے پہلے فضل بن سہل کو قتل کر دیا جائے۔

یہ دو شعبان 202ھ کا واقعہ ہے کہ فضل بن سہل ایک حمام میں تھا کہ خفیہ طور پر اسے قتل کرادیا گیا۔ مامون یہ قتل اپنے سر نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے دس ہزار اشرفی کا انعام مقرر کیا جو فضل بن سہل کے قاتلوں کا پتہ چلائے گا یہ انعام اسے دیا جائے گا۔

جو قاتل بتائے گئے ان میں یہ چار نام آتے ہیں۔

غالب مسعودی، قسطنطین رومی، فرخ دیلمی، موفق صقلی

Marfat.com

مامون نے چاروں کا سر اڑا دینے کا حکم دیا اور پھر چاروں کے سر جدا کر کے فضل بن سہل کے بھائی حسن بن سہل کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ کرائے پر قتل کرنے والوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

ملامت

عباسی خلیفہ متوکل باللہ نے زیتاخ کو بے گناہ قتل کیا تھا۔ اس پر ترک امرا اس کے خلاف ہو گئے اور متوکل کا بیٹا منتصر جس کا نام ولی عہدی میں تھا جسے متوکل نے خارج کر دیا تھا وہ باپ کے خلاف تھا اور اب وہ تخت سنبھالنا چاہتا تھا' لہٰذا ترکوں نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا اور وعدہ کیا کہ وہ متوکل کو رستے سے ہٹا کر اسے تخت پر بٹھائیں گے۔

چنانچہ موقعہ آنے پر منتصر اور ترکوں نے متوکل کو قتل کر دیا۔

منتصر خلیفہ بن گیا لیکن اس کے ضمیر کی ملامت اسے چین نہ لینے دیتی تھی۔ وہ اکثر اپنے فعل پر غور کیا کرتا تھا کہ اس نے کیا کیا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ متوکل اسے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو تم پر افسوس ہے۔ تم نے میری خلافت پر شک کیا اور ظلم کر کے قتل کر دیا لیکن خدا کی قسم یاد رکھو میرے بعد تم اس سے زیادہ دنوں تک فائدہ نہیں اٹھا سکو گے اور اس کے بعد سیدھے دوزخ میں جاؤ گے۔ منتصر گھبرا کر اٹھا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔

عبداللہ بن عمر بازیار نے آواز سن کر سبب پوچھا' اس نے خواب بیان کیا۔

عبداللہ نے تشفی دی کہ خواب سچے جھوٹے ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ خدا تم کو زندہ رکھے گا' اس کا کچھ اثر نہ لیجئے' نیند اور دوسرے تفریحی مشاغل سے دل بہلایئے۔

لیکن منتصر کے دل میں اس کی کھٹک نہ نکل سکی اور اسے ایک دن کیلئے خوشی نصیب نہ ہوئی۔

منتصر باپ کے قتل کی ندامت میں ترکوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ ترکوں کو برا بھلا کہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ خلفا کے قاتل ہیں' وہ ترکوں سے انتقام کی آگ میں دن رات جلنے لگا۔

Marfat.com

ترک اس بات سے آگاہ ہوگئے' وہ بھی اس کے دشمن بن گئے' انہوں نے بار بار اس سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا لیکن اس کی ہیبت' شجاعت اور فطانت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔

تخت نشینی کے صرف چھ مہینے کے بعد منتصر بیمار ہوگیا' اس بیماری نے مرض الموت کی شکل اختیار کرلی۔ دوران علالت وہ کہتا تھا کہ میں نے خود جلد بازی سے کام لیا اس لئے میرے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا گیا۔

جب منتصر کی بیماری نے طول پکڑا تو طبیبوں نے فصد کھولنے کا مشورہ دیا۔ فصد کھولنے کیلئے جو نشتر استعمال کیا جانا تھا' ترکوں نے طبیب کو 30 ہزار اشرفیاں دے کر مسموم کرایا۔

اب جونہی فصد کھولا گیا زہر کا اثر جسم میں سرائت کر گیا اور صرف 3 دن کے بعد تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔

منتصر نے 248ھ میں انتقال کیا

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

شراب

امیر ایتاخ ابتدا میں امیر سلام الابرش کا باورچی تھا' معتصم نے اسے اچھی صلاحیتوں والا اور ہونہار پایا' علاوہ ازیں خوبصورت خدوخال کا مالک تھا' معتصم نے اسے خرید کر غلام بنایا اور اس کا اعزاز بڑھا دیا' اس کی اچھی صلاحیتوں کو نکھرنے کا یہاں خوب موقعہ ملا اور رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ فوج کی امارت' مغاربہ اور ترکی کی حکومت' حجابت' مالیات اور خبر رسانی کے اہم ذمہ دار عہدے اس کے سپرد ہوئے۔

متوکل محفل نشاط اور شراب کا دلدادہ تھا' ایک دن ایتاخ کو اپنی بزم نشاط میں بلایا گیا اور شراب کا جام بھر کر اس کے ہاتھوں میں دیدیا گیا' ایتاخ نے کہا حضور! آقا کے سامنے میں شراب نہیں پی سکتا' شراب پیوں گا تو ان کا احترام نہ ہو سکے گا' نازیبا گفتگو ہو سکتی ہے' نازیبا حرکت کا سرزد ہونا ممکن ہے' جو آداب شاہی کے خلاف ہو سکتی ہیں۔

ایتاخ تمہیں شراب پینا ہوگی' شراب کی یہی خوبی ہے کہ آقا و غلام کا امتیاز ختم کر دیتی ہے۔ لو

Marfat.com

پکڑو یہ جام اور ایک سانس میں حلق سے نیچے اتار دو۔

اب ایتاخ سے انکار نہ ہو سکا۔ وہ بھی جام پر جام پینے لگا' دونوں کو بدمستی نے جکڑ لیا' اب چھیڑ خانیاں ہونے لگیں' باہیں گلے کا ہار بننے لگیں اور وہ کچھ ہونے لگا جسے ہوش کی دنیا پسند نہیں کرتی۔

ایتاخ نشے میں تھا۔ متوکل کا نشہ قدرے ہلکا ہو چکا تھا جبکہ ایتاخ کی زبان سے نکلا۔

اوئے میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

پھر ایک زناٹے دار طمانچہ نے ایتاخ کے رخساروں پر نشان بنا دیئے۔

قتل کرنے کی بات نشے کی حالت میں تھی مگر متوکل کے لئے ایتاخ ایک مشکوک آدمی بن گیا۔ متوکل اسے رستے کا ایک کانٹا سمجھنے لگا۔

ایتاخ بھی اس کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ اس نے اس سے دور رہنے کیلئے حج کی اجازت مانگی' متوکل نے یہ اجازت دیدی۔ بلکہ نمائش کیلئے خلعت بھی عطا کیا اور عراق سے حجاز تک کی حکومت کا پروانہ بھی دیدیا' 235ء ھ کو جب وہ حج سے فارغ ہو کے واپس آیا تو متوکل نے حجابت کا عہدہ امیر وصیف کی جانب منتقل کر دیا اور امیر رسحان بن ابراہیم کو لکھا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔

مگر اسے گرفتار کرنا آسان نہ تھا۔ مزید یہ کہا کہ اسے بغداد میں آنے کی ہدایت کی جائے تا کہ امیر المومنین سے مل سکے۔

ایتاخ بغداد میں آیا' امیر خذیمہ کے محل کے دروازے پر اس کا استقبال کر کے اندر لیجایا گیا' اس کے آدمی باہر ہی روک لئے گئے۔ محل کے چاروں طرف پہرہ تھا۔

جونہی ایتاخ محل میں داخل ہوا' اس کے لڑکے مظفر و منصور اور اس کا کاتب گرفتار کر لئے گئے اور ایتاخ کو بھی جیل میں ڈال دیا گیا' جہاں اسے اذیتیں دے دے کر مار دیا گیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

تنور

عباسی خلیفہ واثق باللہ اپنے بھائی جعفر بن معتصم بہ متوکل علی اللہ سے کسی بات کی وجہ سے ناراض تھا اور اس کی نگرانی کیلئے دو آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ جو اس کے حالات و واقعات کی ایک

Marfat.com

ایک خبر اسے پہنچاتے رہتے تھے' اس لحاظ سے متوکل بے حد پریشان تھا۔

واثق باللہ اپنے بھائی متوکل سے جس بات پر ناراض تھا وہ یہ تھی کہ متوکل نے عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال رکھے ہوئے تھے' انہیں کنگھی کر کے شانوں پر ڈال لیتا اور بازاروں اور گلیوں میں گھوما کرتا۔ خوبصورت تھا ان لمبی زلفوں نے اس کے حسن میں اور اضافہ کر دیا۔ یوں عورتوں کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہونے لگا۔

بڑے بھائی نے بار بار کہا کہ شہزادوں اور مردوں والا روپ اختیار کرنا چاہیے۔ عورتوں کی مشابہت مردوں کو زیب نہیں دیتی' اس کے علاوہ اس کا رجحان عورتوں کی طرف زیادہ تھا۔

متوکل کا خیال تھا کہ بھائی محض اسے سمجھانے کیلئے اس سے ناراض ہے مگر جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ تو دل سے ہی ناراض ہے تو اسے راضی کرنے کیلئے سفارش ڈھونڈی اور یہ سفارش ابن زیات کی تھی۔

واثق پر ابن زیات کا بڑا اثر تھا۔ وہ اس کی ہر بات مان لیتا تھا' متوکل ایک دن ابن زیات کے پاس گیا کہ وہ اس کے لئے واثق سے سفارش کر کے اس کے دل کی صفائی کر دے۔

ابن زیات نے سفارش کرنے کی بجائے اس کے ساتھ نہایت نازیبا برتاؤ کیا' پہلے تو مخاطب ہی نہ ہوا اور وہ دیر تک کھڑا رہا اور ابن زیات اپنے کام میں منہمک رہا۔ پھر کام ختم کر کے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور خشمگیں لہجہ میں پوچھا کیسے آئے ہو' متوکل نے کہا امیر المومنین کو مجھ سے راضی کروا دیجئے۔

ابن زیات نے حاضرین سے مخاطب ہو کے کہا ان کو دیکھو پہلے بھائی کو ناراض کرتے ہیں پھر مجھ سے سفارش چاہتے ہیں' کہا جاؤ' جب تم اپنی حالت سدھار لو گے تو وہ خود راضی ہو جائیں گے۔

اس برتاؤ سے متوکل بہت افسردہ خاطر ہوا اور غمگین لوٹ آیا۔

ابن زیات نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ واثق کو اطلاع دی کہ متوکل چوٹی سنوارے مخنثوں کی شکل میں میرے پاس آئے تھے اور چاہتے تھے کہ میں امیر المومنین سے ان کی صفائی کرا دوں۔

واثق نے کہا ان کے بال کٹوا کر ان کے منہ پر کھینچ مارو۔

ابن زیات نے اس حکم کو ٹالنے کی بجائے اس کی تعمیل کر دی۔ متوکل کو اپنے ہاں بلایا اور حجام

Marfat.com

سے کہا اس کے سر کے بال کاٹو اور مجھے پکڑاتے جاؤ۔ ابن زیات ان بالوں کا کوٹلہ بنا کر اس کے منہ پر مارتا رہا۔

اور پھر جب واثق مر گیا تو متوکل کی بجائے واثق کے نوعمر بیٹے محمد کو خلیفہ بنانے پر اصرار کیا۔

ان اسباب کی بناء پر متوکل ابن زیات سے سخت برہم تھا۔

چنانچہ جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے ابن زیات کو قید کروا دیا۔

لوگوں کو سزا دینے کیلئے ابن زیات نے ایک کانٹے دار تنور بنوایا ہوا تھا' جسے سزا دینی ہوتی اسے اس تنور میں پھینک دیا جاتا۔ وہ جس طرف بھی ہوتا اسے کانٹے چبتے اور یوں تڑپ تڑپ کر وہ جان دے دیتا۔

متوکل نے یہی تنور منگوایا اور ابن زیات کو اس میں پھینکوا دیا اور مزید یہ کہ پھینکنے سے قبل اس تنور میں آگ کے دہکتے کوئلے بھی ڈال دیئے تھے۔ کہیں اسے کوئلے جلاتے اور کہیں کانٹے اسے زخمی کرتے۔ چیخیں مارتا رہا' واسطے دیتا رہا مگر متوکل کو ذرا ترس نہ آیا اور یوں ابن زیات نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

شہزادے

عباسی امام ادب العربیہ یعقوب بن السکیت عباسی خلیفہ المتوکل باللہ کے بچوں کے اتالیق تھے۔ انہوں نے متوکل کے بیٹوں معتز اور مؤید کی بہتر تعلیم میں کوئی کثر اٹھا نہ رکھی۔ یہ شہزادے بھی اپنے استاد کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔

اس دن دونوں شہزادے استاد کے دائیں بائیں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ اچانک متوکل آ گیا۔ آتے ہی ابن السکیت سے پوچھا کہ کیا تمہیں یہ میرے بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ابن السکیت کہنے لگے' یہ اپنے دل سے پوچھیں کہ تمہیں کون سے شہزادے زیادہ محبوب ہیں۔

Marfat.com

متوکل نے کہا میری بات چھوڑیں اپنے دل کی بات بتائیں۔

ابن السکیت جلال میں آ گئے فرمایا تم اپنے بیٹوں کے مقابلے میں حسنین کریمین کی بات کرتے ہو، میں کہتا ہوں علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام قنبر آپ کے بیٹوں کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہیں اور تم کبھی بھی یہ خیال دل میں مت لانا کہ آپ کے بیٹے حسنین سے زیادہ تمہیں محبوب ہیں۔

یہ جواب سن کر متوکل کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے فوراً ترک غلاموں کو بلایا اور کہا کہ ابن السکیت کو چت لٹا کر ان کے پیٹ پر اس وقت تک ناچتے رہو جب تک دم نہ نکل جائے۔ ٹھڈے بھی مارو اور گھونسے بھی۔

ان غلاموں نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ متوکل بار بار ان سے پوچھتا کہئے تمہیں حسنین زیادہ محبوب ہیں یا معتز اور مؤید۔

آپ فرماتے اپنے شہزادوں کا مقابلہ اپنے کسی وزیر کے بچوں سے کروایئے حسنین سے نہ کروایئے۔ یہ سزا اس قدر کڑی تھی کہ ابن السکیت کا دم گھٹنے لگا۔ اب متوکل نے جمور لیا اور ابن السکیت کی زبان کھینچ لی۔ اس طرح ابن السکیت نے محبت حسنین میں اپنی جان دیدی۔ متوکل نے آپ کی لاش ان کے بیٹے کے پاس مدینہ میں بھیج دی۔

تاریخ الخلفاء

از امام جلال الدین سیوطی

فتح کا انعام

عرب کا مشہور سپہ سالار اور فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر پر اسلامی افواج آج بھی ناز کرتی ہیں۔ خلیفہ عبدالملک نے انہیں افریقہ کے قبائل کی مہم پر روانہ کیا۔ انہوں نے اپنے نائب طارق بن زیاد کی مدد میں بڑی کامیابی کے ساتھ اس مہم کو سر کیا اور پورا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

گاتھ فرمانرواؤں کا دستور تھا کہ جو بادشاہ مرتا اس کے تاج پر بادشاہ کا نام، عمر، سن جلوس اور مدت حکومت لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ جب سلمان موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں طلیطلہ پہنچے تو ایسے 24 بادشاہوں کے تاج بیت الملوک میں محفوظ تھے۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس کے علاوہ مدینہ المائدہ میں سونے کی ایک میز پر بھی قبضہ ہوا جو حضرت سلمان علیہ اسلام کی طرف

Marfat.com

منسوب تھی۔اس کے 365 پائے تھے۔یہ میز زبرجد اور یاقوت وغیرہ کے بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھی۔

اس مہم کے دوران خلیفہ عبدالملک بھی مرگیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ جب موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کرلیا اور حکومت اسلامیہ میں شامل کر کے واپس آیا تو ولید بن عبدالملک بھی موت وحیات کی کشمکش میں تھا۔اس کی حالت نہایت مایوس کن تھی۔ولید بن عبدالملک کا ولی عہد چونکہ اس کا بھائی سلمان بن عبدالملک تھا۔وہ چاہتا تھا کہ اندلس سے جو مال غنیمت موسیٰ بن نصیر کے ساتھ آرہا ہے وہ اس کے ہاتھ میں آئے۔

اس نے موسیٰ بن نصیر کو ایک خط لکھا کہ چونکہ امیرالمومنین ولید بن عبدالملک حالت نزع میں ہیں۔لہٰذا تم اس رفتار سے آؤ کے تمہارے آنے سے قبل خلیفہ مرچکا ہو اور اس کی آخری رسومات سے ہم لوگ فارغ ہو چکے ہوں۔

لیکن موسیٰ بن نصیر چاہتے تھے کہ وہ اس حالت میں اتنی جلدی دمشق پہنچیں تا کہ اندلس کی کارگزاری اپنی آنکھوں سے دیکھ پائیں اور اپنے کانوں سے سن پائیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ولید کی ابھی آنکھیں بند نہ ہوئی تھیں کہ موسیٰ بن نصیر دمشق پہنچ گئے۔جس کی بناء پر ان کی خوب قدر افزائی ہوئی۔موسیٰ بن نصیر کو پچاس ہزار اشرفیوں کا گرانقدر انعام دیا گیا۔تین خلعت دیئے گئے۔اس کے لڑکوں کے مراتب بڑھا دیئے گئے۔ان کے وظائف بھی مقرر کئے گئے۔اس کے پانچ سو غلاموں کو عطیے اور جو معززین وعمائد اندلس کی مہم میں شریک ہوئے تھے ان سب کی قدر افزائی کی گئی۔

یہ سارے انعامات وکرامات اندلس کے مال غنیمت میں سے دیئے گئے تھے۔جسے سلیمان بن عبدالملک نے پسند نہیں کیا چونکہ سلیمان بن عبدالملک کا سارا منصوبہ فیل ہوگیا تھا اور اس منصوبہ کو فیل کرنے میں موسیٰ بن نصیر کی حکم عدولی کو سمجھا گیا۔لہٰذا سلیمان بن عبدالملک موسیٰ بن نصیر کا دشمن بن گیا اور ولید کی موت کے بعد اس کا بدلہ یوں لیا کہ برسرعام اس کی تحقیر کی گئی۔اسے گالیاں نکالی گئیں اور پھر اسے دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔

کڑکتی دھوپ میں موسیٰ بن نصیر کا پسینہ بہہ رہا تھا وہ بار بار اپنا ہاتھ ماتھے پر مارتا اور افسوس کرتا کہ اس کا کیسے حکمران سے واسطہ پڑا ہے۔جس کی کھوپڑی میں انسان کے خلوص کو سمجھنے کا

Marfat.com

دماغ نہیں ہے۔

اب یزید بن مہلب درمیان میں آئے۔انہوں نے سفارش کی کہ اتنے اچھے جرنیل کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ایسا کرنے سے تو وہ اچھے جرنیلوں سے محروم ہو جائے گا۔مگر سلیمان اب بھی نہیں مانا آخر کئی درہم تاوان عائد کر کے اسے چھوڑا گیا۔

مگر موسیٰ بن نصیر کے پاس تاوان ادا کرنے کیلئے کیا تھا۔وہ تو ایک دیانت دار جرنیل تھا۔ اس نے مال غنیمت میں کوئی خیانت نہیں کی تھی۔لہٰذا وہ تاوان ادا نہ کر سکا اور چند دنوں کے بعد خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے خبر سنی کہ موسیٰ بن نصیر اپنی مایوسی کی زندگی سے تنگ آ کر ہمیشہ کیلئے چپ ہو گئے ہیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

تاریخ اسلام

ازشاہ معین الدین ندوی

بے بسی

سلطان محمود غزنوی کا بیٹا سلطان مسعود بڑا بہادر تھا۔اس کی جرات مندی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسے رستم ثانی کہتے تھے۔وہ حق گو بھی تھا اور حق پسند بھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ بعض اوقات باپ کے ساتھ بھی بگڑ جاتا تھا۔جسے سلطان محمود نہایت ناپسند کرتا تھا اور اس کی نسبت دوسرے بیٹے امیر محمد سے زیادہ محبت کرنے لگا تھا۔یہاں تک کہ سلطان محمود نے خلیفہ بغداد سے سفارش کی کہ فرامین اور خطبات میں امیر محمد کا نام مسعود کے نام سے پہلے لکھا جائے۔

اس سفارش میں سلطان مسعود کی حق تلفی تھی۔جسے درباریوں نے بھی پسند نہیں کیا اور سخت افسوس کیا مگر اس نے یہ کہتے ہوئے خاموشی اختیار کی کہ تلوار خط کی نسبت زیادہ سچی اور مضبوط ہے۔

بہر حال وقت آنے پر سلطان مسعود ہی تخت پر بیٹھا۔جب سلطان مسعود غزنی سے لاہور آ رہا تھا تو تین ہزار اونٹ دولت سے لدے ہوئے اس کے ساتھ تھے۔جب یہ لوگ جہلم کے قریب پہنچے تو مسعود کے بعض قابل اعتماد لوگوں نے یہ ساری دولت لوٹ لی۔

اب انہیں خیال آیا کہ سلطان مسعود ان کے اس جرم کی پاداش میں قتل کر دے گا۔چنانچہ

Marfat.com

انہوں نے مسعود کو معزول کر کے اس کے بھائی امیر محمد کو اپنا حاکم بنالیا اور مسعود کو گرفتار کر کے امیر محمد کے حوالے کر دیا۔

امیر محمد اندھا تھا۔ اس نے بھائی سے کہا میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کروں۔ ہاں نظر بند ضرور کروں گا تم جو جگہ اپنے بچوں کیلئے منتخب کرتے ہو میں تمہیں وہیں بند کر دوں گا تا کہ تم اپنی زندگی کے باقی دن اطمینان اور آرام سے بسر کر سکو۔

مسعود نے قلعہ گیری جو دریائے سندھ کے قریب تھا میں رہنا پسند کیا۔ جس وقت مسعود قلعہ گیری میں جانے لگا تو اس کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی' اس نے اپنے بھائی امیر محمد کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ اخراجات کیلئے رقم لائے۔

امیر محمد نے پانچ سو درہم بھجوائے۔ جب یہ رقم مسعود کے سامنے آئی تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس عالم میں اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ سبحان اللہ کل اسی وقت میرے قبضے میں جواہر سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ تھے اور آج میری بدقسمتی کا یہ عالم ہے۔

مسعود نے اس وقت اپنے دوستوں سے ایک ہزار دینار قرض لئے اور پانچ سو دینار واپس لوٹا دیئے۔

امیر محمد چونکہ اندھا تھا۔ سلطنت کا کاروبار اس کا مخبوط الحواس بیٹا احمد چلاتا تھا۔ اس نے دینار واپس کرنے کو مسعود کی سخت ناراضگی خیال کیا۔ وہ قلعہ گیری میں گیا اور مسعود کو زندہ اٹھوا کر کنویں میں پھینک دیا اور پتھر اور مٹی سے کنویں کو بند کر دیا۔

مسعود نے 12 سال تک بڑی بہادری اور دلیری سے حکومت کی مگر موت اس بے بسی کے ساتھ آئی کہ اندھے کنویں نے اس کی ایک چیخ باہر تک نہ آنے دی۔

باپ کے یوں قتل ہونے پر مسعود کا بیٹا امیر مودود بڑا رویا۔ اس نے انتقام لینے کیلئے تلوار پکڑی۔ ادھر امیر محمد نے اسے خط بھیجا کہ بھتیجے تمہارا گمان یہی ہوگا کہ تمہارے باپ کو احمد نے قتل کیا ہے مگر یہ گمان درست نہیں کیونکہ یہ کام ان لوگوں نے انتقاماً کیا ہے جن کے باپوں کو تمہارے باپ نے قتل کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ کوئی اور اس اقدام میں شریک نہیں ہے۔

مودود نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ چچا تم نے دنیا کے نشیب و فراز کو نہیں سمجھا۔ آپ کو

Marfat.com

معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے دیوانے بیٹے نے ایک بڑا جرم کیا ہے اور ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے جسے امیر المومنین نے سید الملوک والسلاطین کا لقب دیا تھا۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے باپ کا خون ضرور رنگ لائے گا۔

پھر کیا ہوا۔ مودود ایک مختصر لشکر کے ساتھ نکلا اور غزنی کا تخت حاصل کر لیا اور باپ کا خوب بدلہ لیا۔

تاریخ فرشتہ

از محمد قاسم فرشتہ

شکایت

جزیرہ لنکا میں کچھ عرب تاجر آباد تھے۔ ان میں سے ایک تاجر کا انتقال ہو گیا۔ لنکا کا راجہ جو مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہشمند تھا اس لئے اس نے متوفی تاجر کے اہل و عیال کو جن میں کئی عورتیں تھیں جہاز کے ذریعے بھجوایا۔ ولید بن عبدالملک کے لئے قیمتی ہدایا اور تحائف بھی بھیجے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی بھی تھے۔

دیبل کے قریب کچھ سندھی قزاقوں نے اس جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا اور عرب عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک عورت نے غائبانہ حجاج سے فریاد کی کہ حجاج المدد۔

اس نیک خاتون کی یہ فریاد نہ جانے کیسے حجاج کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے آواز دی کہ میں آ رہا ہوں۔ اور اسی وقت دیبل کے راجہ کو لکھا کہ وہ عرب عورتوں کو واپس کروائے۔

راجہ نے جواب دیا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے اس لئے میں مجبور ہوں۔

اب اس نے اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کو جو اس کا داماد بھی تھا' بھیجا۔ 6 ہزار فوج اس کے ہمراہ کی۔ محمد بن قاسم منزلیں مارتا ہوا اور درمیان کی بعض ریاستوں کے سورموں سے نبرد آزما ہوتا ہوا راجہ داہر کے مقابلے میں آ گیا۔ راجہ داہر بڑے شکوہ و تجمل کے ساتھ مقابلہ میں آیا۔ پہلی صف کوہ پیکر ہاتھیوں کی تھی۔ اس کے پیچھے دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہ تھی۔ مگر جسے مرنا ہو اس کی حفاظت مسلح سپاہی نہیں کر سکتے۔ راجہ داہر مر گیا۔

Marfat.com

سندھ کی فتح میں راجہ داہر کی دو بیٹیاں محمد بن قاسم کے ہاتھ لگیں۔انہیں حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا گیا اور حجاج بن یوسف نے انہیں خلیفہ ولید کے پاس روانہ کر دیا۔ان لڑکیوں میں ایک کا نام سرلا دیوی تھا اور دوسری کا نام پرمل دیوی۔سرلا دیوی بہت زیادہ خوبصورت تھی۔ولید نے اسے اپنے محل میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔سرلا دیوی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا میں آپ کے محل میں داخل ہونے والی نہیں ہوں کیونکہ محمد بن قاسم نے تین راتیں میرے ساتھ گزاری ہیں۔کیا مسلمانوں میں یہی رواج ہے کہ عورت پر پہلے ملازم اپنے ہاتھ صاف کرے پھر اپنے خلیفہ کے پاس بطور تحفہ روانہ کرے۔

یہ بات سن کر خلیفہ سخت طیش میں آ گیا اور اس نے اسی وقت اپنے ہاتھ سے یہ فرمان لکھا کہ محمد بن قاسم جہاں کہیں بھی ہو اپنے آپ کو گائے کی کھال میں بند کر کے پایہ تخت پہنچ جائے۔

محمد بن قاسم کو جب یہ فرمان ملا تو اس بے چارے نے مجبوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔اس نے اپنے آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ مجھے ایک صندوق میں بند کر کے خلیفہ کے پاس پہنچا دو۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بے کس و بے بس محمد بن قاسم کو دمشق بھیج دیا گیا۔

صندوق میں بند محمد بن قاسم مرا ہوا جب خلیفہ کے سامنے پہنچا تو ولید نے سرلا دیوی کو بلایا۔کہا دیکھو میں مجرموں کو اس طرح کی عبرتناک سزا دیتا ہوں۔اس پر سرلا دیوی نے ولید سے کہا کہ آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ بغیر تحقیق کے کسی کی بات کا یقین کریں۔ہر بات کو آپ پہلے میزان میں تولا کریں اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا کریں۔آپ نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عقل سے بے بہرہ ہیں اور محض خدا کے سہارے پر حکومت کر رہے ہیں۔

محمد بن قاسم نے میری طرف قطعاً ہاتھ نہیں بڑھایا اور ہمیشہ مجھے اپنی بہن کی طرح اپنے ساتھ رکھا ہے۔چونکہ اس نے ہماری قوم کو تباہ و برباد کیا تھا اس لئے میں نے انتقامی جذبے کے تحت اس پر الزام تراشی کی۔مجھے خوشی ہے کہ محمد بن قاسم سے انتقام لینے میں کامیاب ہوئی ہوں۔

ولید سرلا دیوی کی زبان سے یہ کلمات سن کر بہت شرمندہ ہوا۔لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔جو کچھ ہونا تھا وہ ہو ہی گیا۔

Marfat.com

تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ

نوٹ: یہ روایت تاریخ فرشتہ کے مطابق ہے مگر زمانی اعتبار سے اس پر جرح کی جاسکتی ہے کیونکہ محمد بن قاسم کا انتقال سلمان بن عبدالملک کے عہد میں 715ء میں ہوا ہے جبکہ ولید بن عبدالملک 714ء میں مرجاتا ہے۔ علاوہ ازیں حجاج بن یوسف بھی اس سے پہلے مر چکا ہے۔ شاہ معین الدین ندوی کے مطابق محمد بن قاسم کو سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں صالح بن عبدالرحمٰن جو کہ عراق کا گورنر تھا' نے جیل میں اذیتیں دے کر مار دیا تھا۔ (اللہ خوب جانتا ہے)

گلوکارہ

سربیا کے سابق صدر میلوزوچ زندگی بھر رنگین طبع کے مالک رہے۔ زندگی کو اپنی مرضی کے تابع رکھا۔ اس سلسلے میں وہ کسی کے مشورے کو قبول نہ کرتے تھے اور جو خیال آجاتا اس کی تکمیل وہ بہر صورت چاہتے تھے۔ خواہ انہیں کتنی ہی زندگیوں کو برباد کرنا پڑے۔

جب ان کی جوانی کا عالم تھا تو ان کے تعلقات ایک طوائف کے ساتھ تھے جس کے نتیجے میں اس طوائف کے ہاں ایک لڑکی نے جنم لیا جس کا نام اینا رکھا گیا۔ مگر اس اینا کو اس قدر خفیہ رکھا گیا کہ کسی کو بھی علم نہ ہوسکا کہ اس کا باپ سربیا کا صدر ہے۔

اینا جب سترہ سال کی ہوئی تو اس کے رنگ وروپ میں خوب نکھار آیا۔ حسن کی پوجا کرنے والے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اینا جس قدر حسین تھی اس کی آواز میں اس قدر حُسن نہ تھا۔ وہ فلمی دنیا کی ایک اچھی اداکارہ بن سکتی تھی مگر اس نے گلوکارہ بننے کو ترجیح دی اور گلوکارہ ہی بننے کا فیصلہ کیا۔

اس نے گلوکاری کا ٹیسٹ دیا۔ مگر موسیقاروں نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس کی آواز ایسی ہے جیسے بلی کا گلا دبانے سے نکلتی ہے لہٰذا وہ اس میدان کے لئے موزوں نہیں ہے۔ موسیقاروں کے ان ریمارکس نے اینا کا دل توڑ دیا مگر اسے زعم رہا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر اسے مسترد کررہے ہیں۔

وہ اپنے باپ کے پاس گئی اور موسیقاروں کی شکایت کی۔ میلوزوچ کو اس شکایت پر غصہ آگیا۔ اس نے موسیقاروں کو بلایا اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اینا کو آڈیشن میں پاس نہ کیا تو وہ

Marfat.com

انہیں گرفتار کر کے سخت سزا دے گا اور ممکن ہے کہ انہیں گولیوں سے اڑا بھی دیا جائے۔

موسیقار بیچارے سکتے میں رہ گئے تاہم فیصلہ کرنے کے لئے انہیں مہلت دی گئی۔ یہ سہمے ہوئے موسیقار ایک جگہ پر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فن ایک جاگیر ہے جو ہر ایک کو نہیں دی جا سکتی اور جو لوگ زبردستی اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں وہ یقیناً اس فن کی توہین کرتے ہیں۔ اینا محض ہمارے سرٹیفکیٹ دینے سے گلوکارہ تو نہ بن جائے گی جب تک اس کی اپنی صلاحیتوں نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ بذات خود ایسی صلاحیتوں سے محروم ہے۔

سربیا کے یہ موسیقار میلوزوچ کے انتقام لینے والے مزاج سے بھی آگاہ تھے۔ کہنے لگے اپنی جانیں بچاؤ۔ اسے گلوکاری کا سرٹیفکیٹ دے دو چنانچہ ان موسیقاروں نے اسے ایک اچھی گلوکارہ قرار دے دیا۔

اب صدر میلوزوچ کا دوسرا حکم یہ آیا کہ اچھے اچھے نقاد اور صاحب فن موسیقار بھی اس کی مدح سرائی کریں۔

اب کیا تھا..... جگہ جگہ اس کے فن کی تعریفیں ہونے لگیں۔ مگر 1998ء میں کوسوو کے ایک قصبے میں جب موسیقی کا ایک بہت بڑا جشن منایا گیا تو اس کے لئے قد آدم اشتہارات شائع کئے گئے جن پر اینا کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔ ہزاروں لوگوں نے اس کے لئے ٹکٹ خریدے۔ ہال میں بیٹھنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔

جب اینا سٹیج پر آئی تو اس کے حسن کی تعریف سب نے کی۔ اب یہ لوگ اس کی آواز کے جادو کا اثر دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

اینا نے جس گانے کو پیش کرنا چاہا وہ فلم ''ٹائی ٹینک'' کا تھا جسے ایلن ڈائن نے اپنی خوبصورت آواز میں ہالی وڈ میں گایا تھا۔ اس وقت کئی لوگ اس آواز پر مرمٹے تھے مگر آج اس گانے کو اینا اپنی بھدی آواز میں گانے لگی تو لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا۔ انہوں نے فقرے کسے مگر اینا باز نہ آئی۔ اب سامعین نے شور مچانا شروع کیا مگر اینا شائد اپنے کان اور اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے گا رہی تھی۔ وہ اپنے گردوپیش سے بے نیاز ہو کر گلوکاری میں مصروف رہی تو لوگوں نے اس پر گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکنے شروع کر دیئے۔ پھر کرسیاں پھینکی جانے لگیں۔ پردے پھاڑ دیئے گئے۔ شامیانوں کی چوبیں کھینچ لی گئیں۔ ان حالات نے منتظمین کو بے حد پریشان کر دیا۔

Marfat.com

اینا اپنی اس بے عزتی پر رو پڑی اور اس نے جا کر اپنے باپ سے شکایت کی۔ پاگل باپ نے یہ نہ سوچا کہ پیتل پیتل ہے اور سونا سونا' جھوٹے سرٹیفکیٹ اور جھوٹی تعریفیں حقیقت کو بدل نہیں سکتیں۔

وہ اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ پھڑک اٹھا۔ اپنی بیٹی کی تضحیک کا بدلہ لینے کے لئے اس گاؤں کے لوگوں سے اس نے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ بعد ازاں اس نے اپنی فوج کو سخت ترین ایکشن لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوجی گاڑیاں اور ٹینک آئے۔ گاؤں کے سب لوگوں' بچوں' جوانوں' بوڑھوں اور عورتوں کو کھلے آسمان تلے اکٹھا کر کے گولیوں سے بھون دیا اور قصبے کو نذر آتش کر دیا۔

پھر میلوزوچ اپنی بیٹی اینا کے ہمراہ ان لاشوں کو دیکھنے کے لئے آیا۔ کہا اینا بیٹی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تیری بے عزتی کرتے ہوئے گندے انڈے اور ٹماٹر پھینکے تھے۔

اس قدر انسانی جانوں کے اتلاف کا مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا گیا جس میں صدر میلوزوچ کے لئے موت کی سزا تجویز کی گئی۔

ماہنامہ تفاخر لاہور

ماہ ستمبر 2000ء

سزا

سلطان محمود شاہ تاتی بن لطیف گجراتی جب شکار کھیلنے جاتے تو بہت سے خدم و حشم اس کے ہمراہ ہوتے۔ ان میں ایک خادم برہان الدین بھی تھا۔ جس کا فقط یہ کام ہوتا کہ جب نماز کا وقت ہو تو وہ امامت کے فرائض انجام دے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے درمیان اس کی خاصی توقیر تھی مگر ایک دن اس سے نہ جانے کیا خطا ہوئی جس کے باعث بادشاہ بڑا برہم ہوا اور برہان الدین دیوار میں چن دیا گیا مگر چہرہ کھلا رکھا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا کوئی دوست اس کے منہ میں چند لقمے ڈال آتا۔ اس طرح وہ ایک ہفتہ تک زندہ رہ سکا۔ کہ ایک دن بادشاہ کا گزر ادھر سے ہوا اس کا خیال تھا کہ برہان الدین مر گیا ہو گا لیکن جب وہ اس کے قریب گیا تو برہان الدین نے اسے سلام کیا۔ بادشاہ کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے فوراً دیوار گرا کر اسے نکالنے کا حکم دیا۔ اسے جب نکالا گیا تو اس کا سارا جسم گل چکا تھا۔ اب شاہی معالج سے اس کا علاج کروایا۔ جب وہ صحت یاب ہوا تو

Marfat.com

اپنے پہلے والے منصب پر بحال ہوگیا۔

مگر کچھ عرصے کے بعد پھر اس سے کوئی غلطی ہوگئی۔ جس پر بادشاہ کو غصہ آیا۔ اس نے برہان الدین کو بہت گالیاں دیں اور سخت سست کہا۔

جب یہ لوگ شکار سے واپس آئے تو بادشاہ نے بے تحاشا شراب پی لی وہ دھت تھا اسے گھوڑے پر سوار کیا گیا مگر وہ گر جاتا تھا۔ اب برابر کے دو گھڑ سوار دائیں بائیں اسے تھام کر اس کی خواب گاہ میں لائے۔

بادشاہ کی شکاری جماعت چونکہ برہان الدین کے پیچھے نماز پڑھتی تھی۔ ان میں ایک شخص دولت خان برہان الدین کی یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکا اس نے برہان الدین سے بات کی کہ کیوں نہ بادشاہ کو ابدی نیند سلا دیں اور اس کام کیلئے آج بڑا اچھا موقعہ ہے۔

بادشاہ کے سر کے بال بڑے لمبے لمبے تھے۔ دولت خان اس کے بال خشک کرنے کے بہانے اس کے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اس کے لمبے بالوں کو پلنگ کی لکڑی سے کس کے باندھ دیا۔ اس کے بعد بادشاہ کی تلوار کو نیام سے نکالا اور سلطان کی گردن پر رکھ دیا۔

باشاہ کو احساس ہوا کہ معاملہ دگرگون ہے۔ ان نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ تلوار کی باڑ پر رکھ دیئے اور جان بخشی کی منت وسماجت کرنے لگا مگر دولت خان نے کہا کہ تو نے ہمارے پیش امام کی دو بار توہین کی ہے۔ تم کمینے لوگ ہو معمولی معمولی باتوں پر سنگین سزائیں دیتے ہو۔ تم انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ آج میں آپ جیسے مغرور انسانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات کسی غریب کا ہاتھ عزرائیل کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ قبل اس کے کہ بادشاہ کوئی شور مچائے اس نے اس کی گردن جدا کر دی۔

اب دولت خان نے دوسرے شیر کش چوکیدار کو بلایا اور امرا کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

برہان الدین نے گجرات کا تخت عبدالصمد شیرازی کو پیش کیا مگر اس نے قبول نہیں کیا۔ برہان الدین نے اسے بھی قتل کر دیا پھر اس نے خود بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ عماد الملک ترک پدر چنگیز خان، الغ خان چشتی کچھ سپاہیوں کے ہمراہ آگئے انہوں نے آتے ہی برہان الدین کو قتل کر دیا اور رسی باندھ کر اس کی لاش کو گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔

تاریخ فرشتہ
از محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

بردرِ متفرقات

Marfat.com

شربت

مرتضٰی نظام شاہ سلطنت احمد نگر کا عناں گیر تھا۔اس کے ایک مصاحب کا نام صاحب خان تھا۔ بادشاہ کو اس پر بڑا اعتماد تھا مگر صاحب خان بذات خود بغض اور عادات بد کا خوگر تھا۔اس عادت کے تحت ایک دن اس نے بے تحاشا شراب پی لی اور پھر سلطنت کے امرا کے ساتھ بڑی گستاخی کی۔اس پر بادشاہ کا حکم پا کر چنگیز خان نے اسے سخت الفاظ کے ساتھ تنبیہ کی اور معافی مانگنے پر مجبور کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب خان چنگیز خان کے خلاف ہو گیا اور اپنی حریفانہ سرگرمیاں شدید کر دیں اور مزید یہ کہ چنگیز خان سے انتقام لینے کی غرض سے اسے جب بھی موقعہ ملتا وہ بادشاہ سے چنگیز خان کی برائیاں بیان کرتا اور اس کے خلاف بھڑکاتا۔

مگر مرتضٰی نظام صاحب خان کی باتوں کو قابل اعتبار نہ سمجھتا تھا اور اس سے ہمیشہ یہی کہتا کہ چونکہ میں نے تجھے چنگیز خان کے ہاتھوں سے سزا دلوائی ہے۔اس لئے تم اس سے انتقام لینے کی خاطر مجھے اکساتے رہتے ہو اور مجھ سے اس کی برائیاں بیان کرتے رہتے ہو۔

ایک روز مرتضٰی نظام شاہ شراب پیئے ہوئے اٹھا اور سرور بادہ سے حواس باختہ تھا کہ تنہائی میں صاحب خان نے اس سے حسب معمول چنگیز خان کے خلاف باتیں شروع کر دیں۔

بادشاہ نے اس کے جواب میں وہی بات کہی جو وہ پہلے کہتا تھا۔اس پر صاحب خان نے رونا شروع کر دیا اور کہا کہ اگر میں چنگیز خان کا دشمن ہوں اور محض اس دشمنی سے ایسی باتیں کرتا ہوں تو آپ اصلی حقیقت شاہ میرزا اصفہانی سے دریافت کر سکتے ہیں جو کہ آپ کا ہم وطن ہے۔

مرتضٰی نظام شاہ نے رات کے وقت شاہ میرزا اصفہانی کو اپنی بارگاہ میں طلب کیا تا کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔بادشاہ نے میرزا اصفہانی سے اصل حقیقت کے بارے میں استفسار کیا۔

میرزا نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ صاحب خان کے تمام بیانات کی تصدیق کر دی کیونکہ میرزا اصفہائی اور صاحب خان نے باہم سازش کی ہوئی تھی۔

اب مرتضٰی نظام شاہ چنگیز خان سے برگشتہ ہو گیا لیکن اتنا برگشتہ بھی نہیں کہ بادشاہ فوراً کوئی اہم قدم اٹھاتا۔بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ صاحب خان اور شاہ میرزا اصفہانی

Marfat.com

سے مل کر کوئی سازش کی ہو۔ کچھ روز تک بادشاہ اس سلسلے میں سوچتا رہا آخر کار اس نے چنگیز خان کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔

ایک دن مرتضٰی نظام شاہ نے چنگیز خان سے کہا میں سفر کی تکلیف اٹھاتے اٹھاتے بہت نڈھال ہو گیا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ جلد از جلد احمد نگر واپس چلا جاؤں۔

چنگیز خان نے جو دشمنوں کی سازش سے بالکل بے خبر تھا اس کے جواب میں عرض کیا۔

حضور نے اس ملک کو حال ہی میں فتح کیا ہے۔ لہٰذا پانچ چھ ماہ تک تو آپ کو ضرور قیام کرنا چاہیے تا کہ یہاں کی رعایا کو آپ کی طرف سے بالکل اطمینان ہو جائے۔

چنگیز خان نے بادشاہ سے مزید عرض کیا۔ پانچ چھ مہینے قیام کرنے کے بعد حضور تو احمد نگر تشریف لے جائیں لیکن مجھے یہیں رہنے کی اجازت دے دیں تا کہ میں اس علاقے کا انتظام کرنے کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

مرتضٰی نظام شاہ نے جب چنگیز خان کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو اسے چغل خوروں کی باتوں کا یقین آ گیا اور وہ اس سے بدگمان ہو گیا۔

چنگیز خان کو بادشاہ کی بدگمانی کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے بیماری کا بہانہ کر کے رخصت لے لی اور کئی روز تک دیوان خانہ شاہی میں حاضری نہ دی۔

بادشاہ نے حکیم محمد عصری کو علاج معالجے کیلئے چنگیز خان کے پاس بھیجا اور حکیم سے یہ بھی کہہ دیا کہ زہریلے شربت کے ذریعے چنگیز خان کا کام تمام کر دیا جائے۔

حکیم محمد عصری نے واقعتہً ایسا ہی کیا اس نے شربت میں زود اثر زہر ملایا اور پیالہ چنگیز خاں کو پینے کیلئے دیدیا۔

چنگیز خان سمجھ گیا کہ اس شربت کے پیالہ میں اس کی موت کا پیغام ہے۔ یہ شربت میری صحت کیلئے تیار نہیں کیا گیا بلکہ موت کیلئے ہے اور حکیم محمد عصری ایک معالج کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ عزرائیل بن کے آیا ہے۔ اس نے پیالہ ہاتھوں میں پکڑا اور سوچنے لگا۔ یوں لگتا ہے اب میرا وجود بادشاہ کے لئے مفید نہیں ہے۔ شربت پینے میں بھی موت ہے اور نہ پینے میں بھی موت۔

اس نے شربت پینے سے پہلے انکار کیا مگر بادشاہ سے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کیلئے یہ زہریلا شربت پی لیا۔

Marfat.com

زہر کا اندر جانا تھا کہ جگر چھلنی ہو گیا۔ الٹیاں شروع ہو گئیں اور جگر کٹ کٹ کر باہر آنے لگا۔

اب اس نے بادشاہ کو جلدی جلدی ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

پروردہ نعمت جو زندگی کے ساٹھ بہاریں طے کرنے کے بعد سترویں منزل پر پہنچ چکا ہے۔ آستانہ بوسی کے بعد عرض کرتا ہے کہ حضور نے میرے لئے جو شربت آب حیواں میں ملا کر ارسال فرمایا تھا! اسے اس بوڑھے خادم نے بصد ذوق وشوق سامان لذت کام ودہن بنالیا ہے اور اب حضور کی وفاداری اور نمک حلالی کا نقشہ دوام اپنے سینے پر لے کر پیوند خاک ہونے جا رہا ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ اب آخری وقت میں اس خادم کی یہ التماس ہے کہ میری لاش کو کربلائے معلیٰ روانہ کر دیا جائے اور جس قدر غریب میری ملازمت میں ہیں انہیں آپ شاہی اسلحہ داروں میں شامل کر لیں۔

بادشاہ کی خدمت میں چنگیز خان نے یہ عریضہ بھیج دیا اور پھر اپنے پلنگ پر لیٹ گیا۔

دوسرے روز صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ واقعہ 973ھ کا ہے۔

چنگیز خان کی موت کے بعد بادشاہ کو اصل حقیقت کا علم ہوا اور زندگی بھر چنگیز خان کی موت اس کیلئے سوہان روح بنی رہی۔

تاریخ فرشتہ

از محمد قاسم فرشتہ

قہقہے

انگلستان کا سٹوارٹ خاندان جس نے 1603ء سے 1714ء تک 111 سال حکومت کی۔

اس خاندان کا دوسرا بادشاہ چارلس اول تھا۔ وہ 1625ء میں بادشاہ بنا اور 1649ء تک بادشاہت کی۔ بڑا خوش رو اور بارعب تھا۔ وہ علم دوست، پاک باز اور پاک منش تھا۔ تاریخ والے کہتے ہیں کہ انہیں خوبیوں نے اسے مغرور بھی بنا دیا تھا۔ جس کے باعث وعدہ کا پورا کرنا اپنی مرضی پر منحصر سمجھتا تھا کہ مرضی ہوئی تو وعدہ پورا کر دیا اور مرضی نہ ہوئی تو نہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنی کہی ہوئی بات پر بھی قائم نہ رہتا تھا۔

وہ مسئلہ حق آسمانی کا زیادہ قائل تھا کہ زمین پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ آسمان والے (خدا) کی

Marfat.com

طرف سے ہے۔ بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بادشاہ کی سختیوں سے عوام کا نشانہ بننا بھی آسمان والے کی طرف سے ہے۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ بادشاہ کا خود مختار اور مطلق العنان بننا بھی آسمان والے کی طرف سے ہے۔

پارلیمنٹ نے جب بھی عوامی مسائل و مشکلات پر اس کی توجہ دلائی وہ کان نہ دھرتا۔ جس سے پارلیمنٹ سے اس کا جھگڑا ہو جاتا۔

بادشاہ چونکہ کلیسائے انگلستان کا حامی تھا جبکہ رعایا پیوری ٹن مذہب رکھتی تھی۔ یہ مذہبی ٹکراؤ بھی بادشاہ اور رعایا کے مابین وجہ نزاع تھا۔

چارلس کو اپنے عیش کیلئے روپیہ چاہیے تھا۔ جو اسے پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نہ ملتا تھا۔ وہ رعایا پر ٹیکس اور محصولات لگانے لگا۔ جس سے رعایا بھی بادشاہ کے خلاف ہو گئی۔

اس مخالفت کا آغاز بادشاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی 1625ء میں ہو گیا تھا چنانچہ اسے بار بار مارشل لاء لگانا پڑا۔

1640ء میں اس کے خلاف باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ اس کی من مانیوں اور غیر آئینی کارروائیوں کو مشتہر کیا جانے لگا۔ اس نے بذریعہ قوت پارلیمنٹ کے سب ممبروں کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

آخر 1642ء میں اس کشمکش نے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ جو سات سال تک طویل ہو گئی۔ ایک طرف سرکاری مسلح فوجی تھے اور دوسری طرف عوام کی مخالفت اور جذبہ تھا۔

یوں جنگ کی طوالت ملکی معیشت اور عوام کو تباہ کرنے لگی۔ آخر بادشاہ نے آئرلینڈ سے مدد طلب کی اور عوام نے سکاٹ لینڈ سے۔ اب دونوں طرف سے مسلح دستے برسر پیکار تھے اور ملک تباہی کے دہانے کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ آخر بادشاہ کو پکڑ لیا گیا۔ پارلیمنٹ نے اس کی سزا موت قرار دی۔ بادشاہ نے پوچھا آخر اس کا جرم کیا ہے۔ جس کی بناء پر جلاد کو اس کی جان پر مسلط کرنے لگے ہو۔

پارلیمنٹ نے کہا اتنے بے گناہ شہریوں کا قتل تمہارے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہارا بادشاہ ہوں مجھے امن عامہ کیلئے یہ سب کچھ کرنا پڑا ہے۔

پارلیمنٹ نے کہا تمہاری من مانیاں اور معیشت کی تباہی بھی امن عامہ کا حصہ تھی۔

Marfat.com

پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ چارلس کو اس کے محل کے سامنے دروازے کے قریب ایک عام مجمعے کی موجودگی میں بلکہ اس کے خاندان کے افراد جو چھت پر اسے دیکھ سکیں قتل کر دیا جائے۔

اب بادشاہ کو جو کل تک عوام کی جانوں سے کھیل رہا تھا۔ محل کے سامنے ایک چبوترے پر کھڑا کیا گیا۔ اس کے قتل سے پیشتر پوچھا گیا کہ تم اپنے قتل کے تماشائیوں سے کوئی بات کہنا چاہتے ہو تو اجازت ہے۔

چارلس نے کہا میں بس یہی کہوں گا کہ میں اپنے ضمیر اور مذہب کی خاطر اپنی جان قربان کر رہا ہوں اور پھر بادشاہ چپ ہو گیا۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور جلاد کی تلوار نے تیزی سے سفر کیا اور سر تن سے جدا کر دیا۔

بادشاہ کی موت پر سسکیاں کم اور قہقہے زیادہ تھے۔

تاریخ انگلستان

از سید عبدالقادر ایم اے

اتکہ

جو عورت کسی بچے کی پیدائش میں دایہ گری کا کام کرتی ہے۔ اس کے شوہر کو اتکہ کہتے ہیں۔ اس بچے کیلئے وہ عورت (دائی) ماں کی حیثیت سے ہوتی ہے اور اتکہ بحیثیت باپ کے۔

اکبر بادشاہ کا اتکہ ادھم خان تھا۔ اکبر اسے باپ کی حیثیت ہی دیتا تھا۔ اکبر کا وکیل السلطنت خان اعظم شمس الدین تھا۔ اس عہدے کی وجہ سے اس نے بہت اقتدار اور استحکام حاصل کر لیا تھا مگر ادھم خان اس عہدے پر بڑا رشک کرتا تھا۔ اس نے اسے بادشاہ کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی۔ اس نے چغل خوری اور دیگر حربوں کو استعمال میں لا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔

ایک دن اعظم خان صبح کے وقت بیٹھا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ادھم خان ہاتھوں میں تلوار پکڑے آیا۔ آتے ہی کڑک کر کہا کہ تم میری تعظیم کیوں نہیں کرتے۔ یہ الزام محض ایک بہانہ تھا۔ اعظم خان نے اس کی طرف دیکھا۔ ابھی وہ اس کے الزام کا جواب نہ دے پایا تھا کہ قتل

Marfat.com

کر دیا گیا۔

ادھم خان کو شاہی عنایات کا بڑا بھروسہ تھا۔اس کا خیال تھا کہ بادشاہ اس سے کچھ باز پرس نہ کرے گا۔اس لئے ادھم خان ایک ایسے مکان میں مقیم ہو گیا جو کہ شاہی حرم کے بڑا قریب تھا۔

خان اعظم کے قتل کی وجہ سے چاروں طرف شور وغل برپا ہو گیا۔بادشاہ اس وقت حرم سرا میں سو رہا تھا۔اس شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا۔وہ اس وقت شب باشی کے لباس میں کوٹھے پر آیا۔یہاں سے اسے شمس الدین خان کی لاش نظر آئی۔اس لاش کو دیکھ کر اکبر غصے کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔

اس غصے کی وجہ سے اکبر نے اپنی تلوار سنبھالی اور اس عمارت میں گیا۔ جہاں ادھم خان موجود تھا۔بادشاہ نے ادھم خان سے پوچھا کہ تم نے خان اعظم شمس الدین کو قتل کیوں کیا؟

ادھم خان نے کچھ جواب دینے کی بجائے دوڑ کر بادشاہ کے پاؤں پکڑ لئے اور زار وقطار رونا شروع کر دیا۔اکبر اس بے ادبی پر اور زیادہ خفا ہوا۔اس نے غصے کے عالم میں ادھم خان کے گال پر ایک گھونسہ مارا۔ادھم خان بیہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔اس کے بعد اکبر نے حکم دیا۔ادھم خان کو اسی وقت کوٹھے سے زمین پر گرا دیا جائے۔کوٹھے کی چھت 12 فٹ بلند تھی۔فوراً شاہی حکم کی تعمیل ہوئی۔دو آدمیوں نے ادھم خان کو اٹھایا اور 12 فٹ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا۔ادھم خان نے ہائے ہائے کرنا شروع کر دیا۔اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں لیکن جان سے بچ گیا۔

اب بادشاہ نے کہا اسے گھسیٹ کر اوپر لیجاؤ اور دوبارہ پھینکو، روتے چلاتے ادھم خان کو کھینچ کر اب پھر اوپر لیجایا گیا اور نیچے پھینک دیا۔اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

ادھم خان کی لاش باپ نے حاصل کر کے دہلی روانہ کر دی تا کہ اسے وہاں دفن کیا جائے۔ باپ اپنے لخت جگر کی موت سے اس قدر افسردہ دل اور افسردہ حال ہوا کہ بیٹے کی موت کے چالیس دن بعد وہ بھی مر گیا۔

تاریخ فرشتہ

از محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

اذیّتیں

بخاری شریف میں ایک واقعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ عسکل یا عرینہ سے مدینہ پاک میں آئے مگر وہ آتے ہی بیمار ہو گئے۔ انہیں بخار آنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس چراگاہ میں بھیج دیا جہاں صدقے کے اونٹ چرا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے ان پر مقرر تھے۔ ان لوگوں نے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا وہ تندرست ہو گئے۔

پھر ایک موقعہ پا کر انہوں نے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ ساتھ لے کر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کارروائی کی اطلاع بڑی جلدی مل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں آدمی بھیجے۔ آدمی تیروں اور تلواروں سے بھاگم بھاگ ان تک پہنچ گئے اور انہیں گھیر کر پکڑ لیا۔ اونٹ ان سے چھین لئے اور ان کو گرفتار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اطہر پر غصے کے آثار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو۔

صحابہ نے حکم بجالانے میں ذرا دیر نہیں کی۔ فوراً ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ وہ تڑپنے لگے۔

فرمایا: اب لوہے کی گرم سلاخیں ان کی آنکھوں میں پھیر دو۔ یہ سزا دینے میں بھی دیر نہیں کی گئی۔ یہ لوگ چیخوں پر چیخیں مار رہے تھے۔ گرم گرم سلاخیں آنکھوں میں پھیرنے والوں نے ان چیخوں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ان کو اندھا اور بولا کر کے سنگریزوں پر پھینک دیا گیا۔ یہ تڑپتے رہے، نوکیلے پتھروں نے ان کے جسموں کو بھی لہولہان کر دیا۔ چیختے چیختے ان کے حلق خشک ہو گئے۔ کہنے لگے ہائے پانی۔ کچھ صحابہ کو ترس آیا وہ پانی کے کٹورے ڈھونڈنے لگے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پانی بھی نہیں دینے دیا۔

فرمایا: انہیں ایسے ہی ہلاک ہونے دو۔ انہیں مر جانے دو۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ اس دھرتی پر سانس لے سکیں۔ آپ کے چہرے پر اس قدر خفگی تھی کہ صحابہ نے اس سے پہلے کبھی بھی نہ دیکھی تھی۔ اور جو سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا اس کا اظہار بھی آج تک نہ ہوا تھا۔ مگر کسی کو لب

Marfat.com

ہلانے کی جرات نہ تھی۔ پھر خود ہی فرمایا:

ان لوگوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ جو چراگاہ میں اونٹوں کے رکھوالے مقرر کیے گئے تھے انہوں نے ان کے پہلے ہاتھ کاٹے' پھر ٹانگیں کاٹ دیں پھر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں اور نوکیلے پتھروں پر پھینک دیا۔ وہ پانی کے گھونٹ کو ترستے رہے اور مر گئے مگر ان ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا۔ یہ اس سزا کے مستحق ہیں۔ انہوں نے چوری کی' قتل کیے اور ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

بخاری شریف

خودکشی

غزوہ خیبر میں جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو صحابہ کرام نے دیکھا کہ ایک شخص بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ وہ کبھی دائیں جانب سے مشرکوں پر حملہ کرتا ہے اور کبھی بائیں جانب سے۔ اس کے ہاتھ کی تلوار کفار کے سروں کو کاٹ کاٹ کر رکھ رہی تھی۔ جو بھی اس کے مقابلے میں آتا سر کٹواتا یا شدید زخمی ہو کر میدان جنگ سے باہر نکل جاتا۔

مسلمانوں کو اس کا جوش جذبہ بڑا پسند آیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ایسی جرات و کارکردگی ہم میں سے کسی نے نہیں دکھائی۔ لوگوں نے اس شخص کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص تو ایسے کارنامے سرانجام دے رہا ہے کہ جو ہم میں سے کسی کے مقدر میں نہیں ہیں۔ ہمیں تو اس کے ولولوں پر رشک آتا ہے۔

پھر اچانک وہ شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں ابھی ہم ذکر کر رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا' فرمایا: میرے صحابہ! جان لو تم اس سے کہیں بہتر ہو کیونکہ میں اسے دوزخ کی آگ میں دیکھ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے بہادر شخص کے لئے جہنم کی خبر دینا بڑا تعجب خیز تھا۔ ان کی حیرانیوں میں ہر لمحہ اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اگر کوئی اور شخص ان مسلمانوں کو ایسی اطلاع دیتا تو شاید وہ

Marfat.com

اس سے لڑ پڑتے۔ مگر چونکہ صحابہ کرام کا ایمان اس قدر پختہ اور پکا تھا کہ انہیں یقین کرنا پڑا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سب لوگوں پر کب واضح ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک صحابی نے اس شخص کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تا کہ وہ دیکھ سکے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ اس طرح وہ جدھر جاتا یہ صحابی اس کے پیچھے پیچھے رہتے۔ جہاں وہ رک جاتا یہ صحابی بھی وہیں رک جاتے۔

آخر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ شخص لڑتا ہوا مشرکوں کے نرغے میں آ گیا۔ مشرکوں نے بڑے کاری زخم لگائے۔ خون کے فوارے چھوٹ نکلے' کمزوری بڑھ گئی اور نڈھال ہو کر گر پڑا۔ وہ ان زخموں سے بڑا تنگ تھا۔ وہ ایک شدید کرب میں مبتلا تھا۔ وہ اٹھا اس نے اپنی تلوار کے دستے کو زمین میں گاڑا اور اس کی نوک اپنے شانوں کے درمیان رکھ کر اس پر جھول گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان خودکشی کر کے ضائع کر دی۔ یہی خودکشی اسے جہنم میں لے جانے کے لئے کافی تھی۔

سیرت النبی از شبلی نعمانی

معارج النبوت از شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضور رسالت مآب کا علم غیب از محمد انور قمر

نوٹ: ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس شخص کا نام قزمان تھا۔ غزوہ احد میں اس طرح (خودکشی کر کے) مرا۔

احتجاج

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو انہوں نے وہاں کے دیگر ملازمین کی معاشی بدحالی کے پیش نظر ہر ملازم کی تنخواہ میں 100 روپیہ ماہانہ کا اضافہ کر دیا تا کہ یہ لوگ رشوت اور رشوت بطور تحفہ نہ لینے لگیں۔

اس اضافہ کو پسند کیا گیا یہاں تک کہ عبدالملک نے بھی اسے بحال رکھا۔ مگر جب 75ھ میں حجاج بن یوسف بصرہ و کوفہ کا گورنر ہو کر آیا تو اس نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کروایا۔

''لوگو! غور سے سنو۔

میں لکڑی کی طرح تمہیں چھیل دوں گا۔ اور پھول کی پتیوں کی طرح جھاڑ دوں گا۔ تمہارے

Marfat.com

جسموں کی بوٹیاں اڑادوں گا۔تمہاری عورتوں کے سہاگ لوٹ لوں گا۔اور تمہارے بچوں کو یتیم کر دوں گا۔"

علاوہ ازیں مصعب کے عہد کا تنخواہوں میں کیا گیا اضافہ بھی واپس لے لیا۔اور اعلان کیا کہ ہر سپاہی کو وہی تنخواہ ملے گی جو اسے مصعب کے زمانہ سے قبل دی جاتی تھی۔

عبداللہ بن جارود بصرہ میں ایک حق پسند اور با اثر آدمی تھے۔اور حجاج بن یوسف کی دورنگی سے واقف تھے جس نے محض اپنے غصے کی بنا پر ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کا خون بہادیا تھا..... انہوں نے حجاج بن یوسف کی اس زیادتی پر احتجاج کیا۔مگر حجاج نے اسے جھڑک دیا۔بیچارے خاموش ہو کے واپس آ گئے۔

مگر چند ماہ کے بعد حجاج نے پھر تنخواہیں کم کرنے کا ارادہ کرلیا۔بیچارے ملازم عبداللہ بن جارود کی خدمت میں گئے، کہ حکومت کی طرف سے جو ہم پر دوسری زیادتی ہونے والی ہے۔اس کے لئے کچھ کریں۔

اب پھر عبداللہ بن جارود حجاج بن یوسف کے پاس گئے اور اسے اس ارادے سے روکا۔کہا اگر تم ایسا کرو گے تو سخت احتجاج ہوگا۔اور کیا خبر ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے۔

حجاج نے اب پھر انہیں جھڑک کے رکھ دیا۔اس پر تلخ کلامی ہوئی۔عبداللہ بن جارود نے کہا کہ آپ کی اس زیادتی کی اطلاع ہم خلیفہ کو دیں گے۔

حجاج نے اسے دھمکی سمجھا اور برداشت نہ کر سکا۔اپنے محافظوں کو کارروائی کرنے کا اشارہ کیا۔پھر ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور عبداللہ بن جارود کے گلے سے پار ہو گیا۔خون کا فوارہ چھوٹا اور عبداللہ بن جارود وہیں گر کر شہید ہو گئے۔یہ تیر انہیں سپاہیوں کی طرف سے آیا تھا جن کے حق کے لئے آپ احتجاج کر رہے تھے۔

داستان عمل

ایم عبدالرحمٰن خان

چھلیک۔ملتان شہر

Marfat.com

عہدہ قضاء

اسلام میں اگر چہ شخصی حکومت کا تصور نہیں ہے تاہم خلفائے راشدین کے بعد شخصی حکومت کا قیام مجبوراً یا ضرورتاً قائم ہو گیا۔ اب سربراہان حکومت نے کوشش کی کہ حکومت کی مشینری کے پرزے مذہبی ہوں ایسے مذہبی پرزے بے شمار تھے مگر ان پرزوں سے یہ سربراہان وہ کام لینا چاہتے تھے جس سے ان کی من مانیوں کو تحفظ ملے۔ یہی وجہ تھی کہ مذہب اسلام کی روح سے آشنا حکومت کی مشینری سے دور رہے۔

عباسی حکومت کا آغاز ہوا تو سفاح اور منصور نے بھی حکومت کے ایوان کو مذہبی ستونوں پر استوار کرنا چاہا۔ گویا کہ وہ اپنی مرضی سے سب کچھ کرنے کے لئے مذہب کی طرف سے تحفظ چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عراق کے فقہا کو جن میں قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شرمہ داؤد بن ہنہ بھی شامل تھے بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو میر منشی اور افسر خزانہ کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

اس پر ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے حکومت کی طرف سے مسجد کے صرف دروازے گننے کو کہا جائے تو مجھے وہ بھی گوارا نہیں چہ جائیکہ وہ کسی قتلِ مسلمان کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر کر دوں۔

منصور کو ابتدا میں نفس ذکیہ اور ابراہیم سے واسطہ پڑا۔ حضرت امام ابوحنیفہ ابراہیم کو حق پر سمجھتے تھے آپ نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

جب منصور اس مہم سے فارغ ہوا تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی شامل تھے۔ 146ھ میں منصور نے بغداد میں حاضر ہونے کے احکام بھیجے۔ منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا۔

آپ دربار میں تشریف لائے تو ربیع نے جو حجابہ کا عہدہ رکھتا تھا۔ ان لفظوں میں انہیں دربار میں پیش کیا کہ یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے۔ منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام صاحب نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے۔

منصور نے ان کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کر دیا کہ میں

Marfat.com

اس عہدہ کی قابلیت نہیں رکھتا۔

منصور نے غصہ میں آ کر کہا۔ کہ تم جھوٹے ہو

امام صاحب نے فوراً فرمایا اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں ہوں۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی مقرر نہیں ہو سکتا۔

منصور نے پھر بھی اصرار کیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں عربی النسل نہیں ہوں۔ میری حکومت میں شمولیت ناگوار ہوگی۔ اور دوسری بات یہ کہ مجھے درباریوں کی تعظیم کرنا ہوگی اور یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

پھر بھی منصور نہیں مانا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا۔

امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔

اس جرات اور بے باکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آ کر کہا کہ ابو حنیفہ امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔

امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں۔ کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت آسان ہے۔

آخر طیش میں آ کر بادشاہ نے کہا اگر آپ یہ عہدہ قبول نہیں کرتے تو قید میں جانے کو تیار رہیے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں۔ آپ جب چاہیں مجھے جیل بھیج سکتے ہیں۔

چنانچہ آپ کو 146ھ میں قید میں ڈال دیا گیا۔ مگر قید میں چلے جانے کے بعد بھی آپ کے اثر اور قبول عام میں کوئی فرق نہ آیا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت اثر تھا ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا اثر یہ ہوا کہ کوئی اور ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف خلیفہ نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں بھی ان کا سلسلہ تعلیم برابر قائم رہا۔ اس طرح منصور کو جو خطرہ امام صاحب سے تھا وہ قید میں بھی برابر رہا۔ اس طرح انہیں چار سال گزر گئے۔ پھر آخری تدبیر یہ کی گئی کہ بے خبری میں انہیں زہر دیدیا گیا اور آپ نے حالت سجدہ میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

سیرت آئمہ اربعہ
از رئیس احمد جعفری

Marfat.com

قبر کی تعمیر

ہارون الرشید دولت عباسیہ کا گل سرسبد اور اس کا عہد عباسی عہد حکومت کا دور زریں تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ بیت الحکمۃ جس سے عباسی حکومت میں علوم وفنون کا دروازہ کھلا۔ اس کے زمانہ میں قائم ہوا۔ عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا دو آتشہ اور بوقلموں تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا۔

اس کا دور حکومت بہترین تھا۔ اس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا اس میں رونق اور بڑی بھلائیاں تھیں۔ اس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا۔ دنیا کے ایک بڑے حصہ سے خراج آتا تھا۔

ہارونی عہد کی ساری ترقی خاندان برآمکہ کی مرہون منت تھی۔ ہارون اس خاندان کو ایک طویل عرصہ تک اچھی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ ملک میں سیاہ وسفید کے مالک برآمکہ ہی تھے۔ بادشاہ سے پوچھے بغیر وہ جو چاہتے کر گزرتے تھے۔ اب ہارون الرشید کا نقطہ نظر بدل گیا۔ اسے اس خاندان کے کاموں میں جو خوبیاں نظر آتی تھیں وہ برائیوں میں بدل گئیں۔ اب کیا تھا؟ برآمکہ خاندان کا زوال شروع ہو گیا اور یحییٰ، فضل جیل میں قید ہو کر مر گئے۔ اور جعفر کو قتل کروا دیا گیا۔

برمکی خاندان کی تباہی کے چند برسوں کے بعد ہارون کا بھی وقت آخر آ گیا۔ 193ھ میں اس نے ایک مہم میں خراسان کا سفر کیا۔ طبیعت پہلے سے ناساز تھی۔ جب جرجان میں پہنچا تو مزید خراب ہو گئی الٹیاں اور پاخانے آنے شروع ہو گئے۔ یہاں سے طوس لوٹ آیا۔ علاج معالجہ کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ بالکل نڈھال ہوا جا رہا تھا۔

یہاں اس نے خود اپنے لئے ایک قبر کھدوائی اس میں داخل ہو کے لیٹا۔ دائیں بائیں کروٹیں لیں۔ پھر بیٹھ کے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا۔ ازاں بعد حفاظ کو بلوایا کچھ قبر میں بیٹھے اور کچھ باہر قرآن مجید کی تلاوت ہونے لگی۔ نہ جانے کتنے قرآن مجید پڑھے گئے۔

پھر جمادی الثانی 193ھ میں ہارون الرشید اس قبر کو دیکھتے دیکھتے چپ ہو گیا۔ اس کے لبوں پر وہ خاموشی مسلط ہو گئی جو ہر مرنے والے کے لبوں پر مسلط ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ طوس کے غربت کدہ میں 47 سال کی عمر میں 23 سال حکومت کرنے کے بعد اس قبر میں پیوند زمین ہو گیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

لونڈی

محمد بن منصور الملقب بہ مہدی اپنے باپ منصور کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ تاریخ اس کی سیرت کے بے شمار اچھے پہلو بیان کرتی ہے کہ وہ محاسن اخلاق کا مجموعہ تھا۔ نہایت نرم اور متحمل مزاج تھا۔ عفو و درگذر اس کی خصوصیت تھی مسجد الحرام اور مسجد النبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع میں خاصی دلچسپی لی۔

مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ رنگین مزاج اور عیش پرست بھی تھا۔ اس کے محل میں حسین عورتوں کے مجمعے رہتے تھے۔

اب یہ حسین عورتیں اس کے محل میں کیسے لائی جاتی تھیں۔ زبردستی یا خوشدلی کے ساتھ۔ یقیناً خوش دلی کے ساتھ یہ دوشیزائیں قطعاً نہیں آتی تھیں۔ جبر کے ساتھ آتی ہوں گی یا عصمت کی قیمت اس کام کو آسان بناتی ہوگی۔ پھر اس وقت کتنے والدین کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہوں گی۔ کتنوں کے منہ سے بددعائیں نکلتی ہوں گی۔

آخر یہ عیاشی دس سال کے بعد اس کی موت کا سامان لے کر آئی۔ وہ شکار کھیل رہا تھا ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ ہرن اپنی جان بچانے کے لئے ایک ویران عمارت میں داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے اس کا گھوڑا بھی اس عمارت میں گھستا چلا گیا اس کی رگڑ سے پیٹھ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ چارپائی سے لگ گیا۔

ایک لونڈی اس کی خدمت پر مامور ہوتی۔ مگر یہ اس حالت میں بھی چھیڑ خانی سے باز نہ آیا۔ لونڈی نے زہر کھا کر مر جانے کو ترجیح دی۔ اس نے اپنے کھانے میں زہر ملا دیا۔ مگر یہ زہر آلود کھانا شائد مہدی کے لئے تھا۔ لونڈی کہیں ادھر ادھر ہوئی۔ اس نے جھٹ سے یہ کھانا کھا لیا۔

زہر نے اس کی کارستانیوں کا انتقام لے لیا۔ اس کی انتڑیاں کٹ گئیں۔ پھیپھڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر آنے لگے۔ شاہی طبیب بھاگے مگر کوئی نسخہ اور کوئی دوائی کام نہ آ سکی۔ اور مہدی مر گیا۔ یہ 43 سالہ جوان ماسبندان کے قریہ میں مرا اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک کر دیا گیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

چھوٹا دروازہ

فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر کا بیٹا عبدالعزیز بن موسیٰ اندلس کا حاکم تھا۔ وہ بھی باپ کی طرح شجاعت و شہامت میں خاصی شہرت کا مالک تھا۔

جب اس کے باپ (موسیٰ بن نصیر) کے ساتھ ناپسندیدہ طرز عمل ہوا تو عبدالعزیز کی وفاداریاں اصول سیاست کے خلاف ہو گئیں۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ سلیمان بن عبدالملک کے خلاف کوئی بغاوت کرے یا خود سلیمان اسے بعض شبہات کی بنا پر کوئی سزا دے اسے خود سزا مل گئی۔ جس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ نے راڈرک کی بیوہ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ جو اپنے حسن اور ذاتی خوبیوں کی بنا پر اس کے اعصاب پر حاوی ہو چکی تھی۔ ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا۔

دیکھو عبدالعزیز آپ بھی ایک بہادر فوجی جرنیل ہیں اور میرا سابق خاوند راڈرک بھی نامور فوجی جرنیل تھا۔ اس اعتبار سے میں خوش قسمت ہوں کہ میرا عقد ثانی ایک فوجی جرنیل سے ہوا ہے۔

مگر مجھے ایک بات کھٹکتی ہے کہ میرے شوہر راڈرک کو اس کی ساری سپاہ سجدہ کرتی تھی۔ جبکہ آپ کی سپاہ آپ کو سجدہ نہیں کرتی۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ کی نسبت میرے سابقہ شوہر کا درجہ بہت بلند تھا۔

عبدالعزیز نے کہا اس میں عالی المرتبہ ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ غیر خدا کو سجدہ کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔

لیکن بیوی کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ کچھ کھچی کھچی رہنے لگی۔ چونکہ عبدالعزیز بیوی سے زیادہ مرعوب تھا لہٰذا اس نے اپنی نشست گاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا جس میں بغیر جھکے ہوئے کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے بیوی کی تسلی کے لئے یوں سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھو آپ کے اس شوہر (عبدالعزیز) کی تعظیم میں بھی تو لوگ جھکتے ہیں۔

اب یہی بات بیوی نے فوجیوں میں پھیلا دی کہ آپ کا حاکم اپنے آپ کو سجدہ کرواتا ہے۔

Marfat.com

اس کی نشست گاہ میں یہ چھوٹا دروازہ محض اس لئے بنوایا گیا ہے کہ جو اس میں سے گزرے عبدالعزیز کو تعظیمی سجدہ کرے۔

اس خبر سے فوج بگڑ گئی۔فوج نے یہ بات سلیمان بن عبدالملک تک پہنچا دی۔جس کے اشارے پر فوج نے عبدالعزیز کو قتل کر دیا۔

بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے سونے کا ایک تاج بنوا رکھا تھا۔رات کی خلوت میں کبھی خود پہنتا اور کبھی بیوی کو پہناتا اور اسے ملکہ عالیہ ہونے کا تصور دیتا تھا۔فوج نے یہ بات جان کر سمجھا کہ وہ بیوی کی محبت میں نصرانی ہو گیا ہے۔اس لئے اسے سرعام کھینچ کر قتل کر دیا گیا۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

مرض استسقا

واثق باللہ ہارون الرشید کا پوتا اور معتصم باللہ کا بیٹا تھا۔اس کا اصل نام ہارون تھا۔وہ تخت بغداد پر 19 ربیع الاول 227ھ میں بیٹھا۔وہ 5 سال کے بعد مر گیا۔اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں مسئلہ خلق قرآن میں اس نے شدت دکھائی اماموں اور موذنوں کو قتل کیا۔علماء کو گرفتار کیا گیا۔

ان گرفتار ہونے والوں میں ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد ازدی جو امام داؤد اور امام نسائی کے استاد تھے۔وہ واثق باللہ کے ہاں جب پیش ہوئے تو واثق باللہ نے پوچھا کہ تم خلق قرآن سے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو۔

اس وقت خلیفہ کے پاس قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھے۔جن کا درجہ وزیر اعظم کے برابر تھا۔اور خلق قرآن کے قائل تھے۔

ابوعبدالرحمٰن نے واثق باللہ کے سوال پر قاضی سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

کیا آپ مجھے پہلے بتا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اس کا علم تھا یا نہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

قاضی نے جھٹ کہا۔ہاں آپ جانتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے۔

اب عبدالرحمٰن نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدہ

Marfat.com

کی تعلیم دی یا نہیں۔

قاضی احمد نے کہا آنحضرت ﷺ نے تو اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا۔

اب ابوعبدالرحمٰن نے کہا تو اس کے متعلق لوگوں کی خاموشی کو کیوں کافی نہیں سمجھتے۔اور ان کو کیوں اس کے ماننے اور اقرار کرنے پر مجبور کرتے ہو۔

یہ سنتے ہی واثق باللہ چونک پڑا اور دربار سے اٹھ کر محل سرا میں چلا گیا۔اور چارپائی پر لیٹ کر بار بار کہتا رہا۔جس معاملے میں آنحضرت ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ہم اس میں سختی کررہے ہیں۔پھر حکم دیا کہ ابوعبدالرحمٰن کو آزاد کر کے اس کے وطن میں بہ آرام واپس پہنچادو۔اور 3 سو دینار سرخ انعام دیدو۔

خلیفہ تو راہ راست پر آ گیا مگر اس سلسلے میں جو معصوم جانیں تلف ہو چکی تھیں ان کا خون اس کے سر تھا۔وہ مرض استسقا میں مبتلا ہو گیا اس کے تمام جسم پر ورم آ گئے تھے۔وہ سو بھی نہیں سکتا تھا۔ گھر والوں کو اس سے گھن آنے لگی۔کوئی اس کے پاس نہ آتا تھا۔وہ بار بار کہتا اس کی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔

آخر حکیموں نے اس کے علاج کی غرض سے اسے گرم تنور میں بٹھایا۔اس سے مرض میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔اگلے دن تنور کو کسی قدر زیادہ گرم کیا گیا۔اور پہلے دن کی نسبت زیادہ دیر تک اسے تنور میں بٹھایا گیا۔جس کی وجہ سے بخار ہو گیا۔تنور سے نکال کر محافے میں سوار کر کے سیر و تفریح کے لئے لے چلے۔جب محافہ کو زمین میں رکھا تو واثق باللہ مر چکا تھا۔

ان لوگوں نے اسے محافہ میں رہنے دیا اور واپس بھاگ گئے۔خلیفہ کی کسی نے پروا نہیں کی۔ اس کی لاش وہیں پڑی رہی۔مگر قاضی احمد بن داؤد، محمد بن عبدالملک، وزیر اعظم ایتاخ وصف اور عمرو بن قرح وغیرہ اراکین سلطنت کے ساتھ تو قصر خلافت میں جمع ہو کر نئے خلیفہ کی بیعت کر رہے تھے۔اور ادھر واثق باللہ کی لاش عبرت دوراں بنی ہوئی تھی۔ایک سوسمار (گوہ) آیا اور اس نے خلیفہ کی دونوں آنکھیں نکال کر کھالیں۔

تاریخ اسلام

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

Marfat.com

آقا اور غلام

ایتاخ ترکی جرنیل تھا۔ جس کے قتل نے ترکی امراء میں کشیدگی پیدا کردی۔ اور وہ متوکل کے خلاف ہوگئے۔ لہٰذا انہوں نے متوکل کا قصہ ہی تمام کردینے کا ارادہ کیا۔

وصیف ترکی نے ترک موالی بغا صغیر، اوتاش، باغر، بعنو، داجن اور کنداس وغیرہ کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔ یہ سب 3 شوال 247ھ کو رات گئے جب دربار برخاست ہوا صرف چند آدمی باقی رہ گئے اور محل شاہی کے ایک دروازے کے سوا تمام دروازے بند ہو چکے تھے محل میں گھس گئے اور سب کے سب متوکل پر ٹوٹ پڑے۔ متوکل نے شور مچایا لیکن اس کو بچانے کے لئے وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا جب اس پر تلوار کے وار ہونے لگے تو فتح بن خاقان نے نمک حلالی کا پورا حق ادا کیا۔ اس نے اپنے آپ کو متوکل پر گرادیا۔ یوں آقا اور ملازم ایک ساتھ قتل ہوگئے۔

ان قتل کرنے والوں کے ساتھ متوکل کا اپنا بیٹا منتصر بھی تھا۔ اس لئے اس جرم کو چھپانے کے لئے مشہور کردیا گیا کہ فتح بن خاقان نے والد (متوکل) کو قتل کیا ہے۔ اور میں نے اسے انتقام میں قتل کردیا۔

چونکہ قصر شاہی میں فتح بن خاقان کے علاوہ سب ترک امراء تھے اس لئے فوراً یہ راز افشا نہیں ہوا۔

یہ بنو عباس کی تاریخ میں خلیفہ کے قتل کا پہلا واقعہ تھا اور ترکوں کو حد سے بڑھانے اور منتصر کے معاملہ میں غیر دانش مندانہ طرز عمل کا لازمی نتیجہ تھا اس واقعہ نے خلفا کا احترام اور خلافت کی عظمت کھودی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

عورت پسندی

برہان نظام احمد نگر کے حکمران مرتضی نظام شاہ کا بھائی تھا۔ بہت بڑی جاگیر کا مالک تھا۔ اس کی زندگی میں بس عیش ہی عیش تھا۔ وہ عورتوں کا بڑا دلدادہ تھا۔ امراء نے کوشش کی کہ اس کے بھائی

Marfat.com

کومعزول کر کے اسے تخت پر بٹھایا جائے۔مگر ایسانہ ہوسکا۔اور قید کرلیا گیا۔

جب وہ اسماعیل شاہ کے بعد احمد پور کے تخت پر بیٹھا اسے عیسائیوں سے واسطہ پڑا۔قلعہ کھوالہ کی تعمیر سے عیسائیوں کی کمک کے راستے مسدود ہو گئے قریب تھا کہ عیسائی پریشان ہو کر اس علاقے سے چلے جائیں گے۔مگر بادشاہ کی عورت پسندی کی عادت عود کر آئی اس نے حکم دیا کہ ہر خوبصورت عورت چاہے وہ کنواری ہو یا شادی شدہ اس کے محل میں بھیجی جائے۔

بادشاہ کا یہ حکم سن کر رعایا پریشان ہوگئی قلعہ کھوالہ کی حفاظت جن امراء کے ذمے تھی ان میں فریاد خان، اسد خان، تاج خان، شجاعت خان اور نصیر الملک جیسے نامی گرامی امرا تھے اور دشمن کی مدافعت کی پوری کوشش کر رہے تھے۔مگر بادشاہ کا یہ حکم سن کر وہ بھی پریشان ہو گئے۔

برہان شاہ کو کسی نے بتایا کہ شجاعت خان کی بیوی بڑی خوبصورت ہے۔اس نے فوراً شجاعت خان کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی بیوی کو میرے محل میں بھیجے۔مگر شجاعت خان ایک غیرت مند مسلمان بہادر تھا۔اس نے بادشاہ کا حکم لانے والے کو قتل کر دیا۔اس پر برہان شاہ نے زبردستی اس کی بیوی محل میں منگوالی اور شجاعت خان کو قید کر دیا۔

شجاعت خان کی خاموشی بے غیرتی کے مترادف تھی۔اس نے اس بے غیرتی پر موت کو ترجیح دی۔اس نے خنجر لیا اور پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی۔

ادھر بادشاہ کو شجاعت خان کی بیوی پسند نہ آئی اس کے حسن کی جو تعریف کی گئی تھی وہ اس کے مطابق نہ تھی اسے واپس بھیج دیا گیا۔

جونہی وہ گھر پہنچی شجاعت خان کی لاش بھی خون میں لت پت گھر آ گئی۔بیوی پھوٹ پھوٹ کر روتی اسے غش پہ غش آنے لگے۔گھر میں خوب ماتم ہوا۔بادشاہ کو گالیاں نکالی گئیں اور بددعائیں دی گئیں۔

شائد انہیں بددعاؤں کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ بیمار ہو گیا۔اسے خون کے اسہال آنے لگے۔ حکیموں نے اسے لاعلاج مرض قرار دیا۔وہ نڈھال ہو کر چارپائی سے جالگا اور داعی اجل لبیک کہہ کر اس چارپائی کو چھوڑا۔

تاریخ فرشتہ۔از محمد قاسم فرشتہ

Marfat.com

سزا کی پرچیاں

ایک دفعہ مرو کی جامع مسجد کو آگ لگ گئی۔ قالین فانوس اور چھت کی کڑیاں سب جل گئیں۔ گویا کہ مسجد دوبارہ تعمیر ہونے والی بن گئی۔ ظاہر ہے بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ تحقیق سے شبہ ہوا کہ یہ کام عیسائیوں نے کیا ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس کام میں ملوث افراد کو سزا دی جاتی مگر مسلمان اس قدر مشتعل تھے کہ انہوں نے عیسائیوں کے گرجے جلا کر راکھ کر دیئے۔

جب اس واقعہ کی اطلاع سلطان وقت کو پہنچی تو انہوں نے گرجے جلانے کی حرکت کو سراسر خلاف تعلیم اسلام قرار دے کر مجرموں کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

گرجوں کو آگ لگانے والے مجرم بڑی جلدی پکڑے گئے۔

سلطان نے واقعات کی جانچ پڑتال خود کی اور مجرموں کے لئے تین قسم کی سزائیں تجویز کیں۔

1۔ سزائے تازیانہ

2۔ سزائے قطع ید

3۔ سزائے موت

مگر یہ تحقیق کرنے کی بجائے کہ سزائے بیدزنی کس کو ہو۔ ہاتھ کس کا کاٹا جائے اور موت کا پھندا کس کے گلے میں ڈالا جائے۔ ایک عجیب طریقہ اپنایا۔

ان تینوں مجرموں کے لئے کاغذ کی تین پرچیاں بنائیں اور ان پر سزائیں لکھ دیں۔ پھر ان کی تہیں لگا کر ان کے آگے پھینک دیا۔ کہ انہیں اٹھاؤ جس کی پرچی پر جو سزا لکھی ہوگی۔ اسے وہی سزا دی جائے گی۔

جس شخص کے ہاتھ موت کی سزا والی پرچی آئی اس نے رونا شروع کر دیا۔

سلطان نے اس سے کہا جس طرح تمہیں موت پر ڈر لگ رہا ہے اور رونے لگے ہو۔ اسی طرح ان لوگوں کی چیخیں میں سن رہا ہوں جن کو تم نے آگ میں زندہ جلا دیا ہے۔

اس شخص نے کہا واللہ میں قتل ہونے یا موت سے نہیں ڈرتا میں تو اس لئے روتا ہوں کہ میں

Marfat.com

اپنی ماں کا واحد سہارا ہوں۔ وہ بوڑھی بھی ہے اور بیمار بھی۔ اگر میں مر گیا تو اس کی خبر گیری کون کرے گا۔ اف میری ماں کس اذیت کے ساتھ مر جائے گی۔

اس کے ساتھ دوسرا وہ شخص کھڑا تھا جس کی پرچی پر بیدزنی کی سزا لکھی تھی۔ اس نے اسے کہا۔ دوست تم رونا بند کرو میری ماں نہیں ہے۔ تم اپنی پرچی مجھے دیدو۔ میں مر جاؤں گا اور تم بیدزنی کی سزا کے بعد زندہ رہو گے۔ ہاں ہاں اپنی ماں کی خدمت کے لئے زندہ رہنا تمہارا حق بھی ہے اور فرض بھی۔

اب انہوں نے پرچیاں تبدیل کر لیں۔ جنہیں پرچیوں کی لکھی گئی سزا کے مطابق سزا مل گئی۔ اس طرح ایک دوست دوسرے پر قربان ہو کر ابدی نیند سو گیا۔

داستان عمل

ایم عبدالرحمان چہلیک ملتان شہر

جنتی

حضرت ابراہیم یزید تیمی بہت بڑے عابد اور زاہد تھے۔ نماز میں کیف و استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ ماحول کی آواز اور شور سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ چڑیاں ان کی پیٹھ پر سے بیٹھ بیٹھ کر اڑ جاتی تھیں۔ اور چونچیں بھی مارتی تھیں۔ اس زمانہ میں اس نام سے ملتے جلتے ایک ممتاز عالم ابراہیم بن یزید نخعی بھی تھے۔

پہلے بزرگ ہمیشہ عبادات میں مشغول رہتے۔ مگر دوسرے حجاج بن یوسف کی من مانیوں پر تنقید کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا حجاج بن یوسف کی ان سے ٹھن گئی۔ اور وہ زیر عتاب آ گئے۔ اب حجاج نے انہیں گرفتار کرنے کے احکام صادر کر دیئے۔

ابراہیم بن یزید تیمی چاہتے تھے کہ معاشرے کو سدھارنے کے لئے عالم دین کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا میرے مر جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ابراہیم بن یزید نخعی کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی جگہ وہ اپنے آپ کو پیش کر دیں گے۔

چنانچہ جب حجاج بن یوسف کے آدمی ابراہیم بن یزید نخعی کو گرفتار کرنے کو نکلے تو ابراہیم بن یزید تیمی خود ان کے پاس پہنچ گئے۔ کہا کہ جس شخص کی آپ کو تلاش ہے وہ میں ہوں۔ یعنی ابراہیم

Marfat.com

بن یزید نخعی۔

چونکہ گرفتار کرنے والوں نے اصل مجرم کو دیکھا ہوا نہ تھا۔لہٰذا وہ انہیں گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس لے آئے۔حجاج نے حکم دیا کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر دیماس کے قید خانہ میں لے جاؤ۔جو موت کے گھر کے نام سے مشہور تھا۔اور صرف سنگین مجرموں کے لئے بنایا گیا تھا۔اس میں سردی گرمی اور بارش اور دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔قید کی صعوبتوں نے ابراہیم بن یزید تیمی کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ انہیں خود ان کی والدہ بھی شناخت نہ کر سکی۔اور آپ ایک عالم وقت کی جان بچانے کے شوق میں نہایت صبر واستقلال سے تمام مصائب برداشت کرتے کرتے ملک عدم کے راہی بن گئے۔

ان کی شب وفات کو حجاج بن یوسف نے خواب دیکھا کہ شہر میں ایک جنتی فوت ہو گیا ہے۔ اسے اشتیاق پیدا ہوا کہ دیکھے وہ کون جنتی ہے۔صبح اس نے پتہ کرایا کہ آج کون مرا ہے۔تحقیقات سے پتہ چلا کہ جیل میں ابراہیم بن یزید تیمی فوت ہو گئے ہیں۔

اس ظالم نے اب بھی ان کی لاش کا احترام نہیں کیا بلکہ لاش کو گھور پر پھنکوا دیا۔اسے یہ تک احساس نہ رہا کہ وہ تو ابراہیم بن یزید نخعی کو انتقام کی بھینٹ چڑھانا چاہتا تھا مگر یہ تو عابد وزاہد ابراہیم بن یزید تیمی تھے۔شاید اس لئے اس کا یہ احساس ختم ہوا کہ ابھی ابراہیم بن یزید نخعی کی زندگی باقی تھی۔اس نے زندہ رہنا تھا اور معاشرے کے کام آنا تھا۔

اور ادھر دوسرے کی خاطر قربانی کا جذبہ قابل تحسین ہے۔

داستان عمل

از ایم عبدالرحمٰن چہلیک ملتان شہر

تبسم

بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ کے بعض پادریوں نے صلیبی جنگوں کی بنیاد رکھی اور بے شمار یورپی عیسائیوں کے لشکر شام وفلسطین میں بھیجے تا کہ فلسطین اور آس پاس کے علاقے مسلمانوں سے چھین لیں اور بیت المقدس پر اپنی گرفت مزید مضبوط کر لیں۔

یورپ سے فوجیں آنے لگیں تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی عمر اس وقت صرف 26 سال

Marfat.com

کی تھی۔ جبکہ اس نے مکمل فوجی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس نے یورپ سے آنے والے اس فوجی سیلاب کو روکا اور 90 سال کے بعد 583ھ بمطابق 1187ء میں پھر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی ایک شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا۔ دینی احکام کی پابندی اور امور شریعت کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا اس کے عقائد تشبہ اور تعطل کی امیزش سے پاک ہوتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی 559ھ میں 26 سال کی عمر میں میدان جنگ میں اترا اور 29 سال تک اس کی تلوار صلیبیوں کے گلے کاٹتی رہی۔ وہ صبح و شام موت کے کھیل کھیلتا رہا۔ آخر وہ تھک گیا۔ مگر اس کی تھکاوٹ بھی جہاد کی پرمحن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ دیتی تھی..... البتہ اب اس کے بڑھاپے کی بیماری نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ ان لوگوں کی طرح بستر پر لیٹ جائے جس طرح آرام کرنے والے لیٹا کرتے ہیں۔ اس کی بیماری کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ اس کے بہت سے روزے بھی قضا ہو گئے۔

دمشق آنے کے بعد اس نے روزوں کی قضا دینی شروع کی۔ روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے۔ اس لئے طبیبوں نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑے گا۔

سلطان نے جواب دیا۔ معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کئے۔ اس کی صحت اور بگڑ گئی۔ وسط صفر 589ھ میں پھر بیمار ہو گیا بیماری معمولی بخار سے شروع ہوئی اور بہت جلد مرض الموت میں بدل گئی۔ تین دن پہلے غشی طاری ہوئی۔ جو آخر تک قائم رہی۔

عالم احتضار میں شیخ ابو جعفر نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے۔

هو الذی لا اله الا هو عالم الغیب و الشهادة

تو دفعتہً سلطان نے آنکھ کھول دی۔ زبان سے نکلا سچ ہے۔ لبوں پر تبسم اور چہرے پر بشاشت تھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لی۔ یہ صفر کی 27 تاریخ دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔

دفن کرتے وقت اس کی وہ تلوار بھی ساتھ ہی دفن کی گئی جو ہمیشہ خدا کی راہ میں بے نیام رہی کہ اب اس تلوار کو چلانے والا ہاتھ باقی نہ رہ گیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی مرا تو اس کی ملک میں ایک دینار چالیس درہم پائے گئے۔ جس سے تجہیز و تکفین بھی نہ ہو سکتی تھی۔

تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی

Marfat.com

عہد

ابو جعفر عبداللہ بن قادر قائم بامر اللہ کا لقب اختیار کر کے 422ھ میں تخت بغداد پر رونق افروز ہوا اور 467ھ تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں شیعہ سنی کشمکش زوروں پر رہی۔ ارسلان ترکی بساسیری جو شیعہ تھا نے بڑی قوت پکڑ لی تھی۔ اس کے بندوں نے بغداد تک کو لوٹنا شروع کر دیا پھر قائم بامر اللہ کو گرفتار کرنے کا پروگرام بنالیا۔

قائم کو اس کے اس ارادے کا علم ہو گیا تو اس نے ابو طالب محمد بن کمیال سلطان غزہ المعروف بہ طغرل بک جو ''رے'' میں حاکم تھا۔ کو اپنی امداد کے لئے بلایا مگر طغرل کے آنے سے پہلے قائم نے بساسیری کے گھر میں آگ لگا دی۔ بساسیری رجت کی طرف بھاگ گیا وہاں اس کے ساتھ بہت سے ترک مل گئے۔ مزید یہ کہ طغرل کے ایک بھائی کو اپنی مدد کے لئے لکھا۔ اور یہ وعدہ کیا کہ کامیابی کی صورت میں اسے طغرل کا منصب دیا جائے گا۔

یہ سارے انتظام مکمل کر کے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ بغداد میں آیا۔ قائم بامر اللہ کے ساتھ ایک مہینہ تک جنگ رہی بالآخر بساسیری کو کامیابی ہوئی۔ اور اس نے سلطان قائم بامر اللہ کو گرفتار کر کے غانہ میں روانہ کر دیا۔

جب طغرل آیا تو بغداد کی صورت نہایت مخدوش ہو چکی تھی۔ قائم بامر اللہ کے گرفتار ہونے کے باعث تخت بالکل خالی پڑا تھا۔ اس پر کوئی بھی قبضہ کر سکتا تھا کہ اچانک طغرل بک آ گیا۔ وہ دندناتا ہوا آیا اس کی تلوار نے دوست دشمن کی کوئی پروا نہیں کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک جست کے ساتھ لپکا اور اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ قتل کوئی معمولی نہ تھا۔ لوگ سمجھ گئے کہ طغرل کی جس اندھی تلوار نے ماں جائے کا خیال نہیں کیا وہ فوجیوں کے ساتھ معمولی تعلقات کی کیا پرواہ کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ بساسیری کی فتح چند منٹوں میں شکست میں بدل گئی۔

اب طغرل نے غانہ کے حاکم کو لکھا کہ سلطان قائم بامر اللہ کو اعزاز کے ساتھ دارالحکومت میں پہنچا دے۔ چنانچہ طغرل بک سے ڈر کر سلطان قائم بامر اللہ کو رہا کر دیا اور قائم 5 ذیقعدہ 451ھ کو نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنے ایوان شاہی میں واپس پہنچ گیا۔ قائم بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دارالحکومت میں داخل ہوا۔ امراء وزراء اور عمائدین اس کے جلو میں تھے۔

Marfat.com

اس کام سے فارغ ہوکر اب طغرل نے ایک لشکر کے ساتھ بساسیری پر حملہ کر دیا۔ اور بہت جلدی اس پر فتح پا کر اس کا سر بغداد میں بھیج دیا۔

اب قائم بامر اللہ طغرل کا بڑا احسان مند تھا۔ طغرل اس کے بڑے قریب کے کرم فرماؤں میں شامل ہو گیا یہاں تک کہ اس کے محل کی خلوت گاہ تک اس کی رسائی ہو گئی تھی۔ اس دوران اس نے قائم کی نہایت حسین و جمیل بیٹی حبیبہ بنت قائم بامر اللہ کے حسن و جمال اور ذہانت و متانت کے تذکرے سنے۔ چنانچہ طغرل نے اس سے شادی کی درخواست کی۔

گو یہ ایک درخواست تھی ہر شہزادہ ایسی درخواستیں پیش کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مگر بعض اوقات ایسی درخواستیں دینا بڑی جرات کا کام ہوتا ہے۔ ہاں خلیفہ قائم بامر اللہ کے حضور یہ درخواست پیش کرنا ایک جرات ہی تھی کیونکہ ایسی درخواست آج تک کسی ترک یا دیالمہ شہزادے نے پیش کرنے کی جرات نہ کی تھی۔

قائم کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی اس نے سختی کے ساتھ اس رشتہ سے انکار کر دیا۔ اگر اس انکار پر طغرل بگڑ جاتا تو تخت بغداد پر قبضہ قائم کی بجائے طغرل کا ہو سکتا تھا۔

مگر طغرل نے اس انکار کا برا نہیں منایا بلکہ ایک باپ کا حق سمجھا کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تاہم اس نے کوشش جاری رکھی۔

قائم رات کو سوتا تو اس کے دماغ میں یہ لاینحل مسئلہ ضرور موجود ہوتا۔ اور وہ سوچتا رہتا کہ آخر میں نے حبیبہ کی شادی کہیں تو کرنی ہے۔ طغرل کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ اگر اس شادی کے معاملے میں اس کی بات مان لی جائے تو وہ یقیناً زندگی بھر میرے کام آتا رہے گا۔

آخر کار خیر خواہان دولت کے مشورہ سے چار و ناچار یہ رشتہ منظور کر لیا۔ یوں 454ھ میں تبریز میں عبدالملک کی وکالت پر اس شرط پر نکاح ہوا کہ میاں بیوی میں زن و شوہر کے تعلقات قائم نہ ہوں گے۔

اس اعتبار سے یہ شادی ایک عجیب نوعیت کی تھی۔ چنانچہ دلہن بغداد میں رہ گئی اور طغرل ''رے'' میں چلا گیا۔

455ھ میں طغرل بیوی سے ملنے کے لئے بغداد میں آیا۔ عبدالملک نے اسے شرط یاد دلائی کہ میاں بیوی خلوت میں نہیں مل سکتے۔

Marfat.com

طغرل نے جواب میں کہا کہ ہاں اسے یہ شرط اچھی طرح یاد ہے۔ مگر قصر سلطانی کے کھلے صحن میں اسے ملنے پر کوئی ممانعت نہیں۔ چنانچہ مشاطہ کے کمال حسن فن کے بعد ایک سجی سجائی دلہن صحن میں بچھے ہوئے زریں تخت پر آ کے بیٹھی۔

طغرل نے اس کے سامنے زمین بوسی پر اکتفا کی اور بہت سے تحفے تحائف اور سامان اور بے شمار جواہرات پیش کئے۔

اہل بغداد کی عام دعوت کی گئی جس کا سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ بغداد کے عمائدین و اراکین سلطنت کو خلعتیں تقسیم کی گئیں۔ یوں ایک مہینہ قیام کرنے کے بعد طغرل اپنے دارالسلطنت رے میں واپس چلا گیا۔

بعض روایتوں کے مطابق جب طغرل جانے لگا تو اس نے نظر بھر کے دلہن کو دیکھا۔ اور دلہن نے بھی حسرت بھری نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ دل چاہتے تھے کہ قریب ہو کر ایک دوسرے کے آنسو پونچھیں اور آنسو بہانے کی وجہ پوچھیں۔ مگر بزرگوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا جس پر دونوں کاربند تھے۔

تاریخ الخلفا از جلال الدین سیوطی کی روایت کے مطابق حبیبہ قائم بامراللہ طغرل کے ہاں چلی گئی تھی۔ مگر 6 ماہ کے بعد طغرل مر گیا۔ طغرل کی موت کیسے واقع ہوئی یہ اب تک راز ہے اور شاید راز ہی رہے۔ آیا یہ طبعی موت تھی یا ایک نوجوان حبیبہ قائم بامراللہ نے 70 سالہ بوڑھے طغرل کو مار کر آزادی حاصل کی۔

تاریخ اسلام

از شاہ معین الدین ندوی

صدقہ

ظہیرالدین بابر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی ہے اس کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ کا حاکم تھا باپ کی وفات پر اس کی عمر صرف 13 سال کی تھی۔ بالکل ناتجربہ کار تھا۔

بہرحال باپ کے بعد تخت فرغانہ پر بیٹھا۔ اس کا چچا اور ماموں نہیں چاہتے تھے کہ فرغانہ پر اس کمسن بابر کی حکومت ہو۔ چنانچہ اسے ناتجربہ کار سمجھ کر اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن مشیت ایزدی کا

Marfat.com

مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ بابر کے سپاہیوں نے جانبازی دکھائی اور ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یوں 1504ھ میں اس نے کابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ قندھار بھی اس کے زیر نگیں آ گیا۔ پھر وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور 1526ء میں دولت خاں لودھی اور رانا سانگا کی دعوت پر ابراہیم لودھی کو پانی پت کی پہلی لڑائی میں شکست دے کر دہلی کے تخت کا مالک بن گیا۔

پھر آگرہ کو فتح کیا۔ جون پور، قنوج اور گوالیار یکے بعد دیگرے ایک سال میں اس کے قبضے میں آ گئے۔ بہار اور بنگال کی فتح کے بعد تمام شمالی ہندوستان کا مالک بن گیا۔

بابر کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں دوسرے تینوں بھائیوں میں بڑا تھا۔ بابر کو اس سے بے حد پیار تھا وہ اسے صحیح معنوں میں تخت دہلی کا وارث سمجھتا تھا لیکن 1530ء میں ہمایوں سخت بیمار ہو گیا۔ وہ سنبھل میں بطور گورنر تھا۔ اس کی بیماری نے طول کھینچا تو اسے سنبھل سے آگرہ میں لے آئے۔

یہاں باوجود بہترین علاج کے شفا نہ ہوئی۔ وہ دن بدن کمزور ہو کر چارپائی سے لگ گیا۔ بادشاہ کو اس کی جان کی فکر لاحق ہو گئی۔ کیونکہ اس کی حالت زیادہ ہی تشویشناک ہو گئی تھی۔

آخر ایک امیر نے بادشاہ سے کہا صدقہ کرنے سے بیماری ٹل جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں کوئی ایسی چیز نذر کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہو۔

بابر سوچ میں ڈوب گیا کہ وہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اسے ہمایوں کی نسبت زیادہ عزیز ہے۔ ہمایوں کی بیوی حمیدہ بانو نے بابر کو اس قدر فکر میں دیکھا تو وہ کوہ نور ہیرا لے آئی۔ اور بابر کے آگے لا کر رکھ دیا۔ جو آگرہ کی فتح کے وقت ہمایوں کو حاصل ہوا تھا۔ اس ہیرے کی قیمت کا اندازہ ابھی تک نہ لگ سکا تھا۔ اس کی جو بھی زیادہ سے زیادہ قیمت لگائی جاتی ہیرا اس سے بھی زیادہ قیمت کا ثابت ہوتا۔

حمیدہ بانو نے سوچا کہ محل میں اس بیش بہا ہیرے سے زیادہ اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ بابر کو بھی یہ ہیرا بے انتہا عزیز تھا۔

بابر نے اس ہیرے کو پکڑا کہنے لگا ہاں یہ ہیرا واقعی بڑا بیش بہا ہے۔ آپ لوگوں کے نزدیک شائد اور کوئی چیز اس سے زیادہ قیمتی نہ ہو گی۔ لیکن میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ قیمتی ایک چیز ہے میں اسے بیٹے کی جان کے صدقے میں دوں گا۔ اور وہ میری جان ہے۔ جو میں اپنے پیارے بیٹے کی خاطر اللہ کی راہ میں نذر کر سکتا ہوں۔

Marfat.com

گھر میں ایک سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص سوچنے لگ گیا کہ کیا بابر خودکشی کر لے گا۔ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اپنا گلا چھری کے نیچے رکھ دے گا۔

امرا نے منع کیا۔ جان کی قربانی میدان جہاد میں قربان کی جاسکتی ہے اس طرح کی قربانی شائد اللہ کو پسند نہ آئے۔ آپ جان کے مقابلے میں کسی اور چیز کے ساتھ قرعہ ڈال لیں۔

مگر بابر نہیں مانا۔ بابر اٹھا۔ بڑے سوز کے ساتھ یہ کہتا ہوا تین دفعہ ہمایوں کی چارپائی کے گرد چکر لگائے کہ اے اللہ میں اپنی جان ہمایوں کی صحت کے عوض پیش کرتا ہوں۔ اسے قبول فرما اور ہمایوں کو صحت عطا فرما۔

یہ درد بھری دعا ایسے وقت میں بابر کے دل سے نکلی کہ ہمایوں اسی ساعت صحت یاب ہونے لگا اور بابر کی حالت خراب ہونے لگی۔

آخر بابر نے امراء کو بلایا۔ کہا کہ میرا وقت آخر ہے میں جانبر نہیں ہوسکوں گا۔ میرے نزدیک ہمایوں تینوں بھائیوں کی نسبت زیادہ سمجھدار ہے میری وصیت یہی ہے کہ میرے بعد تخت دہلی کا وارث ہمایوں ہوگا۔ پھر ہمایوں سے کہا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ہمیشہ عفو اور مہر و محبت سے پیش آنا۔ گو بھائیوں نے اسے ہمیشہ پریشان رکھا۔ بہر حال بابر اس بیماری کی وجہ سے 1530ء میں وفات پا گیا۔

اِنا للّٰہِ و انا الیہِ راجعون

بابر کو کابل کے شاہی باغ میں دفن کیا گیا۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

کریسنٹ تاریخ ہندوستان و پاکستان

از مستنصر باللہ ایم اے

موسیقار

ولف گینگ 1756ء میں آسٹریا میں پیدا ہوا اس کا باپ لیوپولڈ موزارٹ فن موسیقی کا استاد تھا۔ اس نے ولف کو بھی یہ فن سکھایا اور ماہر کیا۔ یوں وہ سات سال کی عمر میں ہی بڑی بڑی محفلوں

Marfat.com

میں جانے لگا۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1763ء میں جرمنی کے اخبار میں ایک اشتہار اس عبارت کا چھپا کہ

سات برس سے بھی کم عمر کا ایک موسیقار پیانو بجائے گا۔ وائلن پر نغمہ گائے گا۔اور کلیوتر کی سروں کو کپڑے سے چھپا کر سمفنی کی دھنیں بجائے گا۔اور اس آسانی سے بجائے گا جیسے دوسروں کو دیکھ رہا ہے۔ دور بیٹھ کر یہ نغمے کے سر الگ الگ بتادے گا اور جتنا عرصہ بھی کہا جائے گا بے تکان بجائے گا۔ٹکٹ نصف تھیلر THALER (جرمنی کا قدیم چاندی کا سکہ)

اس اشتہار نے لوگوں میں ایک کشش پیدا کردی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ ٹکٹ لینے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ یوں تیس ہزار تھیلر کی خطیر رقم انتظامیہ کی صندوقچی میں جمع ہوگئی تھی۔ ولف کو اس آمدنی میں سے صرف ایک ہزار تھیلر ملے تھے۔ ولف کا دل ٹوٹ گیا۔اس کا خیال تھا کہ تھیٹر کی ساری آمدنی اس کی جھولی میں ڈال دی جائے گی۔ مگر ولف کا باپ تو اس رقم پر بڑا خوش تھا کہ وہ دو ہفتے تک آسانی سے شراب پی سکے گا۔اس نے بیٹے کی ہمت بندھائی۔ بیٹا کام کئے جاؤ۔خوب محنت کرو۔ دنیا کی دولت تمہارے قدموں پر نچھاور ہوتی رہے گی۔

باپ کی بات درست ثابت ہوئی۔ جرمنی میں جن لوگوں نے اس کی موسیقی سے لطف اٹھایا وہ اس کی شہرت کا اشتہار بن گئے اور پھر بڑی جلدی ولف کی جرمنی، فرانس، انگلستان، اٹلی اور ہالینڈ کے بڑے بڑے تھیٹروں میں قدر افزائی ہونے لگی اور شاہی خانوادوں کے سامنے بھی ولف اپنے فن کا مظاہرہ کرنے گیا۔ سامعین جو اس کے کمال فن پر عش عش کرتے تھے۔اکثر اپنی نشستوں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔اور ولف کے نغمے سن کر مچلتے رہتے تھے۔

اب ولف گینگ کی بجائے وہ موزارٹ کے نام سے زیادہ مشہور ہوا۔ کسی بھی تھیٹر کے فنکاروں میں موزارٹ کا نام سن کر ٹوٹ پڑتے تھے۔اس کی موسیقی زندہ دلی کے ساتھ ایک نغمے سے دوسرے نغمے تک جھومتی جاتی تھی۔اور اس کی بنیاد ہمیشہ ایک فطری بے داغ اخلاقی اقدار پر استوار رہتی۔ اس کی موسیقی جتنی سماعت میں آسان ہوتی اتنی ہی شادکام بھی تھی۔اور اس سہل سماعت کا سبب محض اس کی موسیقی کی نغمگی ہی نہیں بلکہ اس کی ترتیب کی بنیاد اور معجزہ نما صحت ہے۔اور اس کی یہی خصوصیت ہمیشہ تمام موسیقاروں کے لئے باعث حیرت رہی۔

پادری شوپن اس کی موسیقی کی روح میں اس قدر ڈوبا رہتا تھا کہ اس نے مرتے وقت

Marfat.com

وصیت کی تھی کہ اسے موزارٹ کی دھنوں کی آواز میں دفن کیا جائے اور جب تم کبھی میری یاد مناؤ تو اس کی دھنیں ضرور بجائی جائیں۔

فن کی بلندیوں کو چھونے والا یہ موسیقار اس ذات کو بھول بیٹھا جس کے کرم سے یہ سب کچھ تھا۔ یہ بھول اس کی شہرت کی معراج کے زوال کا باعث بن گئی۔

موزارٹ سے ایک بار سوال کیا گیا۔ کہ تمہیں یہ شہرت کیسے ملی ہے؟

وہ کہنے لگا میں نے اس فن میں محنت کی ہے۔ یہ میری محنت کا ثمرہ ہے۔

پوچھا گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تمہاری اس محنت کے ساتھ ساتھ اللہ کی نظر کرم بھی آپ پر ہے۔ تو کیا یہ درست نہ ہوگا؟

اس نے کہا۔ یہ بات درست نہ ہوگی۔ کیونکہ خدا نے ایک بار بھی اپنی نظر کرم کا اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

کہنے والے نے کہا۔ گویا تم خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہو۔

اس نے کہا بس ایک موہوم تصور کی حد تک کبھی کبھی اقرار کر سکتا ہوں۔

کہا گیا برا وقت آنے سے ڈرو۔

موزارٹ کہنے لگا۔ جس طرح میں نے اچھا وقت لانے میں محنت کی ہے ویسے ہی میری کوتاہی کے باعث برا وقت آ سکے گا۔

گویا اس کے دل میں رعونت آ چکی تھی۔ اور مادیت پسند بن چکا تھا۔ اس کی روحانیت کی روح مردہ ہو چکی تھی یا مردہ ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس قدر ماہر فن موسیقی کے لئے چاہئے تھا کہ اسے موسیقی کے اس بلند ترین منصب پر فائز کیا جاتا جو اس کے شہنشاہ فرانسیس اول والی آسٹریا اسے بخش سکتا تھا۔ لیکن قدر افزائی کی بجائے شہنشاہ کی طرف سے وہ نظر انداز کیا گیا اور معتوب رہا۔ شہنشاہ کے بدطینت حواریوں نے اس کی شہہ پا کر اس بے اعتنائی پر یہ اضافہ کیا کہ موزارٹ کی توہین کرنے لگے۔ اس لئے کہ موزارٹ کی قدرتی صلاحیتوں اور خداداد جوہر نے اس وقت کے موسیقاروں میں اس کے خلاف حسد اور خوف پیدا کر دیا۔ حریف مغنیوں نے اس کے فن پاروں کو پیش نہ ہونے دیا۔ یا جب کبھی پیش کئے گئے تو سازندوں کو رشوت دی جاتی تھی کہ نغموں کا حلیہ بگاڑ دیں۔ یہ دوسرے دھن ساز بھی زمانہ کی ناقدری کا شکار تھے۔ جس کے سبب موزارٹ پر

Marfat.com

فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔

موزارٹ کے دوستوں نے اسے کہا کہ تم کسی صاحب ثروت کا سہارا لو۔اس کے ملازم ہو جاؤ اسے خوش کرو اور فاقوں کی زندگی سے بچو۔

دوستوں کی بات مانتے ہوئے اس نے آرچ بشپ آف سالزبرگ کے ہاں ملازمت اختیار کی مگر جب اسے کھانا دیا گیا تو باورچیوں کے ساتھ دیا گیا۔اس سلوک نے اسے ملازمت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

جب اس کے نام پر ویانا میں ایک پروڈیوسر نے تھیٹر بنایا تو اس کے افتتاح کے دن موزارٹ صاحب فراش تھا۔وہ دمہ کی تکلیف میں مبتلا تھا۔جس دن تھیٹر میں موزارٹ کی دھنیں بجائی جا رہی تھیں ادھر ان دھنوں کے خالق کی زندگی اس سے اپنا رشتہ توڑ رہی تھی۔

اف ادھر تھیٹر کا شو ختم ہوا ادھر موزارٹ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔موزارٹ کا جنازہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔اس کی دھنوں پر سر دھننے والے نہ جانے اب کس کی دھنوں پر جھوم رہے تھے۔چار مزدوروں نے موزارٹ کا جنازہ اٹھایا۔جب قبرستان کے قریب پہنچے تو طوفان باد و باراں نے آ گھیرا۔یہ مزدور موزارٹ کی لاش کو ایک ٹوٹی پھوٹی قبر میں پھینک کر آ گئے۔جو شہر کے کتوں کی خوراک بن گئی۔

شناسائے منزل

از ڈونلڈ کلارس پیٹی

مترجم: محمد حبیب اللہ اوج

انعام

ابوالقاسم حسن فردوسی ایران کا مشہور شاعر تھا۔بڑا نازک خیال، نازک مزاج اور انا پسند تھا۔ 940ء میں طوس کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوا۔بہترین شاعرانہ ذوق کا مالک تھا جو لکھتا اس پر عمل کرتا تھا۔اس کے نزدیک قلم کی زبان کی بات منہ کی زبان کی بات کی نسبت زیادہ پائیدار تھی کیونکہ قلم کی زبان کی بات بطور سند پیش کی جاتی ہے۔ازاں بعد اس نے یہ نظریہ بھی اپنایا کہ قلم

Marfat.com

کی زبان کی بات سے قبل انسان کی زبان کی بات ہوتی ہے تحریر میں یہی بات محفوظ ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ جو بات کرے اس پر قائم رہے۔ اس نے اس نظریئے پر عمل کیا اور دوسروں سے اس کی توقع رکھی۔

فردوسی کا ایک بیٹا تھا۔ اپنے باغ کی آمدنی اس کی تربیت پر خرچ کرتا رہا مگر وہ جوانی کے عالم میں فوت ہو گیا بیٹے کی موت کا صدمہ اس نے شدت سے محسوس کیا۔ دنیا کی ناپائیداری کے احساس نے اسے مفلوج سا کر دیا۔ وہ کسی بھی کام میں دلچسپی نہ لیتا تھا۔ تاہم بیٹی کی پیدائش نے اسے کچھ کرنے پر مجبور کیا۔ اسے اس کی اچھی تعلیم و تربیت اور شادی کے اخراجات کی فکر دامن گیر ہو گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس کا معاوضہ اتنا زیادہ ہو کہ آسانی کے ساتھ اس کی شادی کر سکے۔

اس نے شاہنامہ لکھنا شروع کیا اس میں پیش دادی، کیانی، اشکانی اور ساسانی خانوادوں کے حالات منظوم کرنے شروع کیے۔

وہ اس کے ابتدائی حصے سلطان محمود غزنوی کے دربار میں لے گیا سلطان محمود غزنوی نے اشعار سن کر خوب داد دی اور کہا کہ اسے مکمل کرو۔ میں تمہیں ایک شعر کے بدلے میں ایک اشرفی دوں گا۔

فردوسی خوش ہو گیا۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا کہ اب وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی خوب دھوم دھام سے کر سکے گا۔ وہ صرف 6 شعر روزانہ لکھتا اور پھر ان کی کانٹ چھانٹ میں لگا رہتا۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ اس کے اشعار میں کوئی بھی سقم نہ رہے۔ کوئی درباری شاعر اس کے کلام پر انگلی نہ رکھے۔

اس طرح وہ تیس سال تک اس کام میں لگا رہا۔ اس نے شاہنامہ کے 60 ہزار اشعار لکھے۔ اس کی پچاس فصلیں قائم کیں۔ جنگ و جدال کا ذکر کیا۔ حسن و عشق کی داستانیں بیان کیں۔ ایران کے تمدن و تہذیب اور معاشرت پر خوب روشنی ڈالی مثلاً بادشاہوں کے دربار کیونکر منعقد ہوتے تھے؟ عوام کے آداب بجالانے کے طریق کیا تھے؟ زمینداری کے قواعد کیا تھے؟ لگان کیسے متعین ہوتا تھا؟ تجارت کن لوگوں کے ہاتھ میں تھی؟ تعلیم کا طریقہ کیا تھا؟ کون لوگ اس سے بہرہ ور ہو سکتے تھے؟ شادی بیاہ کی رسوم کیا تھیں؟ شکار کے آداب کون سے تھے؟ محفلیں کیسے برپا ہوتی تھیں؟

Marfat.com

نامہ و پیام کے طور کیا تھے۔امراء اور عوام کے لباس کس نوعیت کے تھے؟اس کے علاوہ شاہنامہ میں عبرت انگیز نصیحتیں اور فلسفیانہ رموز بھی تھے۔

مگر جب یہ مثنوی تیار ہوئی تو فردوسی 70 سال کی عمر کا بوڑھا بابا ہو گیا تھا۔اس کی کمر جھک گئی تھی۔اس کی نظر کمزور ہو گئی تھی۔ بلکہ جس بیٹی کی شادی کا اہتمام اس کے معاوضے سے کرنا تھا وہ بھی شادی کی عمر سے نکل چکی تھی۔

تاہم وہ چہرے اور آنکھوں کی ایک چمک کے ساتھ یہ شاہنامہ لے کر سلطان محمود غزنوی کے دربار میں حاضر ہوا۔

بادشاہ نے بس ایک اچٹتی نگاہ سے کتاب کی ورق گردانی کی اور خزانچی سے کہا کہ انہیں 60 ہزار درہم ادا کر دیئے جائیں۔

فردوسی کے چہرے کی چمک مفقود ہو گئی۔وعدہ 60 ہزار اشرفی (سونے کا سکہ) اور ادائیگی 60 ہزار درہم (چاندی کا سکہ)؟ فردوسی ناراض ہو گیا۔اس نے یہ رقم پکڑی اور سلام کئے بغیر دربار سے نکل آیا۔حمام میں غسل کیا پھر حمام کے دروازے میں کھڑے ہو کر ساری رقم حمامی اور عطار اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی اور افسردگی کے ساتھ غزنی سے نکل گیا۔اس کی جیب میں زادراہ کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔وہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتا طوس میں پہنچا۔

اب اس نے بادشاہ کی ہجو لکھی اور بادشاہ کو بھیج دی۔بادشاہ کو ایفائے عہد میں کوتاہی پر افسوس ہوا۔اور پھر اس نے وزیر حسن مہندی کے ایما پر 60 ہزار اشرفیاں قاصد کے ہاتھ بھیجیں۔لیکن افسوس جونہی فردوسی کا انعام شہر کے دروازے تک پہنچا فردوسی کا جنازہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔لوگ بھاگ بھاگ کر اس کے جنازے میں شرکت کر رہے تھے۔

بادشاہ کے قاصد نے پوچھا یہ کس عظیم ہستی کا جنازہ ہے لوگوں نے کہا۔قلم کے بادشاہ اور فن کے خوددار شہنشاہ فردوسی کا جنازہ ہے۔جو سلطان محمود غزنوی کی وعدہ خلافی سے موت کی آغوش میں چلا گیا۔

یہ قاصد فردوسی کی بیٹی کے ہاں پہنچا اور 60 ہزار اشرفی کا انعام بادشاہ کی طرف سے پیش کیا۔

بیٹی کے جذبات بے قابو ہو گئے۔اس نے اس انعام کو لینے سے انکار کر دیا۔کہا اب ہم نے

Marfat.com

اس انعام کو کیا کرنا ہے۔اب نہ میرا باپ واپس آئے گا۔نہ اس کی بیٹی کی جوانی اور بیٹی روتے روتے بے ہوش ہوگئی۔

تاریخ ہندوستان

از مارسڈن

فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا

دولت کے انبار

سلطان محمود غزنوی 997ء میں تخت پر بیٹھا اس وقت اس کی عمر 30 سال کی تھی۔ چار سال تک ملک کے بندوبست میں مصروف رہا۔ 1001ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہو کر 12 دفعہ ہندوستان میں آیا اور سترہ معرکوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

سومنات کی فتح اس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔وہاں ایک بت 100 فٹ اونچا تھا۔جب اس بت کو توڑنے کا ارادہ کیا تو تمام راجے اس کے آگے سرنگوں ہو گئے اور کہا کہ اسے نہ توڑیں اس کے بدلے میں ہم کروڑوں روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اس پر بادشاہ نے امراء وزرا سے مشورہ کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ بت توڑ کے کیا لینا ہے۔رقم قبول کر لی جائے۔

ایاز سے پوچھا کہ اے ایاز اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟

ایاز نے عرض کیا۔بت کی قیمت وصول کرنے کی بجائے اسے توڑ دیا جائے۔پہلی صورت میں بت فروشی اور بت پرستی ہوگی۔اور دوسری صورت میں توحید کی تبلیغ اور اشاعت کا اظہار ہوگا۔

بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا۔اور آگے بڑھا اور بت کو پاش پاش کر دیا۔

بت کے اندر سے اس قدر جواہرات نکلے جو راجوں کی پیش کردہ رقم سے کئی گنا زیادہ قیمت کے تھے۔

سلطان محمود نے ان حملوں سے بہت دولت اکٹھی کی مگر جب اس کی عمر 65 سال کی ہوئی تو موت کا فرشتہ دکھائی دیا۔اس نے خدام کو حکم دیا کہ میرے دائیں بائیں آمنے سامنے جس قدر جواہرات رکھ سکتے ہو رکھو۔

Marfat.com

فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ان جواہرات کی مالیت اربوں روپیہ تھی۔

سلطان محمود جواہرات کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں یا آنسو تھے یا حسرت۔ان جواہرات کو آنکھوں کے سامنے رکھنے سے اس کا کیا مقصد تھا۔اس کا جواب دینے میں اس کی زبان بالکل بند تھی۔وہ یا تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ ساری دولت بے کار اور بے حقیقت ہے۔یا یہ کہنا چاہتا تھا کہ کاش یہ ساری دولت دے کر میری زندگی میرے پاس رہے۔یا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں نے دولت تو اکٹھی کی مگر آخرت کا سامان نہ کر سکا۔بس کھلی آنکھیں رکھے سلطان محمود مر گیا۔

تحقیقات چشتی

ازنور احمد چشتی

عصاء

نصیرالدین ہمایوں نے 15 سال کی جلاوطنی کے بعد اپنی تقدیر کو پھر آزمانا چاہا۔اس وقت ہمایوں نے ایران کے حکمران شاہ طہماسپ کی مدد سے قندھار، غزنی اور کابل کو پھر فتح کر لیا ہوا تھا۔کابل میں کامران، غزنی میں ہندال اور قندھار میں عسکری حکمران تھے جو ہمایوں کے بھائی تھے۔

کابل کی فتح کے دوران میں چونکہ ہمایوں کا بیٹا اکبر کامران کے پاس تھا جسے ہمایوں ایران جاتے ہوئے مجبوراً چھوڑ گیا تھا۔جو ابھی بچہ تھا۔کامران نے اسے قلعے کی دیوار پر بٹھا دیا تا کہ ہمایوں قلعہ پر گولہ باری نہ کر سکے۔

اب اکبر کی موت یقینی تھی۔وہ گولہ باری سے بھی مر سکتا تھا اور کامران غصے میں آ کر اس کا گلا بھی دبا سکتا تھا۔مگر چونکہ اس نے ابھی زندہ رہنا تھا اس کی موت کو اجازت نہ ملی کہ وہ اکبر کا بال بیکا کر سکے۔

باپ کے گولے بیٹے اکبر کے دائیں بائیں اور اوپر سے گزرتے رہے۔گولوں کی آواز سے اکبر کے کان پھٹتے رہے مگر وہ اس گولہ باری کو ایک کھیل سمجھ کر دیکھتا رہا۔ادھر کامران کو تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔وہ خود گولیوں کی زد میں آنا نہیں چاہتا تھا۔لہٰذا جسے بچنا تھا وہ بچ گیا اور جسے مرنا تھا وہ مر گیا۔

Marfat.com

کابل فتح ہوگیا اور باپ نے آگے بڑھ کر بیٹے کا منہ چوم لیا۔

اب ہمایوں سوری خاندان کے شاہی افراد سے لڑتا بھڑتا لاہور تک آ گیا۔ پھر آگے بڑھا تو سکندر سوری نے ستلج کے ساحل کے پاس ماچھی دائرہ کے مقام پر مزاحمت کی مگر میدان ہمایوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس طرح ہمایوں دہلی اور آگرہ پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

ہمایوں کی سابقہ حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی وہ انہیں متحد کرنا چاہتا تھا۔ بنگال کو واپس لینے پر اس کی نگاہ تھی۔ مالوہ اور گجرات کی خودمختاری کو ختم کرنا تھا۔ ہمیو بقال اس کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔

ہمایوں کی عمر صرف 48 سال کی تھی۔ اس عمر میں بڑھاپے کا آغاز تو ہے مگر جوانی کا دم خم پھر بھی جوان ہوتا ہے۔ وہ جو سوچتا ہے کر گزرتا ہے۔ مگر ہمایوں کی زندگی کے نشیب و فراز نے جلدی اس کے ہاتھ میں عصا پکڑا دیا۔ وہ عصا کے سہارے چلنے لگا۔ اور ساتھ ساتھ افیون بھی کھانے لگا۔ جس کے سبب سے کاہل اور ضعیف العقل ہوگیا۔

ہمایوں ابھی تخت دہلی پر پوری طرح قدم نہ جما پایا تھا کہ قضا کا فرشتہ اس کے جسم و جان میں فاصلے پیدا کرنے کی فکر میں لگ گیا۔

ہمایوں کا کتب خانہ بالائی منزل میں تھا۔ اسے کتب بینی کا شوق شروع سے اخیر عمر تک رہا۔ وہ روزانہ مطالعہ کیا کرتا تھا۔ 17 جنوری 1556ء کو وہ عصر سے شام تک مطالعہ میں مگن رہا۔ کہ اچانک مغرب کی اذان ہونے لگی۔ وہ نماز کی ادائیگی کے لئے جلدی سے اٹھا عصا ہاتھ میں لیا۔ اور سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ مگر عصا پھسل گیا۔ عصا پھسلا تو ہمایوں بھی سر کے بل گر گیا۔ پھر سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا نیچے آ گیا۔ اور بری طرح زخمی ہوگیا۔

سر کی چوٹ اس قدر شدید تھی کہ ایک ہفتہ تک بیہوشی کی آغوش میں لیٹا رہا۔ شاہی طبیبوں کے علاج معالجے اور دوائیاں بیکار ثابت ہوئیں اور پھر 24 جنوری 1556ء کو موت نے اس کی زندگی کے سارے سانس چھین لئے۔

انا للّٰہِ وانا الیہ راجعون

ہمایوں کا مقبرہ دہلی میں ہے۔ اس کے گنبد کی خصوصیت سے متاثر ہو کر انگریز انجینئر لسٹن نے نئی دہلی میں قصر وائسرائے کا گنبد اسی طرز کا بنایا۔ اس طرز کے گنبد کو زلزلے سے نقصان نہیں

Marfat.com

پہنچتا۔

کریسنٹ تاریخ ہندوستان و پاکستان
از مستنصر باللہ ایم اے
فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا

کھری کھری باتیں

اکبر بادشاہ کے دور میں تھانیسر کے حاکم اور امیر حضرت شیخ سلطان بڑے جید عالم تھے۔ عربی اور فارسی لغت پر انہیں مکمل گرفت تھی۔ جن دنوں اکبر اپنے دین الٰہی کے نفاذ کے بارے میں سوچ رہا تھا تو اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ اس دین کے لئے ایک کتاب بھی چاہئے۔ چنانچہ ایسی کتاب کی تالیف و ترتیب کے لئے جن علماء کے نام اس کے ذہن میں آئے ان میں یہ حضرت بھی شامل تھے۔

اکبر نے اپنے دربار میں انہیں بلایا اور کہا کہ اے شیخ! ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید ایک کتاب ہے ایسی ہی کتاب آپ ہمیں لکھ کر دیں۔ جس میں اکبری دین الٰہی کی وضاحت بھی ہو۔ تحفظ بھی ہو اور ان مسائل کا ذکر بھی ہو جو ہمارے دین الٰہی کا حصہ ہیں۔ شیخ سلطان ایک عالم دین بزرگ تھے۔ وہ تو اکبر کی غیر اسلامی باتوں سے پہلے ہی نفرت کرتے تھے۔ وہ بھلا ایسا کام کرنے کا وعدہ کیونکر کرتے۔ فرمایا

اکبر کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ جب قرآن نے عرب کے فصحا کو چیلنج کیا کہ اس قرآن جیسی ایک سورت یا ایک آیت ہی لا کر دکھاؤ۔ تو کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ ایسا کر سکے۔ میں تو ویسے ہی عجمی ہوں میں بھلا قرآن مجید کے مقابلے میں دوسری کتاب کیسے لا سکتا ہوں۔ یہ کام آپ کسی اپنے درباری مولوی سے کروائیں۔ آپ دربار سے واپس آ گئے اور یوں 12 سال کا عرصہ بیت گیا۔

حضرت شیخ سلطان وہی عالم دین اور اللہ والے بزرگ ہیں جن کو خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی کی شادی شیخ احمد (حضرت مجدد الف ثانی) سے کر دو۔ آپ نے اس مناکحت سے انکار نہیں کیا۔ اور اتفاق سے حضرت مجدد پاک بھی

Marfat.com

ان دنوں اپنے والد ماجد کے ہمراہ آگرہ سے سرہند شریف کو جارہے تھے۔ان کا قیام چند دن تک تھانیسر میں رہا۔آپ کی عمر اس وقت 25 سال کی تھی۔اٹھتی جوانی اور خوبصورت چہرہ شیخ سلطان کو نہایت پسند آیا۔وہی آثار ان میں موجود تھے جن کا اشارہ خواب میں ہوا تھا۔یہ شادی بڑی عجلت سے تکمیل کو پہنچی۔پھر حضرت مجدد اپنی بیوی کو لے کر سرہند شریف میں تشریف لے گئے۔

انہیں دنوں ہندوؤں نے اکبر سے شکایت کی کہ شیخ سلطان گائے کی قربانی کرتے ہیں۔ بادشاہ تو ان سے پہلے ہی ناراض تھا۔اس نے انہیں بھکر کی جانب جلاوطن کر دیا لیکن کچھ عرصے کے بعد خانخاناں کی سفارش سے دوبارہ تھانیسر واپس بلا لئے گئے۔

ایک بار اکبر بادشاہ لاہور سے واپس آرہا تھا اور رستے میں تھانیسر تھا۔اس نے وہاں کچھ دن تک پڑاؤ کیا۔تھانیسر کے امرا آ آ کر اس سے ملتے رہے۔مگر حضرت شیخ سلطان نہیں گئے۔ اس غیر حاضری نے اکبر کے غصے میں اور اضافہ کیا۔اب اکبر نے انہیں بلا بھیجا۔آپ بادل نخواستہ تشریف لے گئے۔

بادشاہ تو انہیں سزا دینا چاہتا تھا۔کہا۔

سلطان! ہم نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ تم ہمارے لئے ایک قرآن لکھو۔مگر 12 سال گزر گئے ہیں آپ نے ابھی اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔

سلطان نے کہا بادشاہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ پر قرآن 23 سال میں نازل ہوا ہے اور جبریل کی مدد سے نازل ہوا ہے۔میرے پاس تو جبریل ابھی ایک بار بھی نہیں آیا۔میں کیسے قرآن لکھنے کا آغاز کروں آپ بادشاہ ہیں جبریل سے کہیں وہ آپ کے لئے قرآن جلدی جلدی لائیں پھر میں حکم کی تعمیل میں قطعاً دیر نہیں کروں گا۔

بادشاہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔اسے شرمندگی ہوئی مگر.....خوئے بدرا بہانہ بسیار

بادشاہ نے کہا۔ہاں مجھے یاد آیا۔آپ نے 12 سال سے سرکاری خزانے میں ایک پیسہ تک جمع نہیں کروایا۔مجھے وضاحت چاہئے کہ 12 سال کا خراج کدھر گیا۔

سلطان نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ چونکہ آپ مذہب سے پھر کر مرتد ہو گئے ہیں لہٰذا مرتد کا مال عالموں، فقیروں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دینا جائز ہے اس لئے میں نے 12 سال کے لگان اور مالئے کی رقم مسکینوں اور فقیروں میں تقسیم کر دی ہے۔

Marfat.com

یہ جواب سن کر اکبر کا پارہ اور چڑھ گیا۔ وہ کوئی تادیبی حکم دینے والا تھا کہ شیخ سلطان نے ایک پتھر اٹھایا اور تڑاخ سے اکبر کے منہ پر دے مارا۔ جس سے اس کی پیشانی لہولہان ہوگئی۔

بادشاہ نے کہا شاید یہ شخص پاگل ہے۔ اب تو یہ تخت تھانیسر کے لائق بھی نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی رہنے کا اسے حق نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں میں پاگل ہوں۔ مگر آپ جیسا پاگل نہیں ہوں۔ مجھ میں پھر بھی اس قدر عقل ہے کہ حق اور باطل بات میں تمیز کر سکتا ہوں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ سلطان کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔

فوراً اس حکم پر عمل ہوا اور اس نذر عالم دین ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے سسر محترم کو پھانسی دیدی گئی۔ آپ نے کلمہ پڑھتے ہوئے موت قبول کر لی۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

کوئی احتجاج نہیں کیا کوئی معافی نہیں مانگی۔ جب آپ کو پھانسی کے تختہ سے اتارا گیا تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹیں ہویدا تھیں۔

شیخ سرہند

جمیل اطہر سرہندی

تمنائے شہادت

اورنگ زیب عالمگیر نے لاہور میں ایک عظیم الشان مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا۔ تاکہ اسلامی عظمت کا نشان صدیوں تک اہل اسلام کو دعوت عمل دیتا رہے۔ مسجد بن گئی پھر ایک طویل عرصے تک یہ بات وثوق سے کہی جاتی رہی کہ یہ مسجد کعبۃ اللہ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

یہ مسجد 1084ھ میں مکمل ہوئی اور فدائی خان کوکہ نے اس کی تعمیر میں نگران کی حیثیت سے کام کیا۔ اس زمانے میں اس پر 6 لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ مسجد کی عمارت مغل فن تعمیر کا شاہکار بنی۔ جس کا اظہار اس کے دیوار و در سے عیاں تھا۔ اس کی مثال ملنا بڑی مشکل تھی۔

مسجد کی عظمت اور تقدس کے باعث اس کے لئے جس امام و خطیب کا انتخاب کیا گیا ہمیشہ جید عالم دین اور سنی مکتبہ فکر کے شخص کا کیا گیا۔

Marfat.com

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا محمد معظم بہادر شاہ اول کے لقب سے جب تخت دہلی پر بیٹھا تو اس وقت اس مسجد کے خطیب حضرت مولانا حاجی یار محمد رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ وہ اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔

چونکہ اس بادشاہ کا رجحان شیعیت کی طرف زیادہ تھا وہ شیعیت کی ترویج کرنا چاہتا تھا۔ اس نے 1121ھ میں حکم دیا کہ تمام مساجد میں امامیہ علماء کی طرح خطبے میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے الفاظ شامل کئے جائیں۔ اس حکم کے خلاف سارے ملک میں شدید ردعمل ہوا۔ لاہور کے عوام بھی اس معاملے میں پیچھے نہ تھے۔

1122ھ میں بہادر شاہ لاہور میں آیا تو اس نے مولانا یار محمد رحمتہ اللہ علیہ صاحب خطیب مسجد، مولانا محمد مراد اور چند دیگر علماء کو قلعہ میں طلب کیا اور حکم دیا کہ اس کے احکام پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔

اتفاق سے ان علماء کی صف میں سب سے پہلے شخص مولانا یار محمد رحمتہ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ انہیں اس سوال کا جواب سب سے پہلے دینا پڑا۔ فرمایا ایسا کرنا ہمارے عقیدے کے خلاف ہے۔

پوچھا گیا کیا یہ مسجد بادشاہ کے زیر انتظام نہیں ہے؟

فرمایا۔ ہاں۔ ہے۔

بادشاہ نے کہا تو آپ کو بادشاہ کا حکم بھی ماننا ہوگا۔

فرمایا۔ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں یہاں اللہ کے احکام کے مطابق عبادت ہوگی۔

بادشاہ کو طیش آ گیا۔ کہنے لگا مولانا جانتے ہو بادشاہ کا ڈنڈا شاہی احکام منوانے کی قوت رکھتا ہے۔

فرمایا۔ ہاں میں مانتا ہوں۔ مگر میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے چار چیزوں کی دعا کرتا ہوں۔

1۔ وہ مجھے علم کی دولت دے۔

2۔ وہ مجھے قرآن مجید حفظ کرنے کی توفیق دے۔

3۔ روضہ رسول ﷺ کے گنبد خضریٰ کی زیارت سے میری آنکھیں ٹھنڈی کرے۔

4۔ مجھے شہادت کی موت دے۔

اللہ کی مہربانی سے میری تین شرطیں پوری ہو چکی ہیں۔ فقط شہادت کی تمنا باقی ہے۔ اگر

Marfat.com

آپ کے ہاتھوں وہ بھی پوری ہو جائے تو زہے نصیب۔

مولانا یار محمد رحمتہ اللہ علیہ نے یہ سب باتیں بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیں اور کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

بادشاہ کو آپ کی یہ حق گوئی پسند نہ آئی اس کی آنکھیں آگ برسانے لگیں۔اس کے منہ سے کف ابلنے لگا۔اس نے حکم دیا انہیں گرفتار کر کے آگرہ بھیج دیا جائے۔اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

اب مسجد میں شہزادہ عظیم الشان کے ساتھ ایک خطیب کو یکم رمضان 1123ھ میں بھیجا گیا۔ اس خطیب کو خاص ہدایت تھی کہ وہ حنفی مسلک کے خلاف تقریر کرے گا اور خطبہ دے گا۔

خطیب صاحب فاخرانہ لباس پہنے بڑے طمطراق کے ساتھ منبر پر بیٹھے اور تقریر شروع کی۔ تمام سامعین کے کان اس کی تقریر پر لگ گئے۔مگر جونہی اس نے خلاف مسلک بات کا آغاز کیا۔ ایک نوجوان اٹھا اور باز کی طرح اس پر جھپٹا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔محراب و منبر خون آلود ہو گئے۔

علاوہ ازیں دیگر مساجد کے جن خطبا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حنفی مسلک کے خلاف خطبہ دیں گے وہ بھی سہم گئے۔اگر چہ اسلام خان نے سطح پولیس کی مدد سے ان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا تھا مگر ان کے ایمان کی بیداری نے انہیں وہ کچھ نہ کہنے دیا جس کا وہ وعدہ کر چکے تھے۔وہ مجبور ہو گئے کہ وہ مسلک حنفی کے مطابق خطبہ دیں گے۔لہٰذا کسی نے بھی 22/اکتوبر 1711ء کے جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ نہ کہا بلکہ وہی خطبہ پڑھا۔جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں پڑھا جاتا تھا۔

اس دن سات جید علماء گرفتار کر لئے گئے۔انہیں زدوکوب کیا گیا اور گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔جس سے لاہور میں سخت مزاحمت ہوئی۔آخر تنگ آ کر بہادر شاہ بادشاہ نے اس خطبہ کی اجازت دیدی جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں پڑھا جاتا تھا۔مگر اف اس سے قبل حضرت مولانا حاجی یار محمد رحمتہ اللہ علیہ جیل میں تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔انہیں گرم سلاخوں سے داغا گیا۔ تاہم وہ مسلک حنفی پر قائم رہے۔آخر ان کی وفات ہو گئی۔

نوٹ: یکم رمضان 1123ھ بمطابق 2/اکتوبر 1711ء کو جمعہ نہ تھا بلکہ منگل تھا۔اس

Marfat.com

اعتبار سے 22/ اکتوبر 1711ء کو بھی جمعہ نہ ہوگا بلکہ پیر ہوگا۔ لہٰذا جس جمعہ کا یہ واقعہ ہے وہ 26/ اکتوبر 1711ء کا جمعہ ہے۔ اس تاریخ کو رمضان 1123ھ کی 25 تاریخ ہوگی۔

تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

خطاب

ایک بار احمد شاہ ابدالی نے لاہور میں چند دن قیام کیا جمعہ کے دن اس نے وزیر خان کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ مزید یہ کہ لاہور کے جید علما اور خطبا سے التماس کی کہ وہ بھی اس مسجد میں آ کر اس کے ساتھ نماز جمعہ ادا کریں۔

یہ التماس اس نے کیوں کی یہ اس کا دل جانتا ہے۔ آیا وہ کچھ مراعات دینا چاہتا تھا۔ یا ان کی زبان سے اپنی کوئی تعریف سننا چاہتا تھا۔ یا ملکی انتظام و استحکام کے لئے دعا کروانا چاہتا تھا اور یا ان کے کسی مطالبہ کی وضاحت کہنا یا سننا چاہتا تھا۔

وزیر خان کی مسجد کے خطیب حضرت مولانا محمد صدیق لاہوری تھے۔ جبکہ ان کے استاد حضرت مولانا شہریار مسجد چینیانوالی کے خطیب تھے۔ آپ بھی تشریف لائے۔ جب آپ آئے تو سامعین سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس قدر زیادہ لوگوں کی آمد کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جب دوسری مساجد کے خطبا آئے تھے تو ان مساجد کے مقتدی بھی ادھر آ گئے تھے۔ دوسرے یہ کہ احمد شاہ ابدالی کی آمد کی وجہ سے وہ لوگ بھی آ گئے تھے جو اسے محض دیکھنا چاہتے تھے۔

بہر حال جب استاد مولانا حضرت شہریار آئے تو لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ آپ جلدی سے جہاں انہیں جگہ ملی بیٹھ گئے تا کہ مولانا محمد صدیق لاہوری کے وعظ میں خلل نہ پڑے۔

بیان جاری رہا مولانا بڑے اچھے پیرائے میں اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی باتیں بیان فرما رہے تھے۔ اور بعض نقاط پر احمد شاہ ابدالی کی توجہ مبذول کرنے کے لئے ان کے نام کے ساتھ سلطان عادل کا اضافہ کر دیا۔

جب نماز بڑے سکون کے ساتھ پڑھ لی گئی تو حضرت مولانا شہریار منبر کے پاس پہنچے اور اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد صدیق لاہوری سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بیٹا! تم اچھی طرح

Marfat.com

جانتے ہو کہ وہ کون سا ظلم ہے جو اہل لاہور نے پٹھانوں کے ہاتھوں نہیں اٹھایا۔ ان لوگوں نے جبر و تشدد کی انتہا کر دی۔ کئی مرتبہ شاہ (احمد شاہ ابدالی) سے فریاد کی مگر اس نے کوئی تدارک نہ کیا۔ ایسے بادشاہ کو سلطان عادل کہنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

گویا کہ استاد نے اپنے شاگرد کی اصلاح فرمائی کہ حق کہنے میں خوف نہیں کھانا چاہئے۔ اگر خطیب منبر ایسے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملائیں گے تو وہ راہ راست پر نہیں آ سکیں گے۔

بہر حال مولانا کی یہ بات سن کر اعیان سلطنت اور پاس کھڑے لوگ تھرا گئے۔ چونکہ حضرت کی یہ بات احمد شاہ کی طبع نازک پر گراں گزر رہی تھی وہ کھڑا ہو گیا اور آپ کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ مگر آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

احمد شاہ ابدالی آپ کی عظمت اور آپ کے علمی مقام سے واقف تھا۔ کہنے لگا۔ حضرت صاحب ہوش کے ناخن لیں آپ جس کے بارے میں بات کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔

ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ احمد شاہ ابدالی ہیں۔ وہ احمد شاہ ابدالی جسے ظلم کرنا تو آتا ہے مگر مظلوم کی داستان ظلم سننا نہیں آتا۔ اور نہ ہی آپ کی رعایا پر جو ظلم کرے اسے روکنے ٹوکنے کا حوصلہ ہے۔

بادشاہ کو اور طیش آ گیا کہنے لگا۔

آپ جو باتیں کہہ رہے ہیں ان کا انجام آپ جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا ہاں! میں جانتا ہوں۔ شہادت یا جلاوطنی مگر میں دونوں کے لئے تیار ہوں۔

احمد شاہ ابدالی نے اسی وقت جلاوطنی کا حکم دیدیا۔ مولانا شہریار ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور چلے گئے۔ مگر موت کا فرشتہ آپ کے پیچھے رہا۔ آپ پر بے روزگاری مسلط ہو گئی۔ فاقے آنے لگے۔ مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا اور نہ ہی اس شاگرد نے کوئی مالی رعایت کی جس کے سلطان عادل کہنے کی بنا پر آپ ان شدائد میں جکڑے گئے۔

آخر کیا ہوا رات کو سوئے اور ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور

از پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

Marfat.com

دولہا

پاکستان بنا تو مہاجرین کے قافلے پاکستان میں آنے لگے۔ان قافلوں میں ایک بڑھیا بھی لاٹھی ٹیکتی ہوئی آئی اور مہاجرین کے کیمپ میں ٹھہری کیمپ میں سب طرح کے لوگ آتے تھے۔ کچھ اپنے مہاجر عزیزوں کو تلاش کرنے، کچھ ان کی مدد کرنے کے لئے۔ کچھ ایسے بھی جو بے اولاد تھے اور بے سہارا بچوں کو گود میں اپنانے کے لئے۔ اور اخباری رپورٹر تو اکثر آتے تھے۔ جوان لوگوں کے حالات سن سن کر جمع کرتے۔

ایک اخباری رپورٹر اس بڑھیا کے پاس پہنچا تو اسے حیرانی ہوئی کہ بڑھیا کے چہرے کی ایک ایک جھری میں زمانے کی زیادتی اور جور وستم کی داستان محفوظ تھی۔ بوڑھے چہرے پر حسن وزیبائی کے اجڑے ہوئے خدوخال تھے۔

رپورٹر نے اس بوڑھی اماں کو سلام کیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ ایک اخباری رپورٹر ہے۔ وہ اپنے شوق سے آپ جیسے دکھی لوگوں کے حالات جمع کرنے کو آیا ہے۔ کیا آپ مجھے اپنی داستان حیات کی کوئی بات سنا سکیں گی۔

بڑھیا نے کہا بیٹا! اس سے تمہیں یا مجھے کیا فائدہ پہنچے گا۔

رپورٹر نے کہا۔ ہم آپ کے حالات اخبار میں دیں گے جنہیں پڑھ کر شائد کوئی رحمدل آپ کی مدد کو آجائے۔

بڑھیا نے کہا بیٹا! جن کے سامنے ہم زمانے کی سختیوں کا تختہ مشق بنے وہ کچھ نہ کر سکے تو ان لوگوں میں رحم کا جذبہ کیسے بیدار ہوگا۔

رپورٹر نے کہا۔ آپ بجا فرماتی ہیں۔ لیکن دنیا اچھے لوگوں سے خالی تو نہیں ہوگئی۔

پھر رپورٹر نے انگوروں کا ایک گچھا بڑی بی کے آگے رکھ دیا۔ کہا۔ ماں جی اسے قبول فرمائیں۔

بڑھیا نے انگور قبول کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور کہا۔

دیکھو بیٹا! میں امجدی بیگم سے امجدی بوا بنی ہوں۔ میں چار بھائیوں کی بڑی بہن تھی۔ مگر چاروں بھائی بچپن میں ہی باری باری مر گئے۔ پھر والد کو فالج ہوگیا۔ گھر کی ہر ایک چیز اس کے

Marfat.com

علاج میں اٹھ گئی۔ مگر وہ صحت یاب نہ ہوئے۔ اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میں اور میری والدہ زمانے کے ستم سہنے کو رہ گئے۔ میری والدہ نے لوگوں کے گھروں میں جا کر کام کیا اور مجھے پالا۔ اور جوان کیا۔ اللہ نے مجھے اچھی صورت عطا کی تھی۔ موٹی آنکھیں۔ ستواں ناک میرے گورے رنگ پر بڑی بھلی لگتی تھی۔

میری والدہ نے مجھے گھر میں بند کر کے رکھا۔ مگر میں تو پھول تھی میری خوشبو دور تک پھیل گئی۔ اور میں کئی خاندانوں کی پسند بن گئی۔ مگر ان خاندانوں کے سب لڑکے لوفر اور لفنگے تھے۔ میری ماں نہیں چاہتی تھی کہ میری شادی کسی بداخلاق لڑکے سے کر دے لہٰذا وہ ہر ایسے لڑکوں کے خاندان کو ٹھکراتی رہی۔ پھر ایسے بداخلاق لڑکوں کی طرف سے ہمیں دھمکیاں بھی ملنے لگیں۔

آخر ایک بااخلاق نوجوان جو امیر زادہ بھی تھا۔ علم کے زیور سے بھی آراستہ تھا۔ اور حسن و خوبی میں بھی یکتا تھا۔ اسے خیال آیا کہ ایسے نایاب ہیرے کی قدر ان لفنگوں سے کیا ہو سکے گی۔ اور پھر ان کی دھمکیاں اور ان کے گندے ارادے کوئی تہمت لگانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس پری پیکر کا رشتہ میرا انتخاب بننا چاہئے۔ اس نے والدین سے بات کی۔ مگر والدین نے یہ رشتہ لینے سے انکار کر دیا۔ کہا۔ بیٹا آپ ہمارے اکلوتے بیٹے ہیں ہم آپ کی شادی کسی اونچے گھر میں کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ تو بالکل غریب ہیں وہ ہماری قدر نہ کر سکیں گے۔ اور نہ ہی معیار کے مطابق ان سے ہماری کوئی خدمت ہو سکے گی۔

مگر لڑکا چونکہ میرے حسن پر فریفتہ ہو چکا تھا اس نے والدین کو رضامند کر لیا۔ اور میرا رشتہ اس سے طے پا گیا۔ میں بھی خوش تھی میری والدہ بھی خوش تھی کہ اس کی بچی ایک کھاتے پیتے گھر کی بہو بن رہی ہے۔ والدہ شادی میں دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس نے شروع سے کہہ دیا تھا کہ ہم غریب لوگ ہیں نہ ہم جہیز دے سکتے ہیں نہ برات کو کھانا۔ بس آپ چند افراد آئیں۔ نکاح پڑھوا کر بچی کو لے جائیں۔ اپنے گھر میں آپ جو چاہیں کریں۔

چنانچہ رشتہ طے پانے کے بعد ایک مہینے کے اندر شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

شادی والے دن برات آئی محلے کے چند لوگوں نے برات کا استقبال کیا۔ 7 بجے برات کا استقبال ہوا تھا 8 بجے نکاح ہو گیا۔ پھر جلدی سے رخصتی کا انتظام کر دیا گیا۔

دولہا آرسی مصحف کے لئے گھر میں آیا۔ میں نے آئینے میں اسے ایک جھلک دیکھا۔ میرا

Marfat.com

دل بلیوں اچھلنے لگا کہ اللہ نے میری قسمت کو کس قدر رضیا بخشی ہے۔ میری سہیلیاں اسے دیکھیں گی تو بھی جلتی رہ جائیں گی۔ میرے تو انگ انگ میں اٹھکیلیاں بس گئیں۔

مگر یہ تفاخر شائد خدا کو پسند نہ آیا یا میرے دولہا کو میری نظر لگ گئی..... ہم چونکہ غریب تھے مسند اور گاؤ تکیہ محلے سے مانگ کر لائے تھے۔ دولہا میاں بیٹھے تھے۔ اس کی بہنیں اس پر چادر دو پٹہ تانے ہوئے تھیں کہ اچانک گاؤ تکیہ میں سے ایک سانپ نکلا اور دولہا کی ران پر کاٹ کھایا۔

دولہا کو اسی وقت مرد آ کر باہر لے گئے عورتوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ وہ چیختی ہوئی ایک دوسری پر گرنے لگیں۔ میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ میں نے تو بس ایک شور سنا۔ دولہا والیوں نے مجھے مار مار کر ادھموا کر دیا۔ کلموہی کہا۔ سبز قدم کہا۔ منحوس کہا۔ جو جس کے جی میں آیا کہا۔ اماں کی یہ حالت تھی کہ بید کی طرح کھڑی کانپ رہی تھی۔ چٹکیاں لے لے کر میرا بدن نیلا کر دیا تھا۔ زیور نوچ نوچ کر پہلے ہی اتار لیا تھا۔

پھر برات گاہ میں رونا پیٹنا شروع ہو گیا۔ پتہ چلا کہ دولہا میاں مر گئے ہیں۔ اس کے مرنے کی خبر سن کر کپڑے اتار کر پھٹے پرانے کپڑے پہنا دیئے۔

دولہا تو مر گئے مگر میں سب کے لئے منحوس بن گئی لوگ میرے سائے سے بھی بچ کر گزرتے تھے۔ میں نے لوٹا مصلیٰ سنبھال لیا ہر عبادت کے بعد اس کی بخشش کی دعا مانگ رہی ہوں۔ وہ تو شہید تھا یقیناً اس کی بخشش ہو جائے گی۔ مگر کیا میں خود بھی بخشی جاؤں گی۔ میں ہی تو اس کی موت کا باعث بنی ہوں۔

ہالہ ازاے آر خاتون

عیش کوشی

غیاث الدین بلبن کا پوتا اور بغراں کا بیٹا کیقباد جو کہ ناصر الدین محمود کا نواسہ تھا۔ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد امیروں اور ارا کین سلطنت نے آپس میں مشورہ کر کے معز الدین کا خطاب دے کر بلبن کا جانشین بنا دیا۔

تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف 18 سال کی تھی۔ اس نے بڑی موزوں طبیعت پائی تھی۔ خدا نے اسے اچھی اور دلکش صورت بھی دی تھی۔ پیدائش سے لے کر تخت نشینی تک کیقباد کی

Marfat.com

پرورش بلبن کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس کا سارا وقت تحصیل علم میں گزرتا تھا۔ نیک طینت اور با اخلاق استادوں اور اچھی عادتیں رکھنے والوں کے ساتھ اس کا وقت گزرتا تھا اور یہ لوگ ہر وقت کیقباد کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔ مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ بیکار وقت گزارنے کے لئے اسے ایک لمحہ بھی نہ ملتا تھا۔

جب قسمت نے کیقباد کو شہزادگی سے فرمانروائی کے درجے تک پہنچا دیا تو وہ نگرانی کی ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ اب اس نے ہر طرح کی آزادی سے لطف اٹھانے کا تہیہ کرلیا۔ وہ بڑی فراخ دلی سے عیش کوشی اور نفس پرستی میں اپنا وقت ضائع کرنے لگا۔ ان کاموں میں وہ اس طرح مصروف ہوا کہ اسے نفس پرستی کے سوا کوئی بات ہی یاد نہ رہی۔

گویوں، مسخروں، شرابیوں اور عیش پرستوں کے اقبال کا ستارہ بلند ہو گیا۔ گلی گلی، کوچے کوچے گانے بجانے، ناچ اور راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ بادشاہ کا یہ عالم دیکھ کر کہ

الناس علی دین ملو کھم

کے مصداق پر امیر اور دولت مند عیش و عشرت اور بادہ خواری کا گرویدہ ہو گیا۔ شہر کے بوڑھے، بچے اور جوان سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے گئے اور دہلی کے ہر گوشے میں غزل خوانی کی شیریں آوازیں آنے لگیں۔ شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں شراب کے سیلاب میں بہا دیا گیا ہے۔ حالات بہ اینجا رسید اور قاضی اور محتسب جیسے لوگ بھی ان اعمال جنیشہ میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی دربار میں مسخروں اور گویوں کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا تھا۔

معزالدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے کیلوکھری میں ایک بڑا شاندار محل اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور وسیع باغ بنوایا اور اس کو اپنی قیام گاہ بنا کر یہیں دارالسلطنت بنا ڈالی۔ دربار شاہی خوبصورت گانے والیوں اور ..... بذلہ سنج اشخاص کا مرکز بن گیا۔ کیقباد کی یہ حالت تھی کہ پل بھر کیلئے وہ ساقی و شراب کی فرقت برداشت نہ کرتا تھا اور جی کھول کر شاہی خزانے سے دولت نکال کر لوگوں کو بخشتا تھا۔

اس کے دور میں مسجدوں اور خانقاہوں میں ویرانی چھا گئی۔ وہاں کوئی شخص نظر نہ آتا تھا لیکن شراب خانوں کی آبادی دن رات چوگنی ہو گئی۔ پورا ملک بے راہ روی کا شکار ہو گیا۔ سب کی آنکھوں میں غفلت کے پردے پڑ گئے۔ شراب نوشی اور عیش کوشی کی کثرت کی وجہ سے بادشاہ کو

Marfat.com

سخت نقصان پہنچا اور وہ کمزور و نحیف ہو کر بستر مرگ پر پڑ گیا۔

کیقباد کے دور اقتدار میں کئی بے گناہ لوگ بھی مارے گئے تھے۔ ان کے بچوں کو بادشاہ پر بڑا غصہ تھا۔

آخر چند ترکی بچے جن کے باپ کیقباد کے ہاتھوں مارے گئے تھے کیقباد سے بدلہ لینے کیلئے کیلوکھری کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان بچوں کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ کوئی زہر کا پیالہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ کوئی چھوٹا سا چاقو بھی نہ تھا۔ صرف ایک چادر تھی جو ایک بچے نے اوڑھ رکھی تھی۔

دربانوں نے پوچھا کو بچو! تم کہاں جاؤ گے؟ وہ کہنے لگے ہم بابا جی کیقباد کے پاس جائیں گے۔

کیوں کیا کہنا ہے؟

بس سلام کریں گے۔

وہ تو اس وقت آرام کر رہے ہیں۔

تو کوئی بات نہیں، ہم ان کی سیج کو ہی سلام کریں گے۔

یوں یہ بچے بادشاہ کے کمرے تک جانے میں کامیاب ہو گئے۔

ان بچوں نے کیقباد کو جو بیماری کی وجہ سے ادھ موا ہو چکا تھا۔ اپنی چار میں لپیٹ کر دو چار گریں لگائیں اور جھولاتے ہوئے دریائے جمنا تک لے گئے اور گٹھڑی سی باندھ کر اسے دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا اور یوں کیقباد صرف 3 سال عیش و عشرت کے دن گزار کے اپنے انجام کو پہنچا۔

تاریخ فرشتہ

از محمد قاسم فرشتہ

حمام

احمد نگر کے بادشاہ مرتضیٰ نظام کو اپنے بیٹے میراں حسین کی نسبت دوسرے امرا پر زیادہ اعتماد تھا۔ وہ بیٹے کے ہر کام میں حارج ہوتا تھا۔ فتنہ پردازوں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے ایک دن بادشاہ سے کہا کہ اراکین سلطنت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو بادشاہت سے

Marfat.com

معزول کر کے میراں حسین کو تخت نشین کیا جائے۔

یہ بات سن کر مرتضٰی نظام شاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے خیال کیا کہ اس سازش میں یقیناً اس کا بیٹا بھی شامل ہے۔ وہ بیٹے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا اس نے بیٹے کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر صلابت خاں نے کچھ ایسا انتظام کیا کہ بیٹا باپ کے ہاتھ نہ آ سکا۔ اسے چھپا لیا گیا۔

آخر ایک دن بادشاہ نے امراء سے کہا میرا دل بیٹے سے ملنے کو بڑا بے قرار ہے۔ میں اس کے فراق میں رات بھر روتا رہتا ہوں۔

امرا نے سمجھا کہ باپ بیٹے کو ملنا چاہیے۔ آخر وہ اس کا نور نظر ہے۔ انہوں نے باپ بیٹے کے ملنے کا انتظام کیا۔

جب میراں حسین بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ تو بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ وہ بازو پھیلا کر آگے بڑھا۔ بڑی محبت اور مہربانی سے گلے لگا لیا۔ اس کا ماتھا چوما۔ دونوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر اسے بغداد نامی عمارت کے ایک حجرے میں ٹھہرایا۔ مگر باپ کے دل کا کھوٹ کسی پر واضح نہ تھا۔ دوسرے روز اس نے شہزادے کو توشک اور لحاف میں لپیٹ کر حجرے کو نذر آتش کر دیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

شہزادہ بڑی مشکل سے توشک اور لحاف سے باہر نکلا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ کمرے میں چاروں طرف دھواں ہی دھواں پھیلا ہوا ہے۔ تو وہ پریشان ہو کر کھانسنے اور چیخنے لگا۔ بچاؤ بچاؤ کی آوازیں دینے لگا۔ فتحی شاہ نے یہ آوازیں سنیں تو اسے شہزادے پر رحم آیا۔ اس نے حجرے کا دروازہ کھول کر شہزادے کو بچا لیا۔

شہزادہ بچ گیا۔ مگر اس کا رواں رواں باپ کے خلاف ہو گیا۔ وہ باپ کی شکل اور آواز کو برداشت نہ کرتا تھا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ باپ کو اسی طرح اذیتیں دے کر مارے گا۔

میراں حسین کچھ بدمعاشوں کو لے کر قلعہ میں داخل ہوا سب کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ آتے ہی محل کے افراد کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ قتل کرتے کرتے بادشاہ کے کمرے تک پہنچ گئے۔

بادشاہ باہر نکلا اس نے بیٹے کو دیکھا جس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ

Marfat.com

میں خون آلود تلوار دیکھی۔ دوسرے سب لوگ ایک طرف ہو گئے۔ صرف باپ بیٹا آمنے سامنے رہ گئے۔

باپ نے بیٹے سے کہا۔ میرے بیٹے تم! باپ پر تلوار اٹھاؤ گے بے شرم تمہیں شرم نہیں آتی۔ باپ کو قتل کرے گا کیا؟ میراں حسین آگے بڑھا اور گرج کر بولا۔ ہاں جس باپ کے دل میں بیٹے کی محبت نہیں ہے۔ اس کے بیٹے کے دل میں باپ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے لمحے تلوار اس کے پیٹ پر رکھدی۔ اور بولا۔ جی چاہتا ہے کہ تلوار ترے پیٹ میں اتنے زور سے بھونک دوں کہ پیٹھ کی طرف سے نکل جائے۔

نظام نے ٹھنڈی آہ بھری۔ کہا۔ اے میرے عاق شدہ بیٹے تیرا باپ اب چند روز کا مہمان ہے۔ تو اگر اس پر رحم کرے تو ٹھیک ہے ورنہ جو تیرے دل میں آئے کر۔

میراں حسین نے ساتھیوں سے کہا اس کمینے بادشاہ کو حمام میں لے جاؤ حمام کا دروازہ بند کر کے گلخن کی آگ تیز کی جائے۔ اور اسے اس گرم پانی سے نہانے پر مجبور کیا جائے۔

اف! بادشاہ اس کھولتے ہوئے پانی میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کے جسم کی کھال اتر چکی تھی اس کی تجہیز و تکفین بھی مشکل ہو گئی۔

یہ بادشاہ 18 رجب المرجب 996ھ کو مرا۔

تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ

انقلاب فرانس

کہا جاتا ہے کہ انقلاب فرانس کے وقت عزرائیل کو جانیں نکالنے میں فرصت نہ ملتی تھی۔ اس انقلاب کی وجہ سے پچیس سال تک یورپ میں خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ لاکھوں انسان توپ و تفنگ کا شکار ہو گئے۔ انقلاب فرانس کیوں ہوا اس کے اسباب میں ذہنی، مجلسی اور ملکی حالات شامل ہیں۔

فرانس میں جو قانون بنایا جاتا وہ عوام کے مشورے کے بغیر بنایا جاتا۔ ایسے قوانین سے عام لوگوں کی زندگی غلامانہ ذہنیت کی مرہون منت بنی رہتی۔ حکومت عوام سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لیتی رہتی۔ عوامی تحفظ کی طرف حکومت کی توجہ بالکل نہ تھی۔

Marfat.com

ان حالات میں والٹیئر نے عیسائی مذہب پر حملہ کیا۔ وہ پادریوں پر تنقید کرنے لگا۔ ان کی مذمت کرنے لگا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عام لوگ مذہب سے بغاوت کرنے لگے..... روسو نے حکومت کے مظالم اور استبداد کو طشت از بام کرنے شروع کر دیئے۔ وہ کہتا کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ بادشاہوں اور ان کے امرا کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیں۔ اور بالکل آزاد ہو جائیں۔ وہ واضح لفظوں میں کہتا کہ انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے۔ لیکن بادشاہوں نے ہر جگہ اسے غلام بنا رکھا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ غلامی اور استبداد کی زنجیروں کو کاٹ کر پھینک دیں۔ اور بالکل آزاد ہو جائیں۔

ان دونوں مفکرین کو انقلاب فرانس میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، کہا جاتا ہے کہ ان مفکرین نے عوام کے ذہنوں کو انقلاب فرانس کے لئے تیار کیا ہے یعنی بادشاہوں اور امرا کے خلاف بغاوت اور نفرت پیدا کی ہے۔

اب انہی ذہنوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ امیر لوگ، امیر کیوں ہیں اور غریب لوگ غریب کیوں ہیں۔ پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ چونکہ امیر لوگ غریبوں سے سب کچھ چھین لیتے ہیں اس لئے وہ زیادہ امیر بن جاتے ہیں اور غریب مزید غریب بن جاتے ہیں وہ غلہ اگاتے ہیں مگر ان کی چنگیریں روٹیوں سے خالی رہ جاتی ہیں اور جو کچھ نہیں کرتے ان کے دسترخوانوں پر قسم قسم کی چیزیں چنی ہوتی ہیں۔

علاوہ ازیں فرانس کے لوگ بادشاہ اور امرا کے رحم و کرم پر تھے وہ جب چاہتے جسے چاہتے لوگوں کو قید میں ڈال دیتے۔

1789ء میں لوئی شانزدہم فرانس کا بادشاہ بنا وہ بذات خود نیک دل حکمران تھا۔ مگر اس سے قبل کے بادشاہوں کی عیش پرستیوں اور لاقانونیت سے لوگوں کے ذہن باغی ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا مگر لوگ الگ جا بیٹھے۔ حکومت کا خزانہ خالی تھا اس کے لئے بعض نئے ٹیکس اور محصولات لگائے۔ عوام نے دینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ لوگ سڑکوں پر نکل آتے۔ یہاں تک کہ 14 / جولائی 1789ء میں فرانس کا پرانا قلعہ باستیل جو سیاسی قیدیوں کے لئے بطور جیل استعمال ہوتا تھا پر ہلہ بول دیا۔ قلعہ کو تباہ کر دیا اور قیدیوں کو چھڑا لیا۔

جب یہ خبر دیہاتوں تک پہنچی تو وہ بھی بغاوت پر اتر آئے اور قانون کا احترام ختم ہو گیا.....

Marfat.com

اب بادشاہ لوئی شانزدہم نے ملکہ کے ساتھ بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر 25 جون 1791ء کو ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن بعض دوسرے بادشاہوں نے فرانس کے بے بس بادشاہ کی مدد کے لئے کمر ہمت باندھی۔

سب سے پہلے پرشیا اور آسٹریا کی فوجوں نے فرانس پر حملہ کیا۔ مگر انقلاب پسندوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور فوجوں کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

اب انقلابیوں نے فیصلہ کیا کہ جب تک بادشاہ قید میں ہے۔ دوسرے بادشاہ اس کی حمایت میں فرانس پر حملے کرتے رہیں گے۔ لہٰذا بادشاہ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ 21 جنوری 1793ء کو بادشاہ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور 16 اکتوبر 1793ء کو اس کی ملکہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔

تاریخ انگلستان

از سید عبدالقادر ایم اے

فیروز سنز اردو انسائیکلوپیڈیا

Marfat.com

ذخیرہ

مسجد شہید گنج

داراشکوہ ابن شاہجہاں کے خانساماں عبداللہ خان نے 1653ء (تحقیقات چشتی کے مطابق 1664ء میں) دہلی دروازہ کے باہر لنڈا بازار کے مشرقی جانب ایک مسجد تعمیر کی۔ جس کا نام عبداللہ خان والی مسجد مشہور ہوا۔ مگر بعد میں اس مسجد کا نام مسجد شہید گنج ہوگیا۔ چونکہ مسجد شہید گنج کے علاقہ میں واقع ہے اس لئے اسے مسجد شہید گنج کہتے ہیں۔

اس علاقے کو شہید گنج کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ لاہور پر نادر شاہ کے حملہ 1738ء کے بعد لاہور کا گورنر زکریا خان مرگیا۔ اور اس کے بیٹا یحییٰ خان تخت لاہور پر بیٹھا تو سکھوں نے زور پکڑنا شروع کر دیا اور بڑی جلدی ایمن آباد میں جسپت رائے کو قتل کر ڈالا۔ اس قتل نے جسپت رائے کے بھائی لکھپت رائے کو مشتعل کر دیا۔ لکھپت رائے عبدالصمد خان کے عہد سے لاہور کا دیوان اور مدارالمہام چلا آرہا تھا۔ اس نے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے یحییٰ خان کی فوجوں کے ساتھ سکھوں کی سرکوبی کا منصوبہ بنایا۔

سکھ کشمیر کی جانب بھاگ گئے۔ یہ بھی ان کے تعاقب میں جموں تک گیا اور بھاگتے سکھوں کو جان سے مارا۔ اس طرح کئی ہزار سکھ قتل ہوگئے۔ پھر ایک ہزار سکھ پابہ زنجیر لاہور میں لائے گئے ان کے کیس اور داڑھیاں مونڈ کر گدھوں پر بٹھایا گیا اور شہر میں پھرا کر تشہیر کی گئی۔ ازاں بعد انہیں دہلی دروازے کے باہر مقام نخاس (کوتوالی دروازے کے قریب) قتل کر دیا گیا۔

سکھ اس مقام کو شہید گنج کہتے ہیں۔ اس وجہ سے عبداللہ خان والی مسجد کو مسجد شہید گنج کہا جاتا ہے۔

سکھوں نے گورنر معین الملک عرف میر منو کے عہد میں لاہور کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا منصوبہ بنایا اور چالیس ہزار سکھوں کے جتھے نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ میر منو بڑا سخت گیر حاکم تھا۔ اس نے کسی سکھ کو معاف نہیں کیا۔ اس نے چن چن کر سکھوں کو مارا۔ بلکہ یہ

Marfat.com

اعلان بھی کر رکھا تھا کہ جو کوئی کسی سکھ کا سر کاٹ کر لائے گا اسے 50 روپے انعام میں ملیں گے۔ یہ بھی حکم تھا کہ جہاں کوئی سکھ ملے اس کی داڑھی اور کیس مونڈ دیئے جائیں۔

اس مسجد کے قریب ایک سکھ رہتا تھا۔ جسے تارا سنگھ یا تارو بھائی کہا جاتا تھا۔ یہ سکھ مذہبی اعتبار سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ وہ دنیا کے جھمیلوں سے الگ رہتا تھا۔ سکھوں کا بزرگ سوامی اور گورو تھا اس کی سیوا کرنے کو دور دور سے کئی سکھ سیوک حاضری دیتے تھے۔ تارو سنگھ ایک انسان دوست آدمی تھا۔ انتقام اس کے نزدیک اچھا نہ تھا۔

لیکن یحیٰ خان اور میر منو کے ہاتھوں ہزاروں سکھوں کا قتل جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا برداشت نہ کر سکا۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ اگر وہ چاہتا تو سکھوں کو مشتعل کر کے ایک خطرناک ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا مگر اس نے اپنی نفرت کا اظہار ایک اور طریقے سے کیا۔ وہ رات کے کسی حصے میں اٹھتا اور مسجد کے طہارت خانوں میں ٹٹی کر آتا۔ مسلمان نمازیوں کو اس سے گھن آئی۔ انہوں نے ایسی حرکت کرنے والے کا پتہ لگانے کے لئے پہرے دار بٹھا دیئے۔ پھر بڑی جلدی یہ راز کھل گیا کہ یہ تارا سنگھ کی شرارت ہے۔ لیکن انہوں نے خود تارا سنگھ سے کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے میر منو (معین الملک) جو کہ اس وقت لاہور کے گورنر تھے سے شکایت کی۔

وہ تو پہلے ہی سکھوں کے بڑے خلاف تھے۔ کیونکہ لاہور پر سکھوں کے حملے کے باعث سکھوں کا نام تک سننا پسند نہ کرتے تھے۔

میر منو نے جونہی شکایت سنی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے فوراً حکم فرمایا کہ تارا سنگھ کی داڑھی اور کیس مونڈ دیئے جائیں۔ لیکن تارو سنگھ نے ایسا کرنا پسند نہیں کیا اس نے صاف انکار کر دیا۔ کہ مر جاؤں گا مگر اپنے مذہبی شعار پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔

اب دوسرا حکم یہ آیا کہ تارو سنگھ کو اذیت دے کر قتل کر دیا جائے۔

اس حکم کے تحت تارو سنگھ کو محض جلاد کے سپرد کر کے آن واحد میں سر تن سے جدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ سرکاری حکم کے مطابق اس کا پوش اتار لیا گیا۔ تین آدمی چھریاں لے کر اس زندہ

Marfat.com

تاروسنگھ کی کھال اتار رہے تھے۔ وہ چیخوں پر چیخیں مار رہا تھا مگر کام کرنے والے کام کرتے رہے۔ پھر نمک پاشی کی گئی اور یوں تاراسنگھ سے اس کی زندگی چھین لی گئی۔

تاروسنگھ مر گیا وہ گو غیر مسلم تھا مگر اللہ کی مخلوق میں سے تھا۔ اللہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے بندے کو اس کے جرم کی نسبت سزا زیادہ دی جا رہی ہے۔ قدرت کے چہرے پر بھی غصے کی شکن نمودار ہو گئی۔ جن کا اظہار یوں ہوا کہ بڑی جلدی میر منو گھوڑے سے گر کر مر گیا وہ شکار کھیلنے گیا۔ گھوڑا بدکا اور بے قابو ہو گیا۔ میر منو گھوڑے پر جما نہ رہ سکا۔ وہ ایک طرف لڑک گیا۔ اس کا پاؤں رکاب میں اٹکا اور گھوڑا اسے دور تک گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ اس کی ہڈیاں ننگی ہو گئیں۔ اسے ریلوے سٹیشن کے قریب دفن کیا گیا۔

جب سکھوں کا دور حکومت آیا تو انہوں نے معین الملک کا مزار مسمار کر کے اس کی لاش کو ضائع کر دیا۔

تحقیقات چشتی از نور احمد چشتی

تاریخ پنجاب از سید لطیف

Marfat.com

Z.B.S.
2002

Marfat.com

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی

یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن
۵ جلد

فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن

قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر
لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

سیرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب ضیاء النبی
۷ جلد

درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے
معمور تصنیف

سنت خیر الانام

فتنہ انکار سنت پر تحقیقی اور تنقیدی کتاب

مقالات
۲ جلد

مختلف علمی، روحانی اور معاشی
موضوعات پر جامع مقالات
کا مجموعہ

قصیدہ اطیب النغم

خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز
اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات شریف

مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ اور دیگر سلاسل
کے معمولات اور اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور 7221953-7220479
فیکس 7238010
۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 7225085-7247350
۱۴۔ انفال سنٹر اردو بازار کراچی 2210212-2212011
2630411

Marfat.com

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی
یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن
جلد ۵
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر
لفظ سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

سیرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب
ضیاء النبی
جلد ۷
درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے
معمور تصنیف

سنت خیر الانام
فتنہ انکار سنت پر تحقیقی اور تنقیدی کتاب

مقالات
مختلف علمی، روحانی اور معاشی موضوعات پر جامع مقالات کا مجموعہ
۲ جلد

قصیدہ اطیب النغم
خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز
اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات شریف
مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ اور دیگر سلاسل
کے معمولات اور اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ ۰ لاہور 7221953-7220479
فیکس 7238010
۹۔ الکریم مارکیٹ ۰ اردو بازار ۰ لاہور 7225085-7247350
۱۴۔ انفال سنٹر ۰ اردو بازار ۰ کراچی 2210212-2212011
2630411

Marfat.com